سلسلۂ مطبوعات الٰہ آباد لٹریری و کلچرل ایسوسی ایشن الٰہ آباد

گل پارے

مرتبہ

کاظم علی خاں ایڈوکیٹ

امروہوی

ادارۂ انیس اردو الٰہ آباد

قیمت :- چار روپیہ

(جید پریس دہلی)

گل پارے

میں نہایت خلوص سے سید علی ظہیر صاحب کی علم دوستی اور ادب

نوازی کی نذر کرتا ہوں

کاظم

دورِ حاضر میں نشر و اشاعت کی دشواریوں میں جس قدر اضافہ ہوا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں لیکن نامناسب حالات کے باوجود ادارہ "انیس اردو" الہ آباد نے آنے والی نسلوں کے ادبی شعور کو مدنظر رکھتے ہوئے پورے بھروسے کے ساتھ تالیف و تصنیف اور اعلےٰ معیاری ادب کی نشر و اشاعت کی اہم ذمہ داری اپنے سر لے لی ہے اور ہمیں امید ہے کہ انشاء اللہ ہماری کوششیں کامیاب ہوں گی

ہمیں یقین ہے کہ جس حسن نیت سے اس ادارہ نے اس سلسلہ کا آغاز کیا ہے اسی وسعتِ قلب سے ہماری ہمت افزائی بھی کی جائے گی۔

سکرٹری نشر و اشاعت۔

ادارۂ "انیس اردو" الہ آباد۔ یوپی

فہرست عنوان ابجد وار

تعارف

(از پروفیسر واقف لکچرار شعبہائے اردو فارسی پنجاب یونیورسٹی کیمپ کالج دہلی)

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ماحول اپنے اثرات سے کسی کو حصہ دئے بغیر نہیں چھوڑتا اور صلاحیتوں کے اعتبار سے متعلقہ افراد کو اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے۔ علمی شعبوں میں خاص طور پر ماحول کا اثر فنون لطیفہ میں زیادہ نمایاں طور سے ظاہر ہوتا ہے مصوری ہو یا موسیقی، فطری رجحان کی مناسبت سے بڑی حد تک مشاقی اور ریاض کی محتاج ہے۔ لیکن شاعری کے متعلق عمومی عقیدہ یہ ہے کہ یہ چیز فیضان قدرت اور انعام ربانی ہے بقول ع این سعادت بزور بازو نیست ؛ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ۔ یہ کوئی اکتسابی چیز نہیں اور یہ ہے بھی حقیقت مصوری و موسیقی کے اسکول کالج اور ادارے اپنی چھوٹی بڑی حیثیت میں ناموں کے اختلاف کے ساتھ ہمیشہ قائم رہے ہیں اور آج بھی موجود ہیں لیکن آج تک شاعری کا نہ کوئی سکول قائم ہوا۔ اور نہ کوئی کالج، یوں معیار و انداز کلام کی نسبتوں سے ہماری اردو شاعری میں دلی اور لکھنو کے اسکول مشہور ہیں لیکن وہ ایسے سکول نہیں جن میں نہ آج تک جماعتیں جاری ہوئیں اور نہ شعر گوئی کے اسباق پڑھائے گئے اور نہ کسی یونیورسٹی سے تکمیل فن کا کوئی ڈپلوما یا ڈگری کسی شخص کو ملی، ہاں قبول عام اور شہرت دوام کی سندیں ہمیشہ صاحبان فن کو ملتی رہی ہیں، ان میں کچھ لوگ ایسے شامل ہیں کہ جن کا مبلغ علم وافر نہ تھا لیکن مبداء فیض کی سرپرستی کے سہارے وہ بھی باکمالوں کی صف میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ تبحر علمی وسعت مطالعہ اور تجربات زندگی اس فن میں سونے پر سہاگے کا کام کر جاتے ہیں۔

شعر مصوری و موسیقی سے کہیں زیادہ اثر انگیز یا بالفاظ دیگر ایک جیتا جاگتا جادو ہے جو سماعت سے گذر کر جذبات ذہنیت خیالات اور احساسات سے جا ٹکراتا ہے۔ اور پھر وہ حسب صلاحیت قوائے عمل کو بیدار کرتا ہے۔ اخلاقیات پند و نصائح افہام و تفہیم، واردات قلبی، احساسات حوادث زمانہ عیش و نشاط، رنج صبر و توکل تسلیم و رضا، قناعت و خودداری بیماری و تندرستی مفلسی و تونگری، عشق و محبت۔ شراب و شاہد بہار و خزاں، رزم، بزم، حیات و ممات عذاب و ثواب۔ سزا و جزا، سود و زیاں برق و نشیمن وغیرہ یہ وہ متعلقات ہیں جن سے کم و بیش ہر شخص کو حالات اور تقاضوں کے اعتبار سے قریب و دور کا واسطہ ضرور ہے شاعر عکاس فطرت ہے وہ محسوسات و غیر محسوسات کی مصوری کرتا ہے۔ وہ نباض حیات ہے وہ مفسر کائنات ہے۔ وہ زندگی کے تمام مسائل پر روشنی ڈالتا ہے۔ وہ دنیا و مافیہا کی ایسی تفسیر پیش کرتا ہے کہ جہاں

فلسفی منہ تکتے رہ جائیں وہ اسرار ورموز کی وہ موشگافیاں کرتا ہے کہ جہاں منطق واستدلال کو یارائے کلام نہیں۔ عالم کون وفساد کا ہر ذرّہ اس کا ہمراز وہمنوا۔ ستارے اس سے سرگوشیاں کرتے ہیں چاند اس سے باتیں کرتا ہے۔ بادِ صبا اور نسیم سحری اس کے قاصد۔ گلشن دہر کا ہر پودا۔ ہر شجر۔ ہر پتہ۔ ہر کلی اور ہر پھول اس کے ریاض فکر کی آراستگی میں مصروف، گردش دوراں اس کی ٹھوکریں۔ تاج سلطانی اس کے قدموں میں، وہ طوفانوں سے کھیلتا ہے، برق وشرر کو چھیڑتا ہے وہ زندگی کی ہر شاہراہ پر دوڑتا ہے۔ حوادث کا مقابلہ کرتا ہے۔ حیات وممات کی کش مکش کا مضحکہ اڑاتا ہوا اور وہ اپنے اس روزنامچہ حیات کو شعر وسخن کے سانچوں میں ڈھال کر دنیا کے لئے داستانیں چھوڑ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شعری عکاسی زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں ہے اور شعرا نے ان مراحل ومنازل کی لفظی ومعنوی مصوری میں اپنی زندگیاں وقف کر ڈالی ہیں۔

تقسیم موالید ثلاثہ کے ضمن میں انسان کو حیوان ناطق قرار دیا ہے۔ نطق وگویائی نے ہی اسے دوسری مخلوقات سے ممتاز گردانا ہے۔ اس لئے کلام کو ہی طرۂ امتیاز تسلیم کیا جائے گا۔ لیکن اس میں بھی درجات ومراتب قائم ہیں۔ وحشی وغیر مہذب لوگ بھی کلام کرتے ہیں۔ عوام کا بھی ایک اسلوب عام ہے۔ لیکن حسن کلام کی عطا میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔ مختصر اور جامع کلام کو مستحسن سمجھا جاتا ہے اور اس خوبی کا سب سے بڑا حصہ دار صرف شاعری کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ جہاں ایک مصرع اور ایک بیت میں ایسے ایسے اسرار ورموز ایسے ایسے معانی ومطالب کا خزینہ ہوتا ہے کہ جس کی نثر کے لئے صفحات درکار ہوں، جن کی تشریح کے لئے ایک طومار کی ضرورت پڑے۔ چنانچہ سلسلۂ کلام میں باموقعہ وبرمحل ایک مصرعہ یا ایک شعر ایک طویل نثر وبیان سے بہتر مفہوم کی نمائندگی کے مقاصد ادا کر ڈالتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ادبی ذوق رکھنے والے حضرات ایسے برمحل اور باموقعہ اشعار کا ذخیرہ کرتے رہتے ہیں اور پھر عمریں گذر جانے پر بھی تشنگیٔ ذوق کی تسکین نہیں ہوتی۔ کیوں کہ یہ کوئی آسان کام نہیں، ایسی ذخیرہ اندوزی کوئی مصروف انسان کہاں تک کر سکتا ہے۔ سعی پیہم، وقت کی قربانی تعطل فرائض کے ساتھ ساتھ ذوق سلیم کی بھی سخت ضرورت ہے۔ اگر ایک شاعر کے کلام سے حسب ضرورت دلپسند اشعار کا انتخاب کیا جائے تو اس کے لئے کافی وقت قربان کرنا پڑیگا۔ چہ جائیکہ ہزاروں شعراء کے کلیات ودواوین کی چھان بین۔

ایسے ہی ادبی ذوق کے تقاضوں سے مجبور ہو کر محب محترم **کاظم علی خاں** صاحب رئیس واسپیشل مجسٹریٹ درجۂ اول امروہہ نے اپنی قیمتی اور مصروف زندگی کے بڑے وقت کی قربانی کے ساتھ یہ ذخیرہ فراہم کر دیا ہے اور یہ ان کا ایسا نادر کارنامہ ہے جس کے لئے بجا طور پر صاحبانِ ذوق اور اردو ادب کو ان کا ممنون احسان ہونا چاہیئے۔ کہ انہوں نے ادب کے مدفون خزانوں سے ایسے نوادرات ڈھونڈھ نکالے۔

میں نے اپنی ابتدائی سطور میں کہا ہے کہ ماحول کا اثر دیرپا اور مستقل ہوتا ہے وہی اثرات موصوف میں بھی

موجود ہیں کیوں کہ ان کا خاندان این خانہ تمام آفتاب است کے مصداق علمی و ادبی شغف کے لئے صدیوں سے مشہور
رہا ہے، اس آخری دور میں بھی ان کے والد ماجد **رفعت علی خاں** صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر ایک بلند پایہ شاعر تھے
وہی ادبی صلاحیتیں **کاظم علی خاں** صاحب میں بدرجہ اتم موجود ہیں وہ خود بھی شعر کہتے ہیں لیکن میری نظر میں وہ
شاعر سے بہتر ایک بلند پایہ مبصر و نقاد فن ہیں، ان کے اعمام میں جناب **حامد علی خاں** صاحب حامد بار ایٹ لا
لکھنو صاحب دیوان تھے اور اساتذہ میں شمار تھا۔ اسی طرح حکیم **راحت علی خاں** صاحب لاالف مجبوب
المتخلص بہ حاذق اپنے معاصرین میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے۔ بہرطور یہ تسلیم ہے کہ مولف کتاب نے اپنے ادبی
ذوق کے چشمۂ حیواں کو ظلمات کے پردوں سے برآمد کر کے اسے ایک سیل رواں کی صورت بخش دی ہے۔ سمندر
کی تہ میں موتیوں کی کمی نہیں لیکن قابل ستائش ہے وہ غوطہ لگانے والا جو اپنی جان پر کھیل کر اس بحر عمیق کی
تہوں کو الٹتا ہے ٹٹولتا ہے اور پھر لولوئے شاہکار نکال کر لاتا ہے۔ بالکل اسی طرح قیاس کیا جا سکتا ہے
اس کاوش انتخاب کو کہ ہزاروں دواوین و کلیات کی ورق گردانی اور اپنے قیمتی وقت کی قربانی کے بعد
اشعار کے وہ درہائے آبدار ڈھونڈھ نکالے کہ جن کو دیکھ کر ایک مبصر کی نظر بھی حیرت سے ساکت رہ جائے۔
روح نکہت بہار خرابہ سخن میں بھری ہے کہ مشام جاں معطر ہوئے۔ معانی و موسیقی کا وہ ساز مہیا کیا ہے کہ جس
کی ہر امنگ پر سماعت جھوم اٹھے۔ میں نے ان کے اس انتخاب کا انتہائی دلچسپی کے ساتھ بغور مطالعہ کیا ہے
ہر شعر اپنے مقام پر ان کے حسن انتخاب کی داد دے رہا ہے۔ اس عنوان پر اور بھی ایک دو صاحبان نے اپنا
وقت صرف کیا ہے اور کافی اشعار جمع کئے ہیں مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی۔ کاظم علی خاں کا انتخاب۔
شاعر کے اسلوب بیان سلاست و روانی۔ تاثر روزمرہ اور محاورات غرضکہ تمام محسنات کلام کو اپنے دامن
میں لئے ہوئے ہے۔ انہوں نے ردیف وار سینکڑوں عنوان قائم کر کے ان کے ذیل میں اشعار جمع کئے ہیں
نہ صرف نومشقوں بلکہ اساتذہ فن کے لئے بھی یہ انتخاب ایک مشعل راہ ہے جس کی روشنی میں صاف نظر آ جائے گا
کہ ایک ہی مضمون کو مختلف اساتذۂ فن کس اسلوب اور جامعیت سے ادا کر رہے ہیں۔ کون کس خوبی کے
اعتبار سے دوسروں سے آگے بڑھ گیا ہے۔ ایک مضمون و مفہوم کو مختلف پیرائے میں کس طرح پیش کیا ہے
کہ جہاں نہ توارد کی تہمت اور نہ سرقہ کا الزام۔ اور پھر ہر شعر اپنے محل و مواقع کے اعتبار سے کس قدر
موزوں۔ میں مؤلف کو ان کی اس سعی مستحسن پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

"**واقف**"
(امروہوی)

اَبرُو

دل چاک چاک ابروئے خمدار نے کیا
کعبہ کو کربلا تری تلوار نے کیا
اثیر

اللہ اللہ کیا کشش ابرو میں تھی وقتِ غضب
بڑھنے پہ تلوار گھٹ جانے پر خنجر ہوگیا
صولت

نوکِ مژگاں نے بنایا ہدفِ تیر مجھے
خمِ ابرو نے کیا ہے تہہ شمشیر مجھے

جس نے اس کا زخم کھایا ہو اسے معلوم ہو
تیغ ابرو کی صفت گھائل سے پوچھا چاہیئے
تاباں امروہوی

ابروؤں کا ترے رہتا ہے مرے دل میں خیال
نیام ہے ایک مگر اس میں ہیں شمشیریں دو
شوق قدوائی

نہیں آگاہ کوئی ابروئے خمدار قاتل سے
پتہ پوچھے کوئی اس تیغ کے زخموں کا بسمل سے
تقی امروہوی

بس ناوکِ نگاہ سے زخمی تو ہو چکا
ابرو تمھاری اور کرے گی حلال کیا
میکش

دھاک کچھ ایسی بندھی ہے ابروئے خمدار کی
دونوں عالم میں ہے شہرت یار کی تلوار کی
"

محراب دار ابرو آنکھیں سرور آور
مسجد سے دو قدم ہے گویا شراب خانہ
بیدی سحر

اگر ابرو سے وہ کر دیں اشارہ
ستارے توڑ لاؤں آسماں سے
جالب امروہوی

آبلہ

کانٹوں کی زباں سوکھ گئی پیاس سے یارب
اک آبلہ پا وادیٔ پُر خار میں آئے
غالب

تھا جو باقی اِک آبلہ دل میں
جوشِ گریہ سے وہ بھی پھوٹ گیا
بجود

رہ نوردی میں لطف کیا جب تک
پاؤں میں آبلہ نہیں ہوتا
فنا بنارسی

نہاں میں نام سے وہ آسماں کے ہے مشہور
شبِ فراق جو اُبھرا تھا آبلہ دل کا
ذاخر

تصور ہی تیرا بلا ہو گیا
کہ دل میں مرے آبلہ ہو گیا
نساخ

آزمائے کوئی سوزِ عشق کی تاثیر کو
آبلے پڑ جائیں گر چھو لے میری تصویر کو
جدید لکھنوی

خدا ہی خیر کرے آج رنگ بے ڈھب ہے
ٹپک رہا ہے کئی دن سے آبلہ دل کا
ذاخر

ثاقب امروہوی — آبلہ پائی پہ تیری رو رہے تھے خارِ وحشت — ناتوانی پر تری فریاد زنجیروں نے کی

اتفاق

وزیر — نگاہ ملتے ہی دل بھی جو ایک ہو جائیں — یہ اتفاق کہیں بار بار ہوتا ہے

ایسا بھی اتفاق مجھے بارہا ہوا — ان سے ملا ہوں ان کا پتہ پوچھتا ہوا

رند — ہو گیا ہے نفاق عالم گیر — اتفاق اُٹھ گیا زمانے سے

ناسخ — ہو گیا میرے ستانے کے لئے اے بخت حیف — اتفاق اس نوجواں سے اور چرخِ پیر سے

آٹا

نظیر اکبر آبادی — گر نہ آٹے دال کا ہوتا قدم یاں درمیاں — منشی و میر و وزیر و بخشی و نواب خاں

جاگتے دربار میں کیوں آدھی آدھی رات یاں — کیا عجب نقشہ پڑا ہے آہ کیا کہیئے میاں

سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کی

ادا

حسرت — ملتے ہیں اس ادا سے کہ گویا خفا نہیں — کیا آپ کی نگاہ سے میں آشنا نہیں

ابھی کیا ہے ابھی آرام لینے دو مسیحا کو — مریضِ عشق مرجائے تو میں پوچھوں ادا کیا ہے

اسد — جفائیں بھی سہتے ہیں ہم مسکرا کر — اسد کتنی پیاری ہیں ان کی ادائیں

ساحر دہلوی — آزمانے کی حد بھی ہے کوئی — کیا اسے شوخیٔ ادا کہیئے

سو سجدے ایک لغزشِ مستانہ وار میں — اللہ کیا ادا ہے ترے بادہ خوار میں

عظیم — تو سراپا حسن ہے تو پیکر تنویر ہے — ہر ادا تیری کتابِ حسن کی تفسیر ہے

کہا ہے غیر نے تم سے میرا حال — کہے دیتی ہے بے باکی ادا کی

اکبر — بنو گے خسروِ اقلیم دل شیریں زباں ہو کر — جہاں گیری کریگی یہ ادا نور جہاں ہو کر

جلیل — ادا اک یہ بھی ہے دل مانگنے کی — وہ کچھ کہتے نہیں اپنی زباں سے

قیامت ہیں بانکی ادائیں تمہاری — ادھر آؤ لے لوں بلائیں تمہاری — داغ

بول، چُپ ہے مجھ سے گویا کچھ کام ہی نہیں ہے — یہ وہ ادا ہے جس کا کچھ نام ہی نہیں ہے

کس بناوٹ سے وہ بگڑے ہیں ادا تو دیکھو — اس پہ روٹھے ہیں کہ کیوں کہتے ہو سرکار مجھے — حاذق امروہوی

شوخی ہو اس میں یا کہ ادا ہو حضور کی — چوری ہمارے دل کی کسی نے ضرور کی — رضا

اداسے دیکھ لو جاتا رہے گلہ دل کا — بس اِک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا — قتیل

اُداس

جنھیں لگاتے تھے تیغیں وہ مرگئے شاید — کہ ہاتھ ہاتھ پہ رکھے اداس بیٹھے ہو

خاطرِ عشق کیا شگفتہ ہے — آج میں بھی اُداس تم بھی اُداس — فراق

اداس دیکھ کے مجھ کو چمن دکھاتا ہے — بہت دنوں میں ہوا ہے مزاج داں صیاد — رند

ہر اک مکان کو ہے مکیں سے شرف اسد — مجنوں جو مر گیا ہے تو جنگل اداس ہے — غالب

دل میں ہر وقت یاس رہتی ہے — اب طبیعت اداس رہتی ہے

یہ کس کے دفن و کفن کی ہے فکر دامن گیر — کھلے ہیں بندِ قبا اور اُداس بیٹھے ہو — تعشق

ہر چیز کائنات کی لبریز یاس ہے — دل کیا اُداس ہے کہ زمانہ اُداس ہے

اے دل کی آرزوؤ، تمناؤ، ولولو! — چُپ ہو کے بیٹھ جاؤ مزاجی اُداس ہے — جالب امروہوی

جان و دل ہیں اُداس سے میرے — اُٹھ گیا کون پاس سے میرے — میر حسن

آرزو

یہ آرزو تھی تجھے گل کے روبرو کرتے — ہم اور بلبلِ بے تاب گفتگو کرتے — میر

ابھی ہے صدمۂ ہجراں کی گفتگو باقی — خدا کرے نہ رہے یہ بھی آرزو باقی — مجروح

حضور غور سے سنتے تو گفتگو کرتے — یہ آرزو تھی کہ ہم شرحِ آرزو کرتے — حامد

عاصم
کاش تیری نہ آرزو کرتے
کٹ گئی عمر جستجو کرتے

جس کی ٹھوکریں رہی ہر آرزو
ہم اسی کی آرزو کرتے رہے

بشارت
بلا کی ہے خواہش بلا چاہتا ہوں
مری آرزو دیکھ کیا چاہتا ہوں

از مولف
کشتیٔ آرزو جہاں ڈوبی
وہیں اپنے لئے کنارا ہے

ذوق
مزے جو موت کے عاشق بیاں کبھو کرتے
مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے

زاہد
ان سے ملنے کی آرزو ہے ہمیں
دید جن سے نہیں شنید نہیں

جگر
سب کچھ ہوا مگر نہ کھلا آج تک یہ راز
تم جانِ آرزو ہو کہ ہیں جانِ آرزو

بیان ہو نہ سکی ابتدا محبت کی
تمام عمر ہوئی شرحِ آرزو کرتے

آسی
کچھ بھی نہ آرزو ہو یہ ہے دل کی آرزو
کوئی نہ مدعا ہو یہ ہے مدعائے دل

میر
چاہیں تو تم کو چاہیں دیکھیں تو تم کو دیکھیں
خواہش دلوں کی تم ہو آنکھوں کی آرزو تم

اسلم
یہ بھلا ممکن ہے اسلم آرزو پوری نہ ہو
لیکن اپنی آرزو لے کر چلے تو سہی

آتش
پیام بر نہ میسر ہوا تو خوب ہوا
زبانِ غیر سے کیا شرحِ آرزو کرتے

حیات
تیرے سوا نہ رہے کوئی آرزو باقی
یہ آرزو بھی دلِ خانماں خراب میں ہے

ارمان

نواب
تم نے ارمان جو پوچھے مرے دل کے مجھ سے
کیا بتاؤں نہ رہا اب کوئی ارماں مجھ

فصیح
نہ نکلیں گے نکالے سے کسی کے حوصلے دل کے
ملیں گے خاک میں ارمان سب کے خاک میں مل

خیال خام ہے اپنا کہ یہ ارمان نکلیں گے
ہوا معلوم نکلیں گے تو لے کر جان نکلیں گے

مومن
ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیمان کہ بس
ایک وہ ہیں کہ جنھیں چاہ کے ارماں ہوں گے

تقی
صبر میرے دلِ بے تاب کو آجاتا ہے
جب وہ آجاتے ہیں ارمان نکل جاتے ہیں

رضا
کس یاس سے کہتا ہوں دیکھا ہے سب ہی کچھ
اک دل سے نکلتے ہوئے ارمان نہیں دیکھ

دل کے ارمان رہے دل میں بہت خوب ہوا — جانبِ ملکِ عدم ورنہ اکیلا جاتا — رضا
آبادئ دل اپنی ویرانہ سے بڑھ کر ہے — حسرت سی برستی ہے ارمانوں کی دنیا میں
کمالِ عشق کی شاید یہی ہے آخری منزل — وہی ہے آرزو اس کی جو میرے دل کا ارمان تھا

آستاں

جہاں سجدے میں ہم نے غش کیا تھا — وہیں شاید کہ اس کا آستاں ہو — مہر
بس تڑپ کے جس جگہ بھی یہ جبینِ شوق رکھ دوں — وہیں خود بخود کھینچ آئے ترا سنگِ آستانہ
ذرا سوچو تو دنیا کیا کہے گی — اٹھانے کو اٹھا دو آستاں سے — شاکر
نہ قدر ہو تو نہ ہو میرے سر جھکانے کی — تمہیں تو لاج رہے اپنے آستانے کی
کریں ہم بندگی پھر اور کس کی — اٹھائیں سر جو ان کے آستاں سے — اختر
دیکھ رہا ہوں چار سو سجدے کروں کہاں کہاں — ایک مری جبینِ شوق ان کے ہزار آستاں
اک ایسا ذوقِ سجدہ چاہتا ہوں — جہاں چاہوں بنا لوں آستانہ
گرے ہوتے اُلجھ کر [illegible] سے — چلے آتے ہو گھبرائے کہاں سے
جس جگہ قسمتیں پھٹی ہیں — وہ تیرا سنگِ آستانہ ہے — از مولف
آستانے پہ ان کے سر رکھ کر — بختِ خفتہ مجھے جگانا ہے — جالب آبر دہوی
یکیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا — تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو — غالب
نہ میں زمیں کے لئے ہوں نہ آسماں کیلئے — ہوا ہوں خلق فقط تیرے آستاں کیلئے — اختر
اب سجدے کروں دل کو سنبھالوں یا بڑھوں آگے — نظر آتا ہے کوسوں سے کسی کا آستاں مجھ کو — اثر
انتہا تک آ گئی ہے کثرتِ حدِ سجود — اب جہاں رکھ دوں جبیں وہ آستاں ہو جائیگا — ذاخر
سمجھ لینا کہ ان کا آستاں نزدیک آ پہنچا — جہاں اے کاظمی پڑنے لگیں تیرے قدم بھاری — کاظمی
[illegible] پہ ٹھکرایا نہ جائے سجدہ ریزِ شوق کو — دل کی خواہش ہے کہ ایسا آستاں پیدا کریں — جالب دہوی

ذوق

قصد کعبہ کا تھا پھرے اُلٹے چوم کر اس کے آستانے کو
تا عرض شوق میں نہ رہے بندگی کی لاگ اک سجدہ چاہتا ہوں ترے آستاں سے دور

آسرا

آرزو

بیڑا ہو پار کیا بھلا باندھا ہے اس سے آسرا کھول کے ناؤ لے چلے دھائے پہ لا کے چھوڑ دے
درد دل کو تلاش کرتا ہوں جب کوئی آسرا نہیں ہوتا

بہار

تیرا در چھوڑ کر کدھر جائیں ہم غریبوں کا آسرا تو ہے

یوسف

سہارے ہو چکے سائے جہاں کے خدا کا آسرا ہے اور میں ہوں

عزیز

اے مرا حال پوچھنے والے زیست کا کوئی آسرا ہی نہیں
جہاں میں ہے یہی لے دے کے اپنا آسرا باقی کہیں تم بھی نہ ہم کو اپنی محفل سے اٹھا دینا
اگر ہے ان کی محبت کا سلسلہ باقی تو زندگی کا جہاں میں ہے آسرا باقی

جاوید

جھلملاتا ہے صبح کا تارا اب تو جینے کا آسرا بھی نہیں

رضا

نہ آئے آپ تڑپے رات بھر ہم مثل سچ ہے کسی کا آسرا کیا

شارب

تو ہی بتا دے کہ تیرے سوا ترا شارب کسے حیاتِ دو روزہ کا آسرا سمجھے
کیا کہیں دنیا میں کیا ہوتا ہے کیا ہوتا نہیں ان سے پوچھو جن کا کوئی آسرا نہیں ہوتا

آسماں

شاکر

شکایت آسماں کی میں بھی کرتا جو تم کو کم سمجھتا آسماں سے

فنا

تم اکیلے ہو گئے میں بھی اکیلا ہو گیا آسماں کا حوصلہ بھی آج پورا ہو گیا
عہد وفا یہ دوست بجا لیکن اے ندیم کیوں کر کہوں کہ بھول گیا آسماں مجھے

اسعد

وہ چشمِ ناز ہے گردش میں امتحاں کے لئے یہی سکون کا موقعہ ہے آسماں کے لئے

یہ کس رشکِ مسیحا کا مکاں ہے — زمیں جس کی چہارم آسماں ہے — آتش

جہاں تک کام کرتی ہیں نگاہیں — یہ ظالم آسماں ہی آسماں ہے — سراج

شامِ فرقت دوھرا دوھرا امتحاں ہوجائیگا — تم جدھر ہوگے اُدھر یہ آسماں ہو جائیگا — ذاکر

بڑھانا اور گھٹانا کام ہے جب آسماں تیرا — بڑھا دے وصل کی شب کو گھٹا دے دن جدائی کا — شفق

آسماں گردش میں ہے مجھ کو مٹانے کے لئے — چکیاں سو چل رہی ہیں ایک دانے کے لئے — دبیر

قبر کا تختہ کسی دن مرنے والوں کے لئے — منقلب ہوکر زمیں سے آسماں ہو جائے گا — ذاکر

زباں بلبل نے کھولی ہے چمن نے تیوری بدلی — سنبھل اے دل کہ میں بھی شکوہ ہائے آسمان کرلوں — جالب

ہوئے نامور بے نشاں کیسے کیسے — زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے — انشا

آسماں پہنچا نہیں سکتا حسینوں کو ضرر — کب لگا سکتی ہے بجلی ماہ کی خرمن میں آگ — ناسخ

ہاتھوں سے اس کے آہ رہائی محال ہے — کوئی جگہ نہیں کہ جہاں آسماں نہ ہو — نساخ

نہیں زمیں کے لئے ہوں نہ آسماں کیلئے — ہوا ہوں خلق فقط جورِ آسماں کے لئے — ر

خدا جانے یہ کب کے آسماں نے بل نکالے ہیں — جہاں آئینہ بندی تھی وہاں مکڑی کے جالے ہیں — ثاقب

آشیاں

مرا انجام شاخِ گل کا مفہوم — ہے ظاہر میری خاکِ آشیاں سے — اختر

جہاں کہیں بھی طرح ڈالی آشیانے کی — فلک کو فکر ہوئی بجلیاں گرانے کی — محزوں

کچھ قفس میں اِن دنوں لگتا ہے جی — آشیاں اپنا ہوا برباد کیا — اختر

مکدر سہی فضائے گلستاں ہے — مجھے پھر بھی تلاش آشیاں ہے — محجوب

ہر سمت لگ نہ جائے مرے آشیاں کی آگ — مجھ کو غمِ چمن ہے غمِ آشیاں نہیں

خبر نہیں کسے کہتے ہیں گل چمن کیسا — قفس کو جانتے ہیں ہم تو آشیاں صیاد

بنایا ہوگا کبھی بات ہے زمانے کی — جگہ بھی یاد نہیں اب تو آشیانے کی — افسر

شاعر	مصرع اول	مصرع ثانی
چکبست	الٰہی خیر ہو میں نے قفس میں خواب دیکھا ہے	کہ شمعِ صحنِ گلشن بن گیا ہے آشیاں میرا
	پھر رہی تھی کل جن آنکھوں میں بہارِ آشیاں	آج ان ہی آنکھوں سے خاکِ آشیاں دیکھا گیا
جوہر	بیٹھا ہوں سر بزانو کچھ ایسا اداس اداس	جیسے کہیں چمن میں مرا آشیاں نہ ہو
	بے تاب کس کو ڈھونڈھتی پھرتی ہیں بجلیاں	گلشن میں اب وہ شاخ نہیں آشیاں نہیں
	جنبش میں گر نگاہ تری باغباں رہے	سایے میں بجلیوں کے مرا آشیاں رہے
عباس	جو بچ رہے ہیں اہلِ چمن چننے اُن کو	یہ تنکے راس نہیں آتے آشیاں کے لئے
مؤلف	راتوں کو یہ اسیرِ قفس کرتے ہیں دعا	گلشن میں ہم رہیں نہ رہیں آشیاں رہے
زیبا	جانے کیا قدرِ آشیاں صیاد	چار تنکے نہیں یہ دولت ہے
سالک	نہ بھولے گی مجھ کو وہ شامِ غریباں	وہ جلنا مرے سامنے آشیاں کا
مؤلف	صیاد میہرے پَر ہی نشیمن میں رہنے دے	آباد کچھ دنوں تو مرا آشیاں رہے
محسن	مجھ ایسا ہوگا نہ صحنِ جہاں میں دیوانہ	لگا کے آگ تڑپتا ہوں آشیاں کے لئے
ثاقب	صحنِ چمن میں گرتی ہیں بل کھا کے بجلیاں	محفوظ یا الٰہ مرا آشیاں رہے
مؤلف	اگر بہار میں صیاد مہرباں ہوتا	تو پھر چمن میں ہمارا ہی آشیاں ہوتا
رنج	قفس تک آئے جو اڑ کر چمن سے کچھ تنکے	نظر میں پھر گئی تصویر آشیانے کی
مانی	کیا بہار آئے گی اب میں نے تو دیکھا ہے یہی	آشیاں میرا لٹا گلزار ویراں ہو گیا
مجروح	گرفتاری کے دن آئے ہیں شاید	کچھ الفت بڑھ چلی ہے آشیاں سے
مومن	نہ بجلی جلوہ فرما ہے نہ صیاد	نکل کر کیا کریں ہم آشیاں سے
مولوی چاند امروہوی / مرزا اسرؔ	الٰہی خیر ہو بدلی ہوا زمانے کی	لچک رہی ہے بہت شاخ آشیانے کی
	مرِ اسیرِ دل دکھاتا ہے کوئی ذکر اور ہی چھیڑ د	ہے خانہ بدوشوں سے نہ پوچھو آشیانے کا
سودا	ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں	تڑپے ہے مُرغِ قبلہ نما آشیانے میں
اقبال	اس سرابِ رنگ و بو کو گلستاں سمجھا ہے تو	آہ اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

ادھر کیوں ہے نگاہِ تیز اے برق
اُدھر کیا ہے ہمارے آشیاں میں — نساخ

قفس سے چھوٹ کے ہم کیا کرینگے اے صیاد
رکھا ہی کیا ہے ہمارے اب آشیانے میں — محزوں امروہوی

بجلی کی زد سے دور نہ بادِ خزاں سے دور
ہم ہیں تو آشیاں ہیں مگر آشیاں سے دور — ہیدی سحر

تمام عمر رہا قید اب رہا کیوں ہوں
مجھے تو یاد نہیں اپنا آشیاں صیاد — مجروح

کیوں برق اس طرح سے تڑپتی ہی دمبدم
شاید نظر میں اُس کی مرا آشیاں نہیں — ؍؍

قفس میں مجھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو — غالب

دامِ صیاد میں پھنسے جا کر
ہم نکلتے ہی آشیانے سے — مجروح

وائے قسمت مسکرا کر مجھ سے فرماتے ہیں وہ
تم بناؤ آشیاں ہم بجلیاں پیدا کریں — جالب امروہوی

ایک ہم تھے آتشِ گل پر جو روئے مدتوں
ایک وہ بھی تھے جو جلتا آشیاں دیکھا کیے — ثاقب لکھنوی

بجائے خود اسیری کچھ نہ تھی لیکن اک آفت تھی
قفس کو راستہ جاتا تھا سوتے آشیاں ہو کر — عیاں

زور ہی کیا تھا جفائے باغباں دیکھا کیے
آشیاں اُجڑا کیا ہم ناتواں دیکھا کیے — صفی

یہ کہتا حشر میں اک خانماں برباد آتا ہے
مری آنکھوں کے آگے جل رہا ہے آشیاں میرا — بیخود

کبھی آسماں کو دیکھا کبھی بے بسی پہ روئے
کبھی خاکِ آشیاں پر رہا آشیاں کا ماتم — نازش

جو سچ پوچھو تو مٹنے ہی کے قابل تھا نشاں اپنا
کہ تھا اک داغ دامانِ چمن پر آشیاں اپنا

ہمیشہ تنکے ہی چنتا رہا وہ بلبل ہوں
ابھی بنا ابھی برباد آشیانہ ہوا

جس کے لٹنے کا یہ فسانہ ہے
وہ ہمارا ہی آشیانہ ہے — مؤلف

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے — ثاقب لکھنوی

پایا نہ چین پھر کہیں سارے زمانے میں
جس وقت سے کہ آگ لگی آشیانے میں — بلیغ لکھنوی

ہمارے آشیاں کو نذرِ آتش کیوں کیا آخر
بگاڑا تھا ترا کیا باغباں تو ہی بتا ہم نے — ؍؍

آشیانے کے چار تنکوں پر
برق کی زور آزمائی ہے — جالب امروہوی

قفس بھی بگڑی ہوئی شکل ہے نشیمن کی
یہ گھر جو پھر سے سنور جائے آشیاں ہو جائے — مہراج لکھنوی

صفی
چھٹے اسیر تو بدلا ہوا زمانہ تھا
نہ پھول تھے نہ چمن تھا نہ آشیانہ تھا

محشر
قفس سے آشیاں تبدیل کرنا بات ہی کیا تھی
ہمیں دیکھو کہ ہم نے بجلیوں سے آشیاں بدلا

آل رضا
بھری بہار کے دن تھے خیال آ ہی گیا
اُجڑ نہ جاتا تو پھولوں میں آشیاں ہوتا

〃
قفس میں تھے تو تڑپتے تھے آشیاں کے لئے
قفس سے چھوٹ کے آئے تو آشیاں ہی نہیں

سبط حسن
خطاؤں پر خطائیں اس طرف تھیں ناوک افگن سے
ادھر تیروں سے بنتا جا رہا تھا آشیاں میرا

〃
چمن میں برق نے جھانکا کہ ہم لرز اٹھے
اب اس سے آگ ہی لگ جائے آشیانے میں

〃
گراتے چلو تم نگاہوں سے بجلی
ابھی تو مرے آشیاں اور بھی ہیں

〃
تم نے تنکے سمجھ کے پھونک دیا
میری دنیا بھی تھی آشیانے میں

مجھ ہی سے گل چیں کو ہے عداوت مجھ ہی پہ برہم ہے باغباں بھی
چمن کی ہر چیز ہے چمن میں مگر مرا آشیاں نہیں ہے

آتش
کھلی ہے خانۂ صیاد میں ہماری آنکھ
قفس کو جانتے ہیں آشیاں نہیں معلوم

نسیم دشمن و گل دشمن و چمن دشمن
بھلا ہوا کہ مرا آشیاں ہوا برباد

اختر
چمک کے دفعتاً اک برق سی گری اختر
بہار دیکھ رہا تھا میں آشیانے کی

رند
رہا کیا ہے تو یہ بھی بتا کدھر جاؤں
مجھے تو یاد نہیں شکل آشیاں صیاد

رضی بدایونی
قفس سے چھوٹ کے حیران ہوں کس طرف جاؤں
ہر اک سے پوچھتا ہوں راہ آشیانے کی

〃
یہی بکھرے ہوئے دو چار تنکے
سمٹ جائیں تو میرا آشیانہ

بہارِ عمر کے وہ دن بھی دیکھے
چمن تھا اور میرا آشیاں تھا

صفی لکھنوی
جب اسیرِ دام ہو کر ہم چلے سوئے قفس
دور تک مڑ مڑ کے اپنا آشیاں دیکھا کئے

اعتبار

تحمل الہ آبادی
اپنی تباہیوں سے زیادہ ہے اس کا غم
لوٹا ہے اس نے جس کا مجھے اعتبار تھا

حامد
سچ ہے کہ جن کے ظاہر و باطن میں فرق ہو
ایسوں کے قول و فعل کا پھر اعتبار کیا

زلفِ دراز و عارضِ رنگیں کہیں جسے
صناعیاں ہیں وہ نگہِ اعتبار کی
حامد

یہی خیال یہی فکر رہتی ہے ہر دم
کہ تیرے وعدے پہ کیوں ہم نے اعتبار کیا
محزوں امروہوی

کرنا جو ہے وہ آج کر کل پر نہ رکھ ہرگز اسے
عاقل نہیں جس کو ہے کچھ بھی اعتبارِ زندگی
شمیم شیا

زلیست پر کب ہمیں بھروسہ تھا
آپ پر اعتبار کیا کرتے

ترا ستم بھی کرم تھا تری جفا بھی وفا
ہم اس سے بڑھ کے ترا اعتبار کیا کرتے
کوثر ٹپیالوی

کسی کے وعدے پہ یہ اعتبار باقی ہے
کہ رات ختم ہوئی انتظار باقی ہے

دھوکے کھاتے ہیں گو ہزار اب تک
ہے مگر ان کا اعتبار اب تک

کیوں نہ کرتے ہم انتظار اے دوست
تجھ پہ ہوتا جو اعتبار اے دوست

وقت ہے عرض مدعا کر لوں
آپ کو مجھ پہ اعتبار ہے آج

سنا تو دوں میں فسانۂ تباہیِ دل کا
نہ آیا تم کو اگر اعتبار کیا ہوگا
سجاد قادری

وفا جو کر نہ سکے اپنے عہد و پیماں کو
امین اُن ہی پہ ہمیں اعتبار آج بھی ہے
امین

تیرے وعدوں کو جانتا ہوں خوب
دل کو پھر بھی کچھ اعتبار سا ہے

ہزار بار جسے آزما چکے ہیں وزیر
اسی کے وعدوں کا پھر اعتبار ہوتا ہے
وزیر

اُن کے وعدوں کا اعتبار نہیں
پھر بھی میں اعتبار کرتا ہوں

ترے وعدے پر جئے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا
غالب

لاکھ مہر و وفا نہیں لیکن
ہم ہیں اور ان کا اعتبار ہے آج

حنا لگا کے پہنچتے ہیں گل رخوں میں ریاض
کچھ ان کی رِیشِ مبارک کا اعتبار نہیں
ریاض

مفلسی سب وقار کھوتی ہے
مرد کا اعتبار کھوتی ہے
ولی گجراتی

مجھ کو فریبِ وعدۂ فردا قبول ہے
دل کو جو اعتبار نہ آئے تو کیا کروں
جالب دہلوی

کچھ بھی نہیں بہارِ گل۔ کچھ بھی نہیں خزانِ گل
دل نے یہ نام رکھ لئے اپنے ہی اعتبار کے
ثانی

افسانہ

آرزو
ظالم و مظلوم کا تا حشر افسانہ رہا
شمع محفل میں رہی باقی نہ پروانہ رہا

جس پر جو کچھ کل گذری
آج وہی افسانہ ہے

محزون امروہوی
اب وہی ذوق نظر طور کا افسانہ بنے
کوئی دیوانہ بنائے کوئی دیوانہ بنے

لبِ بلبل نے کہیں خونِ تمنا نے کہیں
خوب رنگینیاں بھر دیں مرے افسانے میں

تاباں جعفر
کہنے کو تو ہم کہہ دیں افسانۂ غم ساقی
لیکن تری نظروں کا کھلتا ہے بھرم ساقی

رشید
اُف کر کے دم بخود ترا دیوانہ ہو گیا
دو حرف تھے کہ جس کا اک افسانہ ہو گیا

آرزو
اول شب وہ بزم کی رونق شمع بھی تھی پروانہ بھی
صبح کے ہوتے ہوتے آخر ختم ہوا افسانہ بھی

"
عشق کے بعد ہے ہر علم کا دامن خالی
ختم ہیں لفظ و معانی مرے افسانے تک

"
مجھ کو بھی نیم نگاہی کا نشانہ کر دے
میرے افسانے کو تو اپنا فسانہ کر دے

"
تری نظروں نے میرے دل سے کوئی التجا کی تھی
وہ افسانہ سُنا دوں میں سر محفل تو کیا ہوگا

اطہر
شب کو اطہر اس نے اس انداز سے دیکھا ہمیں
اپنے دل کا کہتے کہتے رُک گئے افسانہ ہم

یہ افسانہ نہیں ظالم مرے دل کی حقیقت ہے
تمہیں کس طرح سمجھاؤں مجھے تم سے محبت ہے

احسن
کیوں نہ رنگیں ہو بھلا قصۂ خونِ ناحق
لی ہے فرہاد نے سرخی مرے افسانے سے

جاوید
افسانۂ ماتم مرے مرنے سے ہوا ختم
اتنا تو کہوں گا جو بڑھا کر نہ کہوں گا

حیات
ایک افسانہ جسے کہتے ہیں عشق
عمر بھر آغاز ہی آغاز ہے

یہیں بس ختم کر دوں اپنی بربادی کا افسانہ
کہ ان معصوم آنکھوں میں نمی سی پائی جاتی ہے

دردِ دل پھر اس کے کہنے لگے
ایسے کتنے سُنے ہیں افسانے

رودادِ وفا میری واں ختم پہ کیا آتی
ہوتا ہی رہا پیدا افسانے پہ افسانہ

مولف
یوں برق گری دل پر آئی جلوۂ جانانہ
بھولا ہوا یاد آیا پھر طور کا افسانہ

تاثیر کر چلا تھا مرا قصۂ فراق | وہ سنتے سنتے سو گئے افسانہ ہو گیا | مؤلف
بے کلی دردِ جگر آہ بلب اشک رواں | سرخیاں سب ہیں نمایاں مرے افسانے میں | ثاقب امروہوی
کیا نہ رکھو گے شہیدانِ وفا میں مرا نام | یہ بھی سرخی کاٹ دو گے میرے افسانے سے کیا | قتیل
داستانِ دردِ غم سن کر کہا اس شوخ نے | کیا اثر کم بخت کے پُر درد افسانے میں ہے | مؤلف
ہم رو کے دل کو تھامیں تم مسکرائے جانا | افسانۂ محبت آؤ تمھیں سنائیں | بہزاد
داغِ ناکامی کہ بعد مرگ یہ ثابت ہوا | خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا | درد
ہمارے اور تمہارے عشق کا چرچا ہے شہروں میں | کوئی سنتا نہیں اب لیلیٰ و مجنوں کا افسانہ | میرونش
میرا افسانہ ہے میری بے کسی کی زندگی | خون کے آنسو بہانا سرخی افسانہ ہے | قمر بدایونی
ورقِ گل میں ملے گی نہ حدیثِ الفت | سرخیاں دیکھ مرے درد کے افسانے کی | عالم
احبا کو سنا دیتے ہیں جو دل پر گذرتی ہے | ہمیں اپنی ہی بیتی کا فقط افسانہ آتا ہے | حامد
تمہارے حسن کے چرچے ہمارے عشق کے قصے | دو عالم کو جو آتا ہے یہی افسانہ آتا ہے | "
اِدھر کی کچھ ہوتیں باتیں اُدھر کا کچھ چھڑا قصہ | مگر ہر پھر کے آخر میں ترا افسانہ آتا ہے | "
کوئی جا دنیائے حسن و عشق سے خالی نہیں | اس کا قصہ ہے کہیں میرا کہیں افسانہ ہے | شرف امروہوی
رنگ لائیں گی گلستاں میں مری بربادیاں | پتہ پتہ پہ میرا لکھا ہوا افسانہ ہے | "
دونوں ہاتھوں سے کلیجہ تھام لو گے اے شرف | قصۂ فرہاد سے بڑھ کر مرا افسانہ ہے | "
آن واحد میں ہو کر بے ہوش دم میں ہوشیار | حضرتِ موسیٰ یہی بس طور کا افسانہ ہے | "
ہوش میں آنا فریبِ شوقِ جذبِ بیخودی | ساری دنیا کی حقیقت میرے افسانے میں ہے | ادیب دہلوی
سننے والے مست و بیخود ہو رہے ہیں اے ادیب | آج وہ رنگِ حقیقت تیرے افسانے میں ہے | "
جس کے ہر لفظ میں ہوں غم کی کراہیں منشا | ایسا افسانہ سنانا مجھے منظور نہیں | منشا
جس کو قدرت نے بنایا ہو مسرت کے لئے | کیوں سُنے افسانۂ غم وہ کسی ناچار کا | مجنوں لکھنوی
ادنیٰ اسی بات ہوتی ہے اعلیٰ کی مشتہر | یوں ہی وہ مسکرائے افسانہ ہو گیا | حامد

رنگِ خوں رنگِ حنا رنگِ چمن رنگِ شفق — یعنی دنیا بھر کی سرخی میرے افسانے میں ہے (بہار لکھنوی)

کارخانے جتنے ہیں دنیا کے سب ہیں بے ثبات — آنکھ سے جو آج دیکھا کل وہ افسانہ ہوا (رند)

لوگ سمجھے ہیں جسے دفترِ ذکرِ مجنوں — ایک سادہ سا ورق ہے مرے افسانہ کا

کچھ نہیں اسکے علاوہ سرگذشت حسن و عشق — اولِ افسانہ وہ ہیں آخرِ افسانہ ہم (رئیس امروہوی)

خونِ دل خونِ جگر خونِ تمنا جالب — بن گئیں سرخیاں آخر مرے افسانے کی (جالب امروہوی)

جس قدر جذب کیں آنکھوں نے لہو کی بوندیں — اور رنگینیاں بڑھتی گئیں افسانے میں (ثاقب امروہوی)

او عدم کے جانے والے بے مروت تو نہ ہو — میرا افسانہ بھی سن لے اپنے افسانے کے ساتھ (حسرت موہانی)

ذکرِ فرہاد ہے تشہیرِ محبت میری — قصۂ قیس ہے چرچا مرے افسانے کا (رؤف امروہوی)

اقرار

وصل کا اُن کے فقط اقرار ہو کر رہ گیا — ہیں یوں ہی حسرت کشِ دیوار ہو کر رہ گیا (محزوں امروہوی)

کہنے کو تو کہتے ہیں ہو جائے تو میں جانوں — ہر روز اگر مجھ سے اقرار ہوا تو کیا (")

ہے ایک زباں اور حسینوں کی زباں میں — انکار سے خالی نہیں اقرار کسی کا (تعشق)

حالتِ یاس میں تسکینِ دلِ زار تو ہے — نہ سہی وصل مگر وصل کا اقرار تو ہے

کچھ تسلی تو دلِ زار کی کرتے جاؤ — تم نہ آؤ مگر اقرار تو کرتے جاؤ (امیر مینائی)

انکار آپ کا تو ہے اقرار سے بُرا — دشمن کے گھر میں آپ تھے تو کہاں رہے (نساخ)

اسی طور سے کاش یاں آ پھریں — وہ جس طرح پھرتے ہیں اقرار سے (مجروح)

آگرہ

سبزہ زارِ آگرہ اے خطۂ مینو سواد — ہر عمارت ہے تری اک جنتِ ذات العماد (منشی لکھنوی)

خاص کر وہ تاج فی الواقع جو ہے ذات البلاد — جنتِ شداد بھی جس کی کنیز خانہ زاد

دیکھ کر سیر اس کی دنیا سے گزرنا سہل ہے
مقبرہ ایسا جو مل جائے تو مرنا سہل ہے

آگرہ کا شہر ہے اک شاہدِ نوخاستہ
زیوروں سے حسنِ تعمیرات کے آراستہ
کھینچتا ہے راہگیروں کے دلوں کا راستہ
آنے والے کیوں نہ جائیں بادلِ ناخواستہ

عہدِ اکبر میں بنا اے ہند تیرا پائے تخت
اُڑ گئے مرغانِ گلشن رہ گئے خالی درخت

مہر و غالب شاعری کے آفتاب و ماہتاب
فیضی و بوالفضل نظم و نثر جن کی انتخاب
وہ نظیر اس وقت تک ہے طرز جس کا لاجواب
ان سبھوں کو ہے اسی معنی کدے سے انتساب

شہر بھر میں سلسلہ ہے حسنِ تعمیرات کا
آگرہ گویا کہ اک البم ہے تصویرات کا

صفی لکھنوی

التجا

چلے بھی آؤ کہ دنیا سے جا رہا ہے کوئی
سنو کہ پھر نہ سنو گے تم التجا میری

جاوید

جو بھی کہنا تھا کہہ دیا اِک بار
التجا بار بار کون کرے

کیا ملا عرضِ مدعا کر کے
بات بھی کھوئی التجا کر کے

داغ

نہ آیا یار جس دم منتوں سے
تو پھر کیا کیا اجل کی التجا کی

اُلفت

اس کی الفت میں جو بھی مٹتا ہے
اے فنا وہ فنا نہیں ہوتا

فنا

پوچھتے کیا ہو زمانہ میں نشاں الفت کا
کوئی بتلائے ٹھکانہ ہے کہاں الفت کا

احتشام الـ

تو اپنے دل سے غیر کی الفت نہ کھو سکا
میں چاہوں اور کو تو یہ مجھ سے نہ ہو سکا

مخزن دل امروہوی — سناؤں سرگذشتِ وادیٔ الفت میں کیا مخزن / مرا حالِ جنوں دامن کے اک اک تار سے پوچھو

" — مدد اے جوشِ الفت پھر ہجوم یاس و حرماں ہے / کسی صورت سے یہ منزل بھی طے ہو نیم جاں کر دو

کہاں تک ساتھ جاں اس دل کا دیتی / جسے الفت ہے بیدادِ بتاں سے

بہزاد آزری — کیا کہوں الفت میں کیا مل جائے گا / زندگی کا مدعا مل جائے گا

بے نظیر — ازل سے کسی کا ہوں میں بے نظیر / یہ الفت برس دو برس کی نہیں

منظر — کوئی دیوانہ کہتا ہے کوئی وحشی مجھے / آپ کی الفت سے پہلے میرا منظر نام تھا

ذوق — اب زباں پر بھی نہیں آتا کبھی الفت کا نام / اگلے مکتوبوں میں کچھ رسمِ کتابت ہو تو ہو

امیر مینائی — الفت میں برابر ہے وفا ہو کہ جفا ہو / ہر بات میں لذت ہے اگر دل میں مزا ہو

احتشام الدین — اب تو عرصہ ہوا وہ رسم بھی موقوف ہوئی / وہ جو اٹھتا تھا چتاؤں سے دھواں الفت کا

پوچھیے ان سے کہاں ہے تو یہ معلوم نہیں / دم ہی بھرتے ہیں یہ سب خوردہ دکاں الفت کا

شمس لکھنوی — ہائے ان کا یہ ناز سے کہنا / نام الفت خراب کرتے ہو

مشتری — میری الفت کا حال کھل جائے / دل کسی سے لگا لیجیے تو سہی

مخزن امروہوی — راہِ الفت میں ہو گئے قرباں / زندگانی کا مدعا پایا

میکش — خضر کیا جانیں رہِ الفت کی قدر / آپ نے یہ روگ پالا ہی نہیں

جدید — مجرمِ الفت ہمیں ٹھہرا دیا / اس طرف ساری خدائی ہو گئی

مشتاق — تیری الفت سے ہوئی مجھ کو تمیز نیک و بد / رخ و گیسو نے دکھایا حق و باطل مجھ کو

ثاقب — اے جاں نثارِ الفت گر خلش ہو تو شکایت کیا / ملایا ہے بیشتر کھویا ہوا نشتر رگِ دل سے

الفت کا جب مزا ہے کہ ہوں وہ بھی بیقرار / دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

الٰہ آباد

ظریف — یاد خالق پہلے تھی اب دل میں ہے عشقِ صنم / جو الٰہ آباد تھا بالفعل سینا پور ہے

اے الہ آباد اے جولانگہ گنگ وجمن
تیرا دامن تین تربینی کی ہو اک انجمن
مصفی

ایک تربینی ہے دو آنکھیں مری
اب الہ آباد بھی پنجاب ہے
ناسخ

اب الہ آباد میں ساماں نہیں بہبود کے
یاں دھرا کیا ہے بجز اکبر کے اور رام دو کے
اکبر

امتحان

شرمندہ ہو گئے ہیں بھی وہ امتحان کو
رکھے گا کون تم سے عزیز اپنی جان کو
میر

خدا رکھے محبت کو تمہاری
گزر جاؤں گا میں ہر امتحاں سے
شاکر

جہاں فرق حبیب و آستاں باقی نہیں رہتا
وہاں اے دوست کوئی امتحاں باقی نہیں رہتا
اختر ایم اے

لیا قسمت نے آخر جل کے مجھ سے امتحاں میرا
دیئے دو جلنے والے ایک دل اک آشیاں میرا

غم ملے یا خوشی ملے جیسی بھی زندگی ملے
وہ بھی ہمارا امتحاں یہ بھی ہمارا امتحاں

سلامت مرا ذوقِ ایذا پسندی
کڑی منزل امتحاں ہے تو کیا ہے

کہاں تک ہم اپنی وفا آزمائیں
کبھی تو بھی کر امتحانِ محبت
ابر دہلوی

یقیں تجھ کو کبھی آیا بھی میرے عشق صادق کا
لیا ہے بار ہا تو نے مجھ نیم جاں کا امتحاں
محزوں

میں جور و جفا سے سوا چاہتا ہوں
میں پھر امتحانِ وفا چاہتا ہوں
بشارت

ہر امتحاں کو چھوڑ کے دار و رسن تک آ
اس امتحاں کے بعد کوئی امتحاں نہیں
شارب

خنجر گلے پہ رکھ کر کیا سوچتا ہے قاتل
ہاں تیرا دم سلامت میرا بھی امتحاں ہو
مؤلف

اگر دعویٰ محبت کا غلط ہے لیجئے خنجر
حقیقت صاف کھل جائے گی وقتِ امتحاں میری
ناصر بدایونی

یہی ہے آزمانا تو ستانا کس کو کہتے ہیں
عدو کے ہو لئے جب تم تو میرا امتحاں کیوں ہو
غالب

ہر مصیبت سے یہی احساس ہوتا ہے مجھے
میں ہوں بہر امتحاں اور امتحاں میرے لئے
اظہر دہلوی

نگاہ غور سے ہم نے تماشائے جہاں دیکھا
کسی کو بھی نہ اپنا یار وقت امتحاں دیکھا

خوب ڈھونڈھا اپنا زیر آسماں کوئی نہیں
آشنا یوں سب ہیں وقتِ امتحاں کوئی نہیں
حامد

بیخود دہلوی — وہ بعدِ امتحانِ محبت یہ کہہ گئے ۔ سچ کر دکھائے جھوٹ کو اتنا ہنر تو ہو

اقبال — باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم ۔ سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

بینظیر شاہ — ہمارا امتحاں کرتے ہو لیکن ۔ تمہارا بھی اسی میں امتحاں ہے

مانی — جو سیاہ کار ہیں ہم تو فرشتو اب تم آؤ ۔ کہ ہماری طرح دنیا میں ہو امتحاں تمہارا

امروہہ

محشر — امروہہ درحقیقت ایمانِ شاعری ہے ۔ مولد ہے مصحفی کا محشر ذرا سنبھل کر

صفی — واہ کیا کہنا ہے امروہہ ترے اشفاق کا ۔ دل مجسم خیر ہے پُتلا ہے تو اخلاق کا

جالب امروہوی — اے وطن اے مایۂ مشک ختن ۔ یعنی امروہہ بہارِ صد چمن

شفیق امروہوی — اللہ اللہ رے شانِ امروہہ ۔ ق ۔ زہے طرزِ بیانِ امروہہ

دہلی و لکھنؤ کا ہے اوسط ۔ معتدل ہے زبانِ امروہہ

امید

محسن زیدی — ہائے محسن اس دلِ ناکام کی مایوسیاں ۔ جس کو اک موہوم سی امید پر جینا پڑے

شاد — ہائے امید ان کے آنے کی ۔ ہو گی اب کیا جو عمر بھر نہ ہوئی

فریدہ — ایک امید میں تڑپے کوئی کب تک کم بخت ۔ وہی وعدے وہی پیمان ہوئے جاتے ہیں

فضا الہ آبادی — امید ہی پہ ہے دراصل زندگی کا مدار ۔ نہ ہو امید تو دنیا میں کوئی خاک جیے

دل ہی باقی نہ ہو پہلو میں تو حیرت کیسی ۔ قطع جب ہو گئی امید پھر ارماں کیسا

آپ کی یاد ہے مرا دل ہے ۔ کشتِ امید کا یہ حاصل ہے

ہمیں امید ہے اب تک بہار آنے کی ۔ وگرنہ کب کے چمن سے نکل گئے ہوتے

غالب — کوئی امید بر نہیں آتی ۔ کوئی صورت نظر نہیں آتی

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید — نا امیدی اس کی دیکھا چاہیے — غالب

رہی نہ طاقت گفتار اور اگر ہو بھی — تو کس اُمید پہ کہیے کہ آرزو کیا ہے — ״

امیدوں سے مری دنیا ہے قائم — فقط باتوں میں بہلایا گیا ہوں — شاد

وہ بھی ہوگا کوئی امید بر آئی جس کی — اپنا مطلب تو نہ اس چرخِ کہن سے نکلا — سرور

ہجر میں ہم اسی امید پہ جیتے ہیں فقط — یار باقی ہے تو دنیا میں ہے صحبت باقی — حشمت

کہتے ہیں کہ امید پہ جیتا ہے زمانہ — وہ کیا کرے جس کو کوئی امید نہیں ہے — آسی

زمانہ اگر صحنِ باغِ ارم ہے — تو تو اے امید اس کی ابرِ کرم ہے — بہار

وہ بھی شاید کہ بہ تقریبِ عیادت آئیں — ہم تو برسوں اسی امید میں بیمار رہے — مجروح

اے مرے دل کی غم گسار اُمید — زندگی کی ہے تو بہار امید — محزوں امروہوی

سچ ہے کہتے ہیں جو زمانے میں — ایک دل ہے تو پھر ہزار امید — ״

آج تک تو نہ ہو سکی پوری — کر کے دیکھی ہزار بار امید — ״

انتخاب

کون کل ہوگا پائمالِ ستم — آج ہی انتخاب ہو جائے

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ — شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

ہر سینہ آج ہے ترے پیکاں کا منتظر — ہوا انتخاب اے نگہِ یار دیکھ کر — محمد علی جوہر

جس کو تم انتخاب کرتے ہو — اس کی مٹی خراب کرتے ہو — شمشاد لکھنوی

کہاں کہاں نہ نظر باریابِ دید ہوئی — کہاں کہاں نہ کیا میں نے انتخاب ترا — رئیس امروہوی

اللہ رے مرے شوق کی مشکل پسندیاں — کس آفتِ جہاں کو کیا انتخاب ہے — مجروح

انتظار

قاصد کو اس طرف تو بہ منت کیا رواں — سامانِ جملہ عیش مہیا کیے یہاں
آہٹ پہ کان در پہ نظر تھی کہ ناگہاں — یہ سن لیا کہ پاؤں میں مہندی لگی ہوئی
بس خوں ٹپک پڑا نگہِ انتظار سے

فصاحت
وہ آئے نزع میں آخر مری تسلی کو — تمام عمر فصاحت جب انتظار کیا
کیوں مسکرا رہے ہیں ستارے فلک پہ آج — کیا اب سحر نہو گی شبِ انتظار کی
مانا کہ آپ سچے ہیں قول و قرار کے — پر کوئی حد بھی ہر مری جاں انتظار کی
ٹل گئی بڑھ کے صبحِ محشر سے — اے شبِ انتظار کیا کہنا

شمیم شاہ
آپ کا اعتبار ہی کب تھا — آپ کا انتظار کیا کرتے

رئیس
ہائے وہ کیف انتظار کہ جب — اس کا آنا بھی بار گزرا ہے

شفقت
تجھ سے مایوس ہو کے بھی ہم نے — تا بہ مقدور انتظار کیا
زندگی میں ہے موت کا نقشہ — جس کو ہم انتظار کہتے ہیں
کسی کے وعدۂ فردا پہ اعتبار تو ہے — طلوعِ صبحِ قیامت کا انتظار تو ہے
وہ نہ آئے ہیں اور نہ آئیں گے — میں مگر انتظار کرتا ہوں

سہیل
آہٹ کسی کی ہو مجھے اٹھ اٹھ کے دیکھنا — یوں میری ساری رات کٹی انتظار میں

محزون امروہوی
دم بھر کو بھی جھپکتی نہیں ہے پلک کبھی — کیا مرض لگ گیا ہے مجھے انتظار کا

غالب
یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا — اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

رنجور
انتظار ان کا عبث اے دلِ مشتاق نہ کر — وہ کسی اور کے مہمان بنے بیٹھے ہیں

ذاخر
اب ہوں گے ہم نہ شمع نہ بنفشیں دردِ دل — ہوتی ہے رات ختم ترے انتظار کی

اقبال
مانا کہ تیری دید کے قابل نہیں ہوں میں — تو میرا شوق دیکھ مرا انتظار دیکھ

نہ آئے تم تو اجل بھی نہ آئی ہجر کی شب
مریض عشق نے دونوں کا انتظار کیا
افسر امروہوی

دکھا دے شکل خدا کے لئے ہمیں آکر
تڑپ رہی ہے بہت تیرے انتظار میں روح
مخزوں

انجام

کسی کو بھی نہیں معلوم رفعت
ہمارے عشق کا انجام کیا ہے
رفعت سلطان

ان کی تصویر سامنے رکھ کر
اپنا انجام سوچتا ہوں میں

درد اک عمر میں جاکر کہیں دل بنتا ہے
اے غمِ عشق بہت دور ہے انجام ابھی

اپنا انجام یاد آتا ہے
جب کوئی پھول مسکراتا ہے
اطہر

قفس سے چھٹ کے چمن میں نہ جاؤں گا ہرگز
مری نگاہ میں انجام آشیانہ ہے
″

میرا انجام کچھ بھی ہو ساقی
مجھ کو انجام سے محبت ہے
″

عشق کا آغاز بھی انجام تھا
حُسن کا انجام بھی آغاز ہے
حیات امروہوی

وہ ناسمجھ ہیں جو آغازِ کار سے پہلے
یہ سوچتے نہیں انجام کار کیا ہوگا
قادر [illegible]

طبیعت کی اُداسی بیٹھے بیٹھے دل کا گھبرانا
یہ آغازِ محبت ہے تو پھر انجام کیا ہوگا
شفیق جونپوری

ڈھونڈھتا ہوں غمِ ہستی کا وہ انجام رئیس
عقل کہتی ہے کہ جس کا کوئی انجام نہیں
رئیس امروہوی

انسان

حور و غلماں کا یہاں ذکر نہیں
نوعِ انساں کا پرستار ہوں میں
مجاز

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

بس یہی زندگی کا مقصد ہے
صادق انسان خود کو پہچانے
صادق دہلوی

تیری اُجڑی ہوئی جنت کو بسانے والا
وہی غصے میں نکالا ہوا انساں نکلا

عیاں ہوتی نہ گستاخی تو اں سے پوچھتا اتنا
فرشتوں سے زیادہ خدمتیں لی ہیں کہ انساں سے
عیاں

شاعر	مصرع اول	مصرع ثانی
ناسخ	سیہ بختی میں کب کوئی کسی کا ساتھ دیتا ہے	کہ تاریکی میں سایہ بھی جدا ہوتا ہے انساں سے
جوش	درندوں جنگلوں سے آؤ اور اس کی گواہی دو	کہ انسان سے نہیں پائی ہے انساں نے اماں اب تک
ضمیر جعفری	مدت سے رہِ دیر و حرم دیکھ رہا ہوں	مدت ہوئی اس راہ سے انساں نہیں گزرے
"	ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا	وہ کون سا عقدہ ہے جو وا ہو نہیں سکتا
ذوق	کہے ایک سن لے جب انسان دو	کہ حق نے زباں ایک دی کان دو
"	موت نے کر دیا ناچار وگرنہ انساں	ہے وہ خود بیں کہ خدا کا بھی نہ قائل ہوتا
بے نظیر	وہ نازاں خطا پر پشیمان ہم	اک انسان وہ ہیں اک انسان ہم
غالب	بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا	آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا
عرشی	عقل سے حیوان انساں ہے مگر انسان نہیں	کہنے کو انسان حیواں ہے مگر حیوان نہیں
حالی	فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا	مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ
ذوق	جو فرشتے کرتے ہیں کر سکتا ہے انسان بھی	پر فرشتوں سے نہ ہو جو کام ہے انسان کا
حسن	دانہ ملا جو خاک میں سرسبز ہو گیا	انساں کو چاہیئے کہ سدا خاکسار ہو
ظفر	بنایا کب ہے بہتر اے ظفر خالق نے انساں سے	ملک کو، دیو کو، جن کو، پری کو، حور و غلماں کو
"	خاک کا پتلا ہے انساں اے ظفر اس کے لئے	سرکشی اچھی نہیں ہے خاکساری چاہیئے
شفیق جونپوری	عیش میں شاد مصیبت میں ہراساں ہونا	ابھی انساں نے بھی سیکھا نہیں انساں ہونا
بیدی سحر	ہم تھے فقط فرشتہ ہی بننے پہ مطمئن	یہ ہے خدا کی دین کہ انسان بنا دیا
ثاقب لکھنوی	وہ بھی کوئی انسانوں میں انسان ہے ثاقب	جو اپنی خطاؤں پہ پشیماں نہیں ہوتا
رسا	انسان اگر ہوتا سمجھاتے اسے سب کچھ	کم بخت رسا تجھ سے دیوانے کو کیا کہیئے
جگر	تصویر امیدوں کی آئینہ خیالوں کا	انساں جسے کہتے ہیں محشر ہے خیالوں کا

آنسو

تھمتے تھمتے تھمیں گے آنسو — رونا ہے یہ کچھ ہنسی نہیں ہے — میر

جان ڈالیں گے نہ پروانے ہیں آنسو شمع کے — ہو گا اِن چھینٹوں سے اب کیا جلنے والا جل گیا — آرزو

ہم تو حزیں یہ سمجھے ہیں دامن جو بھگوئے پانی ہے — آنسو تو وہی اک قطرہ ہے پلکوں پہ جو تڑپے بہہ سکے — حزیں امروہوی

سوچ لینے دو مجھے آنسو ابھی پونچھو نہ تم — پھر نہ کوئی ہوک اُٹھے کیوں کر یہ کہہ دوں رو چکا — آرزو

کسی کے حسن کا ہے عکس میرے ہر رگ و پے میں — جو آنسو آنکھ سے ٹپکا وہ اک تصویر جاناں تھا — کلیم بی اے

ضبطِ گریہ کا اب یہ عالم ہے — آنسوؤں سے بہا نہیں جاتا — ذکیہ

خدا سے ڈر کسی بے کس پہ کیوں ہنستا ہے اے ناصح — مصیبت میں ہر اک انسان کے آنسو نکلتے ہیں — ازمولف

یہ بھی رونے میں کوئی رونا ہے — آستیں آنسوؤں سے تر نہ ہوئی — "

بالوں میں اپنے بیٹھ کے موتی پرو لئے — آنسو نہ پونچھئے کسی آشفتہ حال کے — ریاض

اثر دلدوز جو اُن کی نگاہ اولیں میں تھا — الٰہی منتقل ہو جائے اب وہ میرے آنسو میں — مانی جائسی

بس اب اے ہم نشیں ضبطِ تمنا غیر ممکن ہے — مجھے ڈر ہے نہ کہہ دیں درد دل کی داستاں آنسو — گوپال متل

دیدۂ گریاں میں غلطاں ہے ترا عکسِ جمال — میرا آنسو ہے کہ شیشہ ہے تری تصویر پر — جور لکھنوی

اس طرح سے یک لخت جو تھمتے نہیں آنسو — معلوم ہوا درد کہیں آنکھ لڑی ہے — درد

گر ابر گھرا ہوا کھڑا ہے — آنسو بھی تُلا ہوا کھڑا ہے — مصحفی

آنسو چھلک اُٹھینگے جو آجائے گا خیال — کچھ حقِ دوستی بھی ادا کیجیے گا آپ — جگر

انصاف

عالم ہے مکدر کوئی دل صاف نہیں ہے — اس عہد میں سب کچھ ہے پہ انصاف نہیں ہے — میر انیس

یہ کہئے بات قیامت نے رکھ تو لی ورنہ — ہمارا آپ کا انصاف پھر کہاں ہوتا — ازمولف

دیار حسن کا انصاف دیکھو — خطا جس کی بھی تھی میرے ہی سر تھی — عیاں

آخر ستم ہی کیا ہے انصاف کوئی شے ہے — ہم بیکسی سے روئیں سرکار مسکرائیں — بہزاد

یہ تو نہیں کہتا ہوں سچ مچ کرو انصاف — جھوٹی ہی تسلی ہو تو جیتا ہی رہوں میں — سودا

لوگ دنیا میں اب انصاف کہاں کرتے ہیں — عشق مجرم ہے مگر حسن خطاوار نہیں — راز الٰہ آبادی

حسن کا انصاف ہے اہل نظر کے سامنے — آج لے بیٹھے ہیں ان کو ہم قمر کے سامنے — تسلیم

وائے گر میرا ترا انصاف محشر میں نہ ہو — اب تلک تو یہ توقع ہے کہ واں ہو جائیگا — غالب

ممکن نہ ہوا ضبط تو کہنا پڑا آخر — انصاف یہ ہے تم سا دل آزار نہ ہوگا — محشر لکھنوی

مرے پہلو میں اک دم چین سے بیٹھے نہ تم آکر — تم ہی انصاف سے کہدو دل بے تاب کیا ٹھہرے — شوق آگرہ

حشر میں انصاف ہوگا بس یہی سنتے رہو — کچھ یہاں ہوتا رہا ہے کچھ وہاں ہو جائیگا — آغا شاعر

کیوں آنکھ تو ملاتے کیسے ستم سہے — انصاف تو یہ ہے کہ مجھے مان جایئے — بیخود

آنکھ

میر ان نیم باز آنکھوں میں — ساری مستی شراب کی سی ہے — میر

دیکھے وہ آنکھیں کوئی محراب ابرو کے تلے — اے مسلمانو ہے مسجد میں دکان مے فروش — سودا

کھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہے — اس کی آنکھوں کی نیم خوابی سے — میر

دور بہت بھاگو ہو ہم سے سیکھے طریق غزالوں کا — وحشت کرنا شیوہ ہے کچھ اچھی آنکھوں والوں کا — میر

جب لڑیں آنکھیں تو یہ دونوں تمہارے ہو گئے — یہ تمہارے ہیں مری آنکھیں کہاں اور دل کہاں — حامد

آج جن آنکھوں کے آگے ہے ستم کا منظر — انہیں آنکھوں نے محبت کا سماں دیکھا ہے

کھلا جب بند آنکھیں ہو گئیں یہ راز الفت کا — مری کوشش سے باہر ہے ترے دل پر اثر ہونا

سر بالیں مری اشک آنکھوں سے بہا دیکھیں — سیر دریا کی وہ آکر لب دریا دیکھیں

آنکھوں ہیں میری دل میں مرے تم سما چکے — جاؤ گے اب کہاں کہ مری بس میں آچکے

مدت گزر گئی نہیں دیکھا جمالِ یار
آنکھیں ترس گئیں ترے دیدار کیلئے — حامد

تیری آنکھوں سے پی کے آیا ہوں
لوگ کہتے ہیں بادہ خوار مجھے — ماجد اشک

گر ضبط کریں نکلیں آنسو روئیں تو نہ نکلے اشک کوئی
کیا آنکھوں کا اپنے حال کہیں یہ دریا الٹے بہتے ہیں — آرزو

مست آنکھوں سے دیکھنے والے
بند کردے شراب خانے کو — شمع

آپ سنتے تو ہیں رودادِ غمِ عشق مگر
دیکھتے آپ کی آنکھوں میں نمی آتی ہے — حزیں امروہوی

ترکِ وفا کا اب تو تصور بھی ہے محال
دیکھا ہے میں نے حُسن کی آنکھوں کو اشکبار

اشک ہی پونچھے میری آنکھوں سے
تم نے کچھ بھی کیا کیا ہی کیوں

آنکھوں نے رُو کے نام ہی بالکل ڈبو دیا
گنگا کا گھاگرے کا اٹک کا چناب کا — احمق

قتل کے بعد غرقِ حیرت ہوں
کیوں تم آنکھیں پُر آب کرتے ہو

بھولے سے آگیا ہوں جو محفل میں آپکی
آنکھیں دکھاکے اور نہ دیوانہ کیجئے — مولف

کس سوچ میں ہو نسیم بولو
آنکھیں تو ملاؤ دل کہاں ہے — دیا شنکر نسیم

دل یہ کہتا ہے کہ سینے سے لگالیں تجھ کو
آنکھیں کہتی ہیں کہ تیرا رُخِ زیبا دیکھیں — نامعلوم

وہ صورتیں الٰہی کس ملک بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں — یک رنگ

دل کو تو ہر طرح سے دلاسا دیا کروں
آنکھیں جو مانتی نہیں ہیں اس کو کیا کروں — سودا

وہ آنکھیں نہیں ہائے کیا ہو گیا
وہ کافر تو اب کچھ نیا ہو گیا — انور دہلوی

حسرت وہ مرے دل کی نکلنے نہیں دیتے
آنکھیں تلوں تلوؤں سے تو ملنے نہیں دیتے — انور امروہوی

ہر جا تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے
حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں — مہر انیس

آنکھوں کی سپیدی و سیاہی میں ہے اک راز
وہ شب کا اندھیرا یہ سپیدی ہے سحر کی — جاوید لکھنوی

نہیں آنکھوں میں آپکے ڈورے
یہ محبت کا جال ہے شاید — "

نگہ وہ ترک کہ جس کی نہیں جفا کی پناہ
اور اس کی آنکھ وہ کافر کہ بس خدا کی پناہ — ذوق

آنکھوں سے اشکِ سرخ بہے کیا فراق میں
گویا لہو میں مردمِ آبی نہا لئے — طپش امروہوی

انگڑائی

ذاخر — منحصر تھی جوشِ وحشت کے ارادے پر بہار — پھول سارے ہنس دیے آئی جو انگڑائی مجھے

اب نہیں باقی زمانہ جس کو کہتا تھا شباب — یاد ہے اتنا کہ آئی تھی اک انگڑائی مجھے

نظام رامپوری — انگڑائی بھی وہ لینے نہ پائے اُٹھا کے ہاتھ — دیکھا مجھے تو چھوڑ دیے مُسکرا کے ہاتھ

کھینچ دیتی ہے مکمل تری تصویرِ شباب — آج معراج پہ ظالم تری انگڑائی ہے

نازش — انگڑائی تمہاری لہلہا کر — طوفانِ شباب ہو گئی ہے

وہ احتیاط کے ساتھ ان کی مست انگڑائی — کہیں کہیں سے تو بندِ نقاب ٹوٹ گیا

مشتاق — جان لے لیتی ہے ساقی کی ادا وقتِ خمار — دل جو لے جاتی ہے پہلو سے وہ انگڑائی ہے

میکش بہرائچی — دریائے حسن اور بھی دو ہاتھ بڑھ گیا — انگڑائی اس نے نشہ میں لی جب اٹھا کے ہاتھ

فضا جھوم جھوم اٹھی ہے میکدے کی — کچھ اس طرح ساقی نے انگڑائی لی ہے

رئیس امروہوی — زندگی لے رہی انگڑائی — پھر کسی کو کسی کی یاد آئی

نجم آفندی — زیست جب منزلِ مقصود پہ لے آئی ہے — پھر اجل کیا ہے جواں مرد کی انگڑائی ہے

ناصری — اپنے مرکز کی طرف مائل پرواز تھا حسن — اللہ اللہ وہ عالم تری انگڑائی کا

انگور

اس کی بیٹی نے اٹھا رکھی ہے دنیا سر پر — خیریت گذری کہ انگور کے بیٹا نہ ہوا

ظفر — انگور سے نچوڑ کے واعظ پیا کرے — چسکے ہمیں پڑے ہیں مئے کہنہ سال کے

نساخ — بے خبر نساخ دورِ چرخ سے ہیں اہلِ عیش — ڈر نہیں ہے آسیا سے دانۂ انگور کا

جرأت — جُز درد دلے ظلم رسیدوں کو ثمر کیا — ہوتا ہی نہیں زخم کے انگور کا خوشہ

ذوق — دل کا یہ احوال ہے غم سے ترے اے مستِ ناز — جیسے مرجھایا ہوا دانہ کوئی انگور کا

پڑے تسبیح زاہد پر نگاہ مست اگر تیری — تو ٹپکے بادۂ انگور اس کے دانے دانے سے

اشک کے قطرے جو مژگاں پر اٹکتے ہو گئے — خوشۂ انگور کے بھی دانت کھٹے ہو گئے 〃

پہلو سے حور میں لنگور خدا کی قدرت — زاغ کی چونچ میں انگور خدا کی قدرت 〃

آواز

اور آواز نہ آئے گی کبھی کانوں میں — سننے والو نہ سنو شور سلاسل میرا — اثر

میں کہاں ہوں مجھے معلوم نہیں ہے خود بھی — دوستو مجھ کو پکارو مجھے آواز تو دو — حامد

گلشن میں کہیں بوئے دمساز نہیں آتی — اللہ رے سناٹا آواز نہیں آتی — 〃

جب سے چپ کر گئے وہ کہہ کے سخن ساز مجھے — بن گئی تیر ملامت مری آواز مجھے — آرزو

میں جو بولا کہا کہ یہ آواز — اسی خانہ خراب کی سی ہے — میر

شیشہ ٹوٹے غل مچ جائے — دل ٹوٹے آواز نہ آئے — حفیظ

ہوتی ہے محو خواب جب دنیا — ان کی آواز دل سے آتی ہے — ارشد

لطف تو جب ہے کہ پردے میں کوئی ساز نہ ہو — آپ ہی آپ بجے اور کوئی آواز نہ ہو

کوئی نغمہ ہے نہ کوئی ساز ہے — ایک میری اک تری آواز ہے — حباب

آئیے لیسین پڑھنے کے لئے لب پر ہر دم — منتظر ہے روح پہچانی ہوئی آواز کی — مؤلف

آسیا کہتی ہے ہر صبح بآواز بلند — رزق سے بھرتا ہے رزاق دہن پتھر کے — سوز

مری خاموشئ دل پر نہ جاؤ — اسی میں روح کی آواز بھی ہے — جوش ملسیانی

آواز کس کی آ گئی کانوں میں وقت نزع — الہام تو درد میں پایا نہ تھا کبھی — قرار لکھنوی

تو نہ آتا تری آواز تو آیا کرتی — گھر جو قسمت سے ترے گھر کی برابر ہوتا

وہ یوں دل سے گذرتے ہیں کہ آہٹ تک نہیں ہوتی — وہ یوں آواز دیتے ہیں کہ پہچانی نہیں جاتی — ملا

نہ گل نغمہ ہوں نہ پردہ ساز — میں ہوں اپنی شکست کی آواز — غالب

اثر صہبائی: تیری ہی تصویر ہے دنیا کا ہر نقش جمیل ؏ تیری ہی آواز سنتا ہوں ہر اک آواز میں

آہ

روشن: آہ سے مظلوم کی پرہیز کرنا چاہئے — اب نہیں کوئی اثر لیکن اگر ہونے لگا

اکبر: آہ جو دل سے نکالی جائے گی — کیا سمجھتے ہو کہ خالی جائے گی

〃: ہم ہی نا واقف محبت ہیں — آہ تو بے اثر نہیں ہوتی

وقت: آہ میں کیا اثر نہیں آتا — آہ کرنا مگر نہیں آتا

شاد: سانس لیتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں — یہ نہ سمجھیں کہ آہ کرتا ہوں

قمر: ہم تو محرومیٔ تقدیر کے قائل ہیں قمرؔ — وہ تو آہیں ہی نہیں جن میں اثر ہوتا ہے

ارشد: آہ بھرتا ہے جب کوئی مجبور — روحِ فطرت بھی تھرتھراتی ہے

صدیق: کیوں جگر تھام لیا یہ تو کوئی وار نہیں — خالی اک آہ ہے برچھی نہیں تلوار نہیں

داغ: ساتھ اس کے مری نگاہ گئی — جب نگہ تھک گئی تو آہ گئی

فانی: آج پہلو میں کیوں ہے سناٹا — کیا ہوئی آہ آہ کی آواز

ولی: معشوق کو ضرر نہیں عاشق کی آہ سے — بجھتا نہیں ہے بادِ صبا سے چراغِ گل

نامعلوم: آہ اور وہ بھی کسی مظلوم کی — دل تو دل ہے عرش تھرانے لگے

افق ہزاروی: دیکھ لیتا ہوں جب کبھی ان کو — دل ہی دل میں اک آہ کرتا ہوں

علیل: دل تھام لیں اہلِ دل اک آہ میں کرتا ہوں — یا اب وہی آتے ہیں یا جان نکلتی ہے

محسن: دل جلے گا بلا سے جل جائے — اب تو جو کچھ ہو آہ کرتا ہوں

جگر: سب خاک میں مل جائیں گے یہ عیش کے ساماں — اک آہ جو کر کے تری محفل سے اٹھا ہیں

جلیس: چلا ہے مجھ کو یہ سمجھا کے ہائے وہ بے درد — جو دل میں درد اٹھے آہ آہ کر لینا

کوئی سُنے نہ سنے مجھ کو دردِ دل کہنا — اثر کرے نہ کرے مجھ کو آہ کر لینا

مری آہ کا تم اثر دیکھ لینا — وہ آئیں گے تھامے جگر دیکھ لینا

جو بعد میرے گونجے فضاؤں میں حشر تک
ایسی بھی ایک آہ کئے جا رہا ہوں میں
وصی لکھنوی

ترے بعد اکبر کہاں ایسی نظمیں
وہ دل ہی نہ ہوں گے جو یہ آہ نکلے
اکبر

سن کے میری آہ شب کو وہ مرے گھر آ گئے
ہنس کے پوچھا کچھ ابھی باقی اثر ہونے کو ہے
کیف

آہ نکلے تو کسی سوختہ جاں کے دل سے
پھر دکھا دیں گے کدھر گنبد مینائی ہے
میکش

اس آہ کا برا ہو ان کو بھی پھونک ڈالا
دو چار رہ گئے تھے تنکے جو آشیاں کے
"

اک ایسی آہ کر بلبل چمن میں آگ لگ جائے
ابھی فریاد سن کر پھول ہنس دیتے ہیں گلشن میں
شفیق جونپوری

دل سنبھالے دونوں ہاتھوں سے وہ آئے میرے گھر
منفعل خود ہوں رضا میں آہ کی تاثیر سے
رضا لکھنوی

اثر آہ کا گر دکھائیں گے ہم
ابھی کھینچ کر تم کو لائیں گے ہم
مجروح

آہ نکلی تو دل سے ہے لیکن
آہ کیا جی جلا کے نکلی ہے
مصحفی

آہ کو چاہیئے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک
غالب

آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے
ہم بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہیں
"

آئینہ

ادھر دم توڑتا ہے مرنے والا
ادھر آئینہ دیکھا جا رہا ہے

تم اگر بھول بھی جاؤ ہمیں کیا ہوتا ہے
عکس کب آئینے سے اپنے جدا ہوتا ہے
فدا

خود ان کا حسن میری داد خواہی ان سے کرتا ہے
وہ آئینہ لیتے ہیں اور مجھ کو یاد کرتے ہیں

لاکھ گناہ گار ہوں حسن کا راز دار ہوں
عکس کمال یار ہوں آئینہ قصور ہوں
سہیل

ذرا آئینہ لانا دیکھ لوں شکل
جوانی پھر نظر آئے نہ آئے
صفی

اگر کچھ ہو تو لو یہ سامنے آئینہ رکھا ہے
کہ چوٹیں خوب ہوتی ہیں مقابل کی مقابل سے
ذوق

اطہر وہی ہے سینہ جو کینے سے پاک ہو
آئینہ وار صاف ہو گرد و غبار سے
اطہر

شاعر	مصرع اول	مصرع دوم
اطہر	اطہر وہی ہے سینہ جو کینہ سے پاک ہو	آئینہ دار صاف ہو گرد و غبار سے
حفیظ	سنایا ہے مجھے یہ بارہا آئینہ پر رکھ کر	ارے دیدار کے بھوکے تری نیت بھی بھرتی ہے
"	نہ بار بار سر بزم آئینہ دیکھو	میں جانتا ہوں کسی کا نہیں شباب لیا
"	دل کی بساط کیا تھی نگاہ جمال میں	اک آئینہ تھا ٹوٹ گیا دیکھ بھال میں
"	دیکھا کرو جو روز مرے دل کا آئینہ	لگ جائیں چار چاند تمہارے جمال میں
صفی	زینت خانہ بڑھے گی کہ گھٹے گی اے دوست	اگر آئینہ کے آئینہ مقابل ہو جائے
احسن	آئینہ کیا ترے عارض کے مقابل ہوتا	ماہ تاباں نہ ہوا مہر درخشاں نہ ہوا
مومن	مجھے تو کہتے ہو مت دیکھ میری جانب تو	اور آپ دیکھتے ہو بار بار آئینہ
عابد	دل کی شکستگی سے نہ گھبرائیے حضور	یہ آئینہ ازل سے یوں ہی چور چور تھا
داغ	آئینہ منہ پہ برا اور بھلا کہتا ہے	سچ یہ ہے صاف جو ہوتا ہے صفا کہتا ہے
"	حسن کا دیکھئے اعجاز کہ بے جاں ہو کر	آئینہ دیکھ رہا ہے تمہیں حیراں ہو کر
ناسخ	خاک ہو کر صورت اصلی کو بھی وہ دیکھتا	رکھ دیا ہوتا سکندر کے کفن میں آئینہ
جاوید	ہم ہی سے پوچھ لو کیسے ہو تم اور حسن کیسا ہے	اگر آئینہ کو دم بھر نہ دیکھو گے تو کیا ہوگا
مجروح	وہ غصے سے آئینہ کیوں نہ توڑیں	کہ اپنا سا اک دوسرا دیکھتے ہیں
"	آئینے سے نصیب ہیں کس کے	دیکھ لیتا ہے روز اُن کا مُنہ
مومن	تاب نظارہ نہیں آئینہ کیا دیکھنے دوں	اور بن جائیں گے تصویر جو حیراں ہوں گے
غالب	آرائش جمال سے فرصت نہیں ہنوز	پیش نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں
	مجھے معشوق کو اپنا بنانا تک نہیں آیا	بنانے والے آئینہ بنا لیتے ہیں پتھر سے

ایمان

سلامت رہے آستان محبت — ہمارا حقیقت میں ایمان تم ہی ہو

ترک مے آج کر دل حضرت زاہد توبہ — کل یہ کہنے گا بدل بیٹھے ایماں مجھ سے — مؤلف
تمہاری بدگمانی کا اسی پہ فیصلہ ہے اب — جو سچے ہو تو کہہ دو مجھ کو جھوٹا اپنے ایماں سے — نہال
کفر و اسلام سے کچھ کام نہیں تیرے سوا — عاشقوں کا تو یہی دین ہے ایماں ہے یہی — "
زاہد شراب پینے سے کافر ہوا میں کیوں — کیا ڈیڑھ چلو پانی سے ایمان بہہ گیا — ذوق
دیکھ لیتے ہیں کنکھیوں سے بتوں کو شیخ جی — گو بظاہر دل میں ایماں ہو مگر ایماں نہیں — عرشی
خاطر سے یا لحاظ سے میں مان تو گیا — جھوٹی قسم سے آپ کا ایمان تو گیا — "

بات

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے — تمہیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے — غالب
ایک ہیں شیخ و برہمن دونوں — کیا محبت میں ذات پات کی بات — ادیب
کیا کہوں عمر بے ثبات کی بات — بات ہی کیا ہے صرف بات کی بات — "
کیا ان کے دوستوں نے مری موت پر چراغاں — یہ چراغ تم جلاتے تو کچھ اور بات ہوتی — امیر آغا
سمجھ کا پھیر ہے ان کی وگرنہ — ہماری بات تو مبہم نہیں ہے — مختار
ایک بات آپ سے کہوں لیکن — آپ نے کب کسی کی مانی ہے — فراق
وہ آئے وہ آئیں وہ آجائیں گے — یہ ہی بات دن رات ہوتی رہی — ساحر
بات دل کی ادا نہیں ہوتی — یہ گرہ ہم سے وا نہیں ہوتی — "
آچکے تھے وہ سامنے میرے — بات ہونے پہ تھی مگر نہ ہوئی — شاد
روتے روتے مرے ہنسنے پہ تعجب نہ کرو — ہے وہی بات مگر دوسرے انداز میں ہے — امر چند قیس
خیالی ملاقات ہوتی رہی — شب غم بہم بات ہوتی رہی — "
مان لوں میں بات کیسے آپ کی — آپ میری بات تو مانے نہیں — میکش
کنکھیوں سے بھری محفل میں کیوں دیکھا مری جاں — چھپاؤ لاکھ اب سب کی زباں تک بات آپہنچی — "
موقعہ بحث نہیں صاحب اقبال ہیں آپ — میری ہر بات بری آپکی ہر بات اچھی — "

کشور — وہ ترک قتل ہو ستم ہو کہ جفا ہو کچھ ہو — دل کو ہر بات گوارا ہے قریب آجاؤ

نواب دہلوی — نواب گو بُرا تھا مگر باوفا تو تھا — یہ بات ان کے منھ سے سنی ہے کبھی کبھی

لطفی — دل کو کس وقت تم نے شاد کیا — بات کب تم نے میری مانی ہے

ہم سے ترکِ تعلقات صحیح — یہ مگر کیا کہ بات بھی نہ کرو

نجمی — بچ کے طوفاں سے کنارے پہ پہنچنا کیسا — بات تو جب ہے کہ طوفاں بھی کنارا ہو جائے

متین — آپ تو بے وفا نہیں ہیں مگر — کہنے والے یہ بات کہتے ہیں

اب کہاں ہے وفا زمانے میں — اگلے وقتوں کی بات کہتے ہیں

واقف — چاشنی دردِ محبت کی نئی چکھی ہے — گالی اپنے لئے اب دودھ کی اک مکھی ہے

ق — ہم سُنے جائیں گے تیور پہ نہ بل آئیگا — اور کچھ کہئے کوئی بات اٹھا رکھی ہے

عشق نہ اب تک بھول سکا — حُسن کے دل کی بات

فصیح — شکوۂ ترکِ ملاقات نہ نکلے منھ سے — دَم نکل جاتے مگر بات نہ نکلے منھ سے

دن کہیں وہ تو ہے دن رات ہے گر رات کہیں — کوئی جی ہاں کے سوا بات نہ نکلے منھ سے

وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہیں — وہ بات اُن کو بہت ناگوار گذری ہے

عہد پر عہد کئے جاؤ نہ وقتِ رخصت — ایک ہی بات بہت ہے جو تمہیں یاد رہے

فانی — صور و منصور و طور ارے توبہ — ایک ہے تیری بات کا انداز

منھ چھپا کر مری تربت سے گذرنے والے — بات تو جب ہے کہ محشر میں بھی روپوش رہے

جالب امروہوی — قدر تھی تجھ کو نہ الفت کے اگر جذبات کی — میں یہ کہتا ہوں کہ پھر کیوں مجھ سے ہنس کر بات کی

سلیم — بندہ پرور میں خفا اور آپ سے میری مجال — دوسروں کی بات میں ہرگز نہ آیا کیجئے

ذوق — اس کے گھر لے چلا مجھے دیکھو — دلِ خانہ خراب کی باتیں

جلیل — نہ میں اچھا نہ میرے شعر ہی بس بات اتنی ہے — جسے اچھا کہیں سرکار اچھا ہو ہی جاتا ہے

داغ — رہا جاتا ہے دل سے خوف مطلب لب تک آ آ کر — ذرا سی بات ہے لیکن مجھے دشوار کیسی ہے

مصرع اول	مصرع ثانی	شاعر
ترے کوچے اس بہانے ہمیں دن سے رات کرنا	کبھی اس سے بات کرنا کبھی اس سے بات کرنا	مصحفی
اس بزم حشر کی بس رہ گئی ہے اے حیات	بزم عشرت میں تو اس نے بات بھی پوچھی نہیں	حیات امروہوی
جرأت کی غزل جس نے سنی اس نے کہا واہ	کیا بات ہے کیا بات ہے کیا بات ہے واللہ	جرأت
نامہ بر خط تو لکھا دل میں رہا مطلب دل	اُن سے خود کان میں کہنے کی بھی کچھ بات نہیں	شاعر لکھنوی
داستان الم سنانے میں	بات جاتی ہے رونے گانے میں	صبیح الحسن شمیم
کوئلیں چیخیں پپیہے چلائیں	کام کی بات مری غل ٹھہرے	حالی
حال دل کی انہیں خبر نہ ہوئی	اتنی سی بات عمر بھر نہ ہوئی	رعنا
ہے دل میں تو کچھ اور زباں پر تری کچھ اور	سچائی ہو باتوں میں، تو پیدا ہو اثر بھی	
وہ اعدا کو چھوڑیں غلط ہے غلط	یہ ساری ہیں ان کے دکھانے کی باتیں	مجروح
وہ بات جو کوئی نہ سنے پھر وہ بات کیا	اس بات کا نہ ذکر کر اب اور بات کر	جالب
نکتہ چیں ہے غم دل اس کو سنائے نہ بنے	کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے	غالب
بات بھی ہوتی ہے اوچھی کس قدر	منھ سے نکلی اور پرائی ہو گئی	رضا

بت

مصرع اول	مصرع ثانی	شاعر
اُس بُت سے شب غم کے غم کھانے کو کیا کہئے	پتھر سے مصیبت کے افسانے کو کیا کہئے	رسا
مجھ سے اُس بُت کی محبت میں کنارا کر گیا	اب خدا صورت نہ دکھلائے دل ناشاد کی	
غریبوں کا بھی کوئی آسرا ہوتا تو کیا ہوتا	ہمارا بھی بُت کافر خدا ہوتا تو کیا ہوتا	حشر
بُتوں پر دسترس آساں نہیں اے اکبر ناداں	چھوئے ہیں پاؤں ان کے بلکہ برسوں ہاتھ جوڑے ہیں	اکبر
کیوں نہ لوں نام خدا اس بُت کی صورت دیکھ کر	لوگ کہتے ہیں کہ کلمہ پڑھ کے مرنا چاہیئے	اکبر
بُت میں بھی جلوہ نما مل جائے گا	جس جگہ ڈھونڈو خدا مل جائے گا	بہزاد
ہمنشیں ظلم بُتاں پر چپ نہ رہنا چاہیئے	بات جب کچھ بن نہ آئے شعر کہنا چاہیئے	اکبر
چُپ ہیں سوال وصل پہ گو با زباں نہیں	بُت بن گئے جب آپ تو پتھر سے کیا کہیں	رونق

بسمل
بھرپور جوانی ہے اک دھوم ہے اس بت کی
دو چار نہیں شیدا عالم ہے کہ گھائل ہے

نظام رامپوری
کس کس طرح ستاتے ہیں یہ بت ہمیں نظام
ہم ایسے ہیں کہ جیسے کسی کا خدا نہ ہو

"
بت ہیں گر شہرۂ آفاق جفا کاری میں
نام رہ جائے گا اپنا بھی وفاداری میں

اجزائے دل سے میرے خلقت ہوئی بتوں کی
کہتا ہے پر مجھی سے ہر شوخ بس خدا ہوں

راز
خیال رکھنا بتوں کا سفر میں کعبہ کے
ملیں جو راہ میں جھک کر سلام کر لینا

ازل
کون کافر یقین کرتا ہے
لاکھ یہ بت کہیں خدا ہیں ہم

سودا
سیر کی قدرتِ خالق کی بتوں میں سودا
مشت بھر خاک میں جلوہ ہے بھلا کیا کیا کچھ

میکش
جب سے اس بت سے دوستانہ ہوا
اک جہاں میں مرا فسانہ ہوا

"
ایک خلقت کی بچھ گئیں آنکھیں
جس طرف کو وہ بت روانہ ہوا

دل میں خیال روئے بت لاجواب ہے
زاہد مری بغل میں خدا کی کتاب ہے

قوی امروہوی
میں ایک شرط پہ زاہد وہ بت دکھاتا ہوں
کہیں نہ پوجنے لگنا اسے خدا کے لئے

مجروح
باغ جناں میں سایۂ طوبیٰ ملے تو کیا
وہ بت جدا رہے تو گوارا نہیں مجھے

ذوق
ستم کو ہم کرم سمجھے، جفا کو ہم وفا سمجھے
اور اس پر بھی نہ سمجھے وہ تو اس بت کو خدا سمجھے

ہاکرامری
دل میں ہے جلوہ گستری تیری
بت کا فر ہمارا خدا تو ہے

نسیم
لائے اس بت کو التجا کر کے
کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

مصحفی
ہائے کعبے سے پھرا اب تک نہ ہرگز مصحفی
اس کو واں کیا جانے کس بت سے محبت ہو گئی

بت خانہ

مؤلف
آپ کے حسن دل آویز کی اللہ رے کشش
لوگ کعبے سے چلے آتے ہیں بت خانے کو

مس عباسی
بت خانہ میں بھری ہوئی خلقت خدا کی ہے
بت بھی خدائی کرتے ہیں قدرت خدا کی ہے

ثاقب لکھنوی
مٹ جاتا ہے جب نفس سے احساس خودی کا
کعبہ وہیں بن جاتا ہے بتخانہ جہاں ہو

مومن
بت خانے سے نہ کعبہ کی تکلیف دے مجھے
مومن بس اب معاف کہ یاں جی نہیں گیا

بُت کدہ میں شور ہے اکبر مسلماں ہو گیا
بے وفاؤں سے کوئی کہہ دے کہ ہاں ہاں ہو گیا
اکبر الہ آبادی

بجلی

کبھی بجلی بھی گرے یاں تو ادب سے پوچھیں
آج کیا تھا جو سوئے گورِ غریباں آئی
رشید

یہ بجلی چمکتی ہے کیوں دم بدم
چمن میں کوئی آشیانہ بھی ہے

چشمک کرے مجھ ہی سے یہ ایسی کہاں کی ہے
بجلی تو خانہ زاد مرے آشیاں کی ہے
سہیل

سوختہ بختی کی کاظم دیکھ لی آنکھوں سے حد
گر پڑی بجلی نشیمن سے اگر پرواز کی
مؤلف

سارا چمن پڑا تھا لیکن فلک کو کد تھی
جس جا پہ آشیاں تھا بجلی گری وہیں پر
عادل

بجلی کی روشنی میں چلے آیئے کلیم
کھمبے ہیں راہ میں ید بیضا لئے ہوئے
شوق بہرائچی

چمک سی جو اٹھتی ہے بجلی نہیں ہے
ارے آنکھ تو کھول ڈر جانے والے
آرزو

میں روتا ہوں ذرا تو مسکرا دے
برستی ہے گھٹا بجلی گرا دے
مدعا

میں چاہ چھوڑ دوں کس طرح چار تنکوں کی
گرائے جائے زمانہ نئی نئی بجلی
شمیم کرہانی

اسیرانِ قفس ہیں ہم سے پوچھو قدرِ آزادی
کہ اب بجلی بھی شاخِ آشیاں معلوم ہوتی ہے
بیدی سحر

جب کوندتی ہے بجلی تب جانبِ گلستاں
رکھتی ہے چھیڑ میرے خاشاک آشیاں سے

قفس میں مجھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری تھی جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو
غالب

کر لیں آپس میں چلو طور کی بجلی تقسیم
روشنی تم میں رہے اور تڑپ ہم میں رہے
صفی امروہوی

بچپن

بن سنور لینا ابھی آئے تو دو جوبن کے دن
سادگی زیور ہے کافی ہیں ترے بچپن کے دن

ق

لگے جب سے بڑھنے کو ہوش و خرد
لگیں ساتھ بڑھنے پریشانیاں

بڑھاپے کی دانائی لے کر کوئی
بدل دے وہ بچپن کی نادانیاں

اسیرِ پنجۂ عہدِ شباب کر کے مجھے
کہاں گیا مرا بچپن خراب کر کے
مضطر

تلوّن اس کو کہتے ہیں اسی کا نام ہے بچپن
ابھی قیدی بنایا تھا ابھی آزاد کرتے ہیں
جاوید

جاوید — لحد پر جو آئے تو اللہ رے بچپن / بچھڑنے کا میرے گلہ ہو رہا ہے

بدگماں

رشک الفت ارے معاذ اللہ / آپ اپنے سے بدگماں ہوں میں

ہیں کہیں دل کہیں خیال کہیں / کیا بری شے ہے بدگمانی بھی

انتہائے بدگمانی دیکھنا / اپنے سائے سے بھی وہ ڈرتے رہے

سحر — کون یہ مجھ پہ مہرباں ہے آج / زندگی مجھ سے بدگماں ہے آج

شارب — ہوتی ہیں اپنی ذات سے سب بدگمانیاں / ہم بدگماں نہیں تو کوئی بدگماں نہیں

نظام امروہوی — لینے بھی تو بلائیں نہ پایا اٹھا کے ہاتھ / اس بدگماں نے تھام لئے مسکرا کے ہاتھ

جدید لکھنوی — بدگمانی دیکھئے ہیں ساتھ آیا دور تک / جس کو دیکھا آپ کے در کی طرف آتے ہوئے

مجروح — دیکھ غمگیں مجھے بگڑتے ہو / بڑے درجے کے بدگماں ہو تم

" — گھر میں بناؤ کر کے جو بیٹھے تو خود بخود / بولے کہ ایسے وقت میں وہ بدگماں نہیں

بدنام

عشق — ہم عشق میں رسوا ہوئے تو گلہ کریں زاہد / ہے کون زمانے میں جو بدنام نہیں ہے

میر — ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی / چاہتے ہیں سو آپ کرے ہیں ہم کو عبث بدنام کیا

" — بدنامیاں ہی موجب تکمیل عشق ہیں / بدنام ہو گئے ہیں اگر ہم تو کیا ہوا

حفیظ — آجائے جہاں کچھ ذکر مرا کیوں وہ نہ وہاں سے اٹھ جائیں / کس طرح مخاطب ہو کے سنیں بدنام نہیں کیا ہوتا ہے

ارشد — اک فقط عشق ہی نہیں بدنام / حسن پر بھی تو آنچ آتی ہے

راز — راز کے نام ونشاں کی گفتگو بے کار ہے / ساری دنیا جانتی ہے اس قدر بدنام ہے

" — تذکرے راہ میں ہوں نام زبانوں پہ چڑھے / اتنی اے دوست محبت ابھی بدنام کہاں

" — ان کی طرز دلربائی سے زمانہ بے خبر / یہ دل بدنام میرا مفت میں بدنام ہے

رضا — لوگ سچ کہتے ہیں یہ بد سے ہے بدنام برا / وہ جھجکتے ہیں اکیلے مرے گھر آنے سے

میں تو بدنام ہوں دلے صاحب | تم بھی کچھ ایسے نیک نام نہیں — مجروح

برسات

صراحی کو جب آگئیں ہچکیاں | گلستاں میں برسات ہونے لگی — ونٹو
چمن میں شگوفے جھلستے رہے | بیاباں میں برسات ہوتی رہی
گلستاں میں کلیاں ترستی رہیں | سمندر پہ برسات ہوتی رہی — امرچند قیس
ہم تو برسات میں بھی پی نہ سکے | ہم پہ روتی ہوئی برسات آئی
ہجر میں صورت نہ دیکھوں اے خدا برسات کی | تیر سی لگتی ہے سینے پر ہوا برسات کی
بغیر ان کے نظر آتی ہے موسم میں وہ بے کیفی | کہ اب کے سال کی برسات پہچانی نہیں جاتی — شفیق جونپوری
بارہ مہینے ہم کو جو رونے کا شغل ہے | سب اور فصلیں ہٹ گئیں برسات رہ گئی — عشق
چاند سی صورت کا دلبر جن کے پہلو میں رہے | پوچھئے ان خوش نصیبوں سے مزا برسات کا — تسلیم
بدنصیبی کا میں قائل تو نہیں ہوں محشر | میں نے برسات میں جلتے ہوئے گھر دیکھا ہے — محشر
موسم ہے تری آنکھ کی گردش پہ منحصر | تم جب چلے گئے تب ہی برسات ہو گئی — جالب دہلوی
مزا برسات کا چاہو تو ان آنکھوں میں آبیٹھو | سپیدی ہے سیاہی ہے شفق ہے ابر باراں ہے

برق

آشیاں پر گرنے والی برق دم لینا ذرا | کب بہار آئے گی اتنا پوچھ لیں صیاد سے
اچھا یہ آپ مسکرائے تھے | میں تو سمجھا تھا برق لہرائی
لگ گئی آگ آشیاں کو مرے | برق پھر کیوں ہے بے قرار اب تک
آشیانہ تو جل چکا کب کا | برق کی دشمنی نہیں جاتی — مونس
ہوں دینے والا برق کو پھر دعوت عمل | پر تنکا تنکا جمع کئے جا رہا ہوں میں
برق کا آسماں پر ہے دماغ | پھونک کر میرے آشیانے کو — مومن
گرنی تھی ہم پہ برق تجلی نہ طور پر | دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر — غالب

بزم

چمن تو برقِ حوادث سے ہو گیا محفوظ / مری بلا سے اگر میرا آشیاں نہ رہا — جگر

یہ بزم عشق ہے اس میں کہاں خرد کا گذر / یہاں تو ہوش میں وہ ہے جو ہوشیار نہیں

بزمِ ساقی ہے ذرا ہوشیار بیٹھیں آج / کل نہیں پہلو سے میرے شیشۂ دل اُڑ گیا

کون جانے کہ لوگ کیا سمجھیں / یوں میرِ بزم تم نہ ٹھہراؤ — [illegible]

وہ نگاہِ ناز مجھ پر اس طرح پڑنے لگی / احتیاطاً بزم سے خود مجھ کو اٹھ جانا پڑا — اظہر

جو دل میں تھا وہ بھول گیا تجھ کو دیکھ کر / آیا تھا تیری بزم میں کیا کیا لئے ہوئے — "

تم گوشۂ غربیاں میں اک آواز تو دیدو / اس بزم کو سوتی ہوئی محفل نہ سمجھنا — ہرمز ظہیری

واں وہ غرور عز و ناز یاں یہ حجابِ پاسِ وضع / راہ میں ہم ملیں کہاں بزم میں وہ بلائے کیوں — غالب

غیر کی بزم میں جا کر تری صورت دیکھی / ہم کو دوزخ میں بھی حاصل ہوئے جنت کے مزے — احسن ایوبی

بہت نیرنگیاں اے دوستو دیکھیں ادھر آؤ / ہماری بزم ماتم ان کا جشنِ تہنیت دیکھو — آلی

بتا دو تم نے یہ اخلاق کس سے سیکھا ہے / کوئی ہو میں ہی سہی بزم سے اُٹھا دینا — حامد

بزم ادب بھی آئینۂ بزم طور ہے / لوگ آ رہے ہیں ہاتھ میں جوتا لئے ہوئے — شوق

ہیں راندۂ محفل ہی معتوب سہی ہیں / ہنگامہ کوئی بزم میں برپا نہ کروں گا — امن

شبِ وصال ہے گل کر دو ان چراغوں کو / خوشی کی بزم میں کیا کام جلنے والوں کا — قوی

رسائی ابن مریم یا رنگِ اعجاز مشکل ہے / کہیں دربان بیٹھے ہیں کہیں اغیار بیٹھے ہیں — اعجاز

بزم میں اور سب سے باتیں ہوں / گویا ہم بے بلائے بیٹھے ہیں۔ — نظام رامپوری

بوئے گل نالۂ دل دودِ چراغ محفل / جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا — غالب

تا دیکھ سکیں ہم نہ نظر بھر کے بھی ان کو / دیتے ہیں جگہ بزم میں وہ اپنی بغل میں — نساخ

میں اور بزمِ مے سے یوں تشنہ کام آؤں / گر میں نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا — غالب

نہ پوچھ کچھ بھی کسی کی وہاں نہ آؤ بھگت / تمہاری بزم میں کل اہتمام کس کا تھا — داغ

اس بزم جہاں میں ہے دلسوز کوئی کس کا / ہنستی رہی سب محفل جلتا رہا پروانہ — نشتر سندیلوی

بسکٹ

بسکٹ ہیں کہ آسمان کے تارے ہیں — کہتی ہے سفیدی ان کی مہ پارے ہیں — رشید
کلکتے سے لکھنؤ تک آتے ہیں رشید — یہ بھی ثابت ہوا کہ سیارے ہیں

باغ

یہ حسرت رہ گئی کس کس مزے سے زندگی کرتے — اگر ہوتا گُل اپنا باغ اپنا باغباں اپنا — مرزا مظہر جانجاناں
قفس سے چھوٹ کے چمن کا سراغ ہی نہ ملا — وہ جوشِ لالہ و گل تھا کہ باغ ہی نہ ملا
کیسا چمن کہ ہم سے اسیروں کو منع ہے — چاکِ قفس سے باغ کی دیوار دیکھنا
نہ گل ہی نہ غنچے نہ بوٹے نہ پتے — ہوئے باغ نذرِ خزاں کیسے کیسے — امیر مینائی
کٹی قید قفس میں زندگانی — بہارِ باغ کی لذت نہ جانی — حسن
اب آ گیا تو باغ جہاں دیکھتا چلوں — اچھا ہے یا بُرا ہے مگر رہ گذر میں ہے — سائل دہلوی
بلبل سے ربط ہے نہ ہمیں گل سے ارتباط — اس باغ میں رہے بھی تو مثلِ خزاں رہے — نساخ
ہر گلستاں سے مٹاؤں گا خزاں کے آثار — اپنے ہی باغ کی رونق نہیں منظور مجھے — شفیق جونپوری
دل کے زخموں پہ نمک پاش نہ ہو اے ظالم — باغ کا ذکر مرے سامنے صیاد نہ کر — رضا لکھنوی

باغباں

بہار آئی تھی جس میں وہ چمن وقفِ خزاں پایا — ریاضت کا بتا کیا تو نے اے پھل باغباں پایا — صفی
کہاں جائیں نکل کر گلستاں سے — نہ پوچھیں یہ بھی کیا ہم باغباں سے — اختر
مجھے معلوم ہے سب رازِ گلشن — میں واقف ہوں مزاجِ باغباں سے — ء
جو واقف مزاجِ بہار و خزاں نہیں — وہ تنگ ہے چمن کے لئے باغباں نہیں — شارب
ترے چمن میں ہمارا جو آشیاں ہوتا — بتا تو کیا ترا نقصان باغباں ہوتا — مؤلف
چمن میں ہر پرندے کو چہکنے کی اجازت ہے — مگر روٹھا ہوا ہے بلبلوں سے باغباں اب تک — جوش
ہمارے آشیاں کو نذرِ آتش کیوں کیا آخر — بگاڑا تھا ترا کیا باغباں تو ہی بتا ہم نے — حافظ

حافظ ثاقب امروہوی

تجھے اے طائر شاخ نشیمن کیا خبر اس کی — کسی صیاد کو بھی باغباں کہنا ہی پڑتا ہے

لے جاتے ہیں اسیر قفس ہو کے ہم تو آج — پھولا پھلا چمن یہ ترا باغباں رہے

بیکس

تم اٹھا دو اپنے در سے مگر اتنا غور کر کے — کہ ہم ایسے بیکسوں کا کہیں اور ہے ٹھکانا

سوز باں نہیں دہن میں رکھتی ہے — ایک بے کس کی بے زبانی بھی

صابر ہاروی

ہماری بے کسی کا اب یہ عالم ہے ارے توبہ — چراتے ہیں نگاہیں آشنا نا آشنا ہو کر

مجھے جو دیکھتا ہے اے فلک حسرت سے کہتا ہے — زمانے میں نہ ایسا بے کس و لاچار ہو پیدا

بمبئی

صفی

بمبئی تو کشور ہندوستاں کی ناک ہے — آبروئے مصر تیرے سامنے کیا خاک ہے

بمبئی ہندوستاں کا صدر دروازہ ہے تو — بلکہ رخسار عروس ہند کا غازہ ہے تو

اپنی آب و تاب سے ہر دم تر و تازہ ہے تو — ایک رنگا رنگ مجموعے کا شیرازہ ہے تو

آ کے جو صحبت میں بیٹھا کام کا جی ہو گیا

تیری چوکھٹ جس نے چھو لی نصف حاجی ہو گیا

ہاں سواد بمبئی اکسیر تیری خاک ہے — گرد سے کم ہمتی کی تیرا دامن پاک ہے

بنارس

صفی

اے بنارس ہمسواد سرمۂ چشم بتاں — دیکھ تیرا بت کدہ ہے کعبۂ ہندوستاں

ہے ہلالی خط میں آبادی بنارس کی تمام — گھاٹ مندر سب لب دریا بحسن انتظام

چشم بد دور بنارس کیا ہی بانکا شہر ہے — ہر ادا ہوش حسینوں کی یہاں کی قہر ہے

بوسہ

گستاخ

لذت بوسۂ لب جاں بخش — گر سنے خضر زہر کھانے لگے

غالب

صحبت میں غیر کی نہ پڑی ہو کہیں یہ خو — دینے لگا ہے بوسے بغیر التجا کئے

آج بوسے ان کے گن گن کے لئے
دل گنا کرتے تھے اس دن کے لئے — قوی امروہوی

ایک بوسے کے طلب گار ہیں ہم
اور مانگیں تو گناہ گار ہیں ہم — زاہد

بوسہ دینے میں جو پوچھا کہ بگڑتا کیا ہے
بولے لینے میں کہو آپ کو ملتا کیا ہے

بوسوں سے گالیاں جب آگے بڑھیں تو بولے
ٹوٹل یہ سب غلط ہے۔ کل پھر حساب ہوگا — شبیر خاں

بوسہ دیتے نہیں اور دل پہ ہے ہر لحظہ نگاہ
جی میں کہتے ہیں کہ مفت آئے تو مال اچھا ہے — غالب

بوسۂ زلفِ سیہ فام ملے گا کہ نہیں
دل کا سودا ہے مجھے دام ملے گا کہ نہیں

پس مردن بنائے جائینگے ساغر مری گل کے
لب جاں بخش کے بوسے ملیں گے خاک میں مل کے

مانگا بوسہ تو بولے ہو کے خفا
پھر تو کہنا کہ کیا کہا تو نے — نساخ

وہ اک بوسے پہ بھی لیتے نہیں دل
بھلا قیمت کریں اس سے بھی کم کیا — مجروح

جب لئے بوسے بے شمار لئے
کتنا ہی وہ کہا کئے بس بس

دے کے تم بوسہ لب رکھتے ہو احسان کس پر
یہ تو ہے دل کا عوض مفت مری جاں تو نہیں — مجروح

تم یہ کیسے بلند ہمت ہو
ایک بوسہ پہ لاکھ حجت ہو

لے کے آئینہ جو دیکھی حسن کی اپنے بہار
اپنے بوسے آپ وہ غنچہ دہاں لینے لگا — ذوق

ملاپ چاہیں جب ہی ہم کہ دیکھے تم بوسہ
کہو کہ آؤ زباں سے زباں ملاتے ہو

ڈر تھا انہیں کہ خواب میں بوسہ نہ لے کوئی
گالوں پہ رکھ کے سوئے کلائی تمام رات

بھول

گزرتا چلا جا رہا ہے زمانہ محبت بنی جا رہی ہے فسانہ
یں شاید تمہیں زندگی بھر نہ بھولوں مبارک ہو تم کو مجھے بھول جانا

وفائے عشق کی عظمت کو ہی لٹتے نہیں رہتے
جفائے حسن کو دل سے بھلا دینا بھی آتا ہے — عرش ملسیانی

ہمارے واسطے سارا جہاں ہے آپکی ذات
ملے جو آپ تو سارے جہاں کو بھول گئے — عالم

جب سے جاتا رہا ہے دل ہم سے
یہ چیز رکھتے ہیں بھول جاتے ہیں — ہنر

کبھوں یہ پہلو میں ٹیس سی اٹھی
بھول کر کس نے پھر پکارا ہے — مؤلف

ناسخ — وہ نہیں بھولتا جہاں جاؤں — ہائے میں کیا کروں کہاں جاؤں
شاہ ظفر — تم نے کیا نہ یاد کبھی بھول کر ہمیں — ہم نے تمہاری یاد میں سب کچھ بھلا دیا
نساخ — افسوس ہے کہ مجھ کو وہ یار بھول جاوے — وہ شوق وہ محبت وہ پیار بھول جاوے
انور — کم سنی میں تو حسیں عہد وفا کرتے ہیں — بھول جاتے ہیں مگر جب کہ شباب آتا ہے
رنگیں — بھول جانے کی ہزاروں کوششوں کے باوجود — ان کی یاد آتی رہی ان کا خیال آتا رہا
ذوق — تم بھول کر بھی یاد نہیں کرتے ہو کبھی — ہم تو تمہاری یاد میں سب کچھ بھلا چکے
نظام رامپوری — تم سے کچھ کہنے کو تھا بھول گیا — ہائے کیا بات تھی کیا بھول گیا

بہار

مصحفی — کنج قفس میں ہم تو رہے مصحفی اسیر — فصل بہار باغ میں دھومیں مچا گئی
جو آشیاں سے چھٹ گیا فصل بہار میں — اندازہ اس کے غم کا کوئی کر سکیگا کیا
ذاخر — صیاد کے بتائے ہوئے دن گنا کیا — آئی بھی اور فصل گئی بھی بہار کی
گلشن میں بہار آئی کیا جوش نمو لے کر — ہر زخم ہوا تازہ ہر داغ اُبھر آیا
بہار آئی ہے. اور میں ڈر رہا ہوں — کہ اکثر مجھے راس آتی نہیں ہے
حامد — پچھلے ہی زخم جتنے تھے اب تک ہرے ہیں سب — کیا جانے کیا دکھائے بہار اب کے سال کی
میر — کچھ کرو فکر مجھ دوانے کی — دھوم ہے پھر بہار آنے کی
سودا — مٹ گئے وہ شور دل کے ہائے تب آئی بہار — ورنہ کیا کیا ہم بھی شہر و ویرانے میں ہوم
راز رامپوری — اگر ایسی بہار آئے تو میں سمجھوں بہار آئی — کہ مے خانے پہ مے برسے گلستاں پر لہو برسے
نجم ظفر نگری — تمام عمر امید بہار میں گزری — بہار آئی تو پیغام موت کا لائی
شوق — بہار آئی ہے نیچر اپنی نقاشی دکھاتا ہے — بہت رنگین نقشے سامنے آنکھوں کے لاتا ہے
پھر بہار آئی چمن میں زخم گل آلے ہوئے — پھر مرے داغ جنوں آتش کے پرکالے ہوئے
نخوہ — بہار باغ کو تو دیکھ ہم یہ دیکھتے ہیں — بہار محو ترے حسن کی بہار میں ہے

ہمارے زخمِ جگر رنگ لاتے ہیں بیخود — بہار ایک ہی اور اس بہار میں ہے — بیخود
دل ہی بجھا ہوا ہو تو لطفِ بہار کیا — ساقی ہے کیا، شراب ہے کیا، لالہ زار کیا — ناز
مجھے شباب نے مارا بلائے جاں بن کر — بہار آئی مرے باغ میں خزاں کی طرح — ریاض
ہے سر پہ خاک پاؤں میں چھالے جگر میں درد — لایا ہے رنگ یہ مرا سودا بہار میں — حاذق
خاک سر پہ منھ پہ زردی چاک سارا پیرہن — دیکھئے حامد اسے کہتے ہیں تاثیرِ بہار — حامد
چشمِ عبرت بیں سے دیکھ اس باغ کی نیرنگیاں — ہر برس آ کر تجھے غافل بتاتی ہے بہار — رند
میں وہ مجنونِ مہذب ہوں جب آتی ہے بہار — شہر سے باہر نکلتا ہوں میں استقبال کو — نساخ
ایک اپنی ہی طبیعت تھی جو مرجھاتی تھی — ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ بہار آئی تھی — شفیق جونپوری
نہ جاؤ دیکھ لو شمعِ سحر کا جھلملانا بھی — یہ محفل کی بہار آخری معلوم ہوتی ہے — 〃
خود بخود کچھ ہاتھ بڑھتا ہے گریباں کی طرف — اے دلِ وحشی کہیں فصلِ بہار آئی نہ ہو — تجدید
بوئے گل بن کے نکل جاؤں قفس سے کیوں کر — ہم صفیرو یہ سنا ہے کہ بہار آئی ہے — مشتاق
لکھ دو ہر پتی پہ یہ تاریخِ مرگ اپنی بہار — فصلِ گل تھی اور شبابِ یار کا آغاز تھا — بہار
نظروں میں جذب کر لوں ادا حسنِ یار کی — کانٹوں میں بھر دوں آج فضائیں بہار کی — امید
ہم اسیروں کو بھلا کیا جو بہار آئی ہے — عمر گذری کہ وہ گلزار کا جانا ہی گیا — مہر
تنکوں سے کھیلتے ہی رہے آشیاں میں ہم — آیا بھی اور گیا بھی زمانہ بہار کا — فانی
مری قید کا دل شکن ماجرا اف — بہار آئی تھی آشیاں بن رہا تھا
شیوۂ باغباں ہے گل چینی — اہتمامِ بہار کون کرے — جاوید
قبا کو چاک گریباں کو تار تار کیا — بقدرِ حوصلہ اندازۂ بہار کیا
آشیاں تو اجڑ چکا صادق — اب خزاں آئے یا بہار آئے — صادق
رونقِ بزمِ یار کیا کہنا — ہر طرف ہے بہار کیا کہنا — عشرت
تیرے وصال کی نہ تمنا کرے کوئی — یوں ہی تری بہار کو دیکھا کرے کوئی

کچھ بھر چلا تھا زخمِ دلِ داغدار کا — پھر آگیا چمن میں زمانہ بہار کا — تحمل الٰہ آبادی

شعلے نکل رہے ہیں دلِ داغدار سے — یہ آگ اس چمن میں لگی ہے بہار سے — اطہر

ساقی سے روز پوچھتے ہیں یہ حساب ہم — اب کتنے دن ہیں آمدِ فصلِ بہار کے

حی

سبزۂ خط ہے ترا غازۂ لیلائے بہار — آزمانے میں کہ ہمراہ ترے آئے بہار — ناصر

ق

ایک عالم میں بسر کرتے ہیں ہم اور بلبل — کوئی رسوائے جہاں ہو کوئی رسوائے بہار

تو ہے بہارِ تازہ دنیائے رنگ و بو کی — اک بار جس نے دیکھا تا حشر آرزو کی — جگر

بیاباں

جدھر وہ دیکھ لیتے ہیں بہاریں ہی بہاریں ہیں — جدھر سے پھیرتے ہیں رُخ بیاباں ہی بیاباں ہے

میں تو وہ شعلہ بداماں ہوں کہ خاکم بدہن — پاؤں فردوس میں رکھ دوں تو بیاباں ہو جائے — آشفتہ

حد بھی ہے کچھ مری اس وحشتِ دل کی یارب — کہ بیاباں مری نظروں میں بیاباں نہ رہا — جگر

قانع دشت نہیں ہمتِ ویرانہ پسند — کاش دنیا میں بیاباں ہی بیاباں ہوتا — رئیس

خاکِ حسرت لے گئے دلہائے ویراں لے گئے — آپ کے دیوانے ساتھ اپنے بیاباں لے گئے — رشید

بہا کر اشکِ غم تم نے ڈبویا نام رونے کا — عیاںؔ کتنے ہی حصے خشک ہیں اب تک بیاباں میں — عیاں

آج کل ہے نہ گلستاں میں گلستاں کا مزا — نہ بیاباں کو میسّر ہے بیاباں ہونا — شفیق جونپوری

تھی وہ مجنوں کے دم ہی تک رونق — خاک اُڑتی ہے اب بیاباں میں — مجروح

بیاں

نہ ہم کہتے نہ تم سنتے بیاں اس طرز کا ہوتا — فقط آنکھوں ہی آنکھوں میں جو عرضِ مدعا ہوتا

لمحاتِ زندگی مرے کٹتے ہیں کس طرح — اب میں بیان کر نہ سکوں گا حقیقتاً

بیانِ اشک اگر تم سمجھ لیا کرتے — زباں سے ہم نہ کبھی عرضِ مدعا کرتے — بیدی

ان سے چھٹ کر کتابِ اُلفت کا — ایک اُلجھا ہوا بیان ہوں میں

حالِ دل کیوں کر سناؤں میں تجھے اے ہم نفس — درد یہ وہ ہے جو لفظوں میں بیاں ہوتا نہیں

مصرع اول	مصرع ثانی	شاعر
بس اب اے قصہ غم کہنے والے	شکایت ہے انہیں طولِ بیاں سے	
گو آپ نے جواب بُرا ہی دیا دے	مجھ سے بیاں نہ کیجئے عدو کے پیام کو	مومن
سنتا ہے دل سے کون مصیبت کی داستاں	کس سے بیان غم کا پھر افسانہ کیجئے	مؤلف
کُھلی ہے کنجِ قفس میں مری زباں صیاد	میں ماجرائے چمن کیا کروں بیاں صیاد	رند
تم دیکھ لو خود ہاتھ مرے سینے پہ رکھ کر	حالِ دلِ بے تاب بیاں ہو نہیں سکتا	جلیل
اس واسطے کہیں نہ شبِ غم کی سختیاں	ان کو گراں کہیں مرا طولِ بیاں نہ ہو	شاہین بیگم
میرے نالے سے بھی مطلب نہیں ہوتا ظاہر	تیرے چُپ رہنے میں انداز بیاں ہوتا ہے	داغ

بیمار

مصرع اول	مصرع ثانی	شاعر
دیکھ آکے عجب حال ہے اے یار کسی کا	دم توڑ رہا ہے دلِ بیمار کسی کا	تعشق
الٰہی زندگی گیا موت گیا بیمارِ ہجراں کی	پریشاں خواب وہ تعبیر یہ خوابِ پریشاں کی	صفی
خدا کے واسطے بالیں سے اٹھو پونچھ لو آنسو	نہ دیکھی جائیں گی مایوسیاں بیمارِ ہجراں کی	سخی اٹاوی
رخصت ہی کرکے جائیے بیمارِ عشق کو	مہماں ہے کوئی دم کا گھڑی دو گھڑی نہیں	
اقرار شفا کرتے ہو اور کرتے ہو بیمار	بیمار کو دق کرتے ہو اچھا نہیں کرتے	
ہاں نہ آجائے اگر منہ کو کلیجہ تو سہی	تم نے بیمار کو دم توڑتے دیکھا ہی نہیں	جگر
مسیحا جب کرم فرما ہوا پھر پوچھنا کیا ہے	دوا ہو نہ ہو بیمار اچھا ہو ہی جاتا ہے	جلیل
اچھے تم آئے دیکھنے اپنے مریض کو	آنکھیں دکھا کے اور بھی بیمار کر گئے	
کیا دیکھتا ہے نبض ترے انتظار میں	بیمارِ غم کی رُوح مسیحا نکل گئی	شیفتہ
رونے والے سے کہیں ضبطِ فغاں ہوتا ہے	چُپکے چپکے ترے بیمار کراہیں کیونکر	حشر
سچ کہتا ہوں تا حشر میں بیمار رہوں گا	خود ہاتھ سے اپنے مجھے کیوں اس نے دوا دی	جاوید
فتنہ بن جاتی شوخی آہ چشم یار میں	زرد دیکھا حشر ڈھانے کا اسی بیمار میں	قیصر دہلوی
جائیں کہ نبضیں چھوٹ چکیں جینے کی امیدیں ٹوٹ چکیں	بیمار کا وقتِ آخر ہے کچھ سُن جائیں کچھ کہہ جائیں	نثار اٹاوی

بیخودی

	اس میری بے خودی نے ساری خودی کو کھویا	اب میں تو میں نہیں ہوں دراصل تو ہی تو ہے
مجاز	زباں پر بے خودی میں نام اس کا آہی جاتا ہے	اگر پوچھے کوئی یہ کون ہے بتلا نہیں سکتا
سہیل	دیارِ حسن میں اللہ رے وارفتگی دل کی	انہیں سے پوچھتا ہوں بے خودی میں گھر اپنا
منظر	آپ آتے بھی اور چلے بھی گئے	بے خودی میں مجھے خبر نہ ہوئی
ذاخر	پوچھتا آتا ہوں اک اک سے میں اُفسانے بے خودی	کس کا قاتل مجمعِ محشر میں رسوا ہو گیا
رفعت سلطان	عالم بے خودی میں اُن کے حضور	کیا کہیں ہم نے بات کیا کی ہے
غالب	مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو	اک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیئے
"	سرپائے خم پہ چاہیئے ہنگام بیخودی	رُو سوئے قبلہ وقتِ مناجات چاہیئے
رضا	او دل رہ آئے ہیں مجھے کچھ بھی خبر نہیں	اچھی ہے بے خودی بھی مگر اس قدر نہیں
بیخود	بیخودی میں بھی نہیں بھولے اُسے	واہ کیا کہنا ہماری یاد کا
غالب	پھر بیخودی میں بھول گیا راہ کوئے یار	جاتا وگرنہ ایک دن اپنی خبر کو میں

بے قرار

جگر	جان ہی دیدی جگر آج پائے یار پر	عمر بھر کی بے قراری کو قرار آہی گیا
	کر دوں گا بے قرار میں دنیائے حسن کو	جس وقت اپنا سازِ محبت بجاؤں گا
حاذق	صحرا میں ہے قرار نہ ہے کوئے یار میں	کیسا ہے اضطراب دلِ بے قرار میں
فائق	یارب ہو خیر گذرے گی کیونکر شبِ فراق	پہلو میں آج شام سے دل بے قرار ہے
جاوید	دل میں کبھی تو آنکھوں میں رہتے ہو تم کبھی	میں کب ہوں بے قرار تم ہی بے قرار ہو
	ایسے کو تو خدا کی قسم چھوڑنا ہے کفر	تجھ سا حسیں ہو اور نہ دل بے قرار ہو

بے وفا

شارب	رہِ وفا کی نزاکت کو کوئی کیا سمجھے	کبھی کبھی تو ہم اپنے کو بے وفا سمجھے

آتے ہیں مہر منہ کو بنائے خفا سے آج
شاید بگڑ گئی ہے کچھ اس بے وفا سے آج
مہر

بے وفا مجھ کو سوچ کر کہنا
منہ سے نکلی تو پھر پرائی ہے
بیدی سحر

تجربوں نے مجھے بتایا ہے
تم سا دنیا میں بے وفا ہی نہیں
اکمال لکھنوی

کبھی ہے بزم عدو میں کبھی ہے پردے میں
وہ بے وفا نہیں ملتا کبھی وفا کیلئے
وفا

دل میں ہدف بھری ہیں جوانی کی شوخیاں
کیا ہوگا آ گیا جو کسی بے وفا کے ہاتھ
ہدف

دل میں اب تک بسا ہوا تو ہے
کیسے مانوں کہ بے وفا تو ہے
ہار امرتسری

یہ سحر کیا ہے آہ یہ کیسا فریب ہے
دل مانتا نہیں کہ تجھے بے وفا کہوں
بیگانہ

بے وفا سے نباہ کرتا ہوں
زندگی کو تباہ کرتا ہوں
باقی

ایک عالم کو آزما دیکھا
جس کو دیکھا سو بے وفا دیکھا
نوازش

اور کچھ ہم تمہیں کہیں نہ کہیں
بے وفا تو ضرور کہتے ہیں
زار

ضرب المثل ہے ہوتے ہیں معشوق بیوفا
یہ تو تمہارا ذکر نہیں ہے خفا نہ ہو

پان

ہے طریقہ خاکساروں میں یہی مہمان کا
بے تکلف کھائیے بیڑا اٹھا کر پان کا

مسی مالیدہ لب پر پان نے کیا گل کھلایا ہے
سوادِ سنگ موسیٰ میں کیا لعلِ بدخشاں ہیں
واقف

مسی مالیدہ لب پر رنگ پاں ہے
تماشہ ہے تہِ آتش دھواں ہے
آتش

کوئی روئے کوئی پیٹے کوئی اپنا سر دھنے
کھا کے ہر دم پان اُن کو مسکرانا چاہیئے
شہیدی

پان کل کے لئے لگاتے جائیں
یاد اپنی تمہیں دلاتے جائیں
شوق لکھنوی

تو پان کھا کے ہاتھ سے غیروں کے ہے خموش
منہ لال ہو گیا ہے زباں لال تو نہیں
ظہیر دہلوی

ہیں اپنے خون کا بیڑا اٹھاؤں خود کیوں کر
وہ پان دیتے ہیں شوخی سے مسکرا کے مجھے
ریاض

دیکھنا اے ذوق ہوں گے آج پھر لاکھوں کے خون
وہ جماتا ہے لب لعلیں پہ لاکھا پان کا
ذوق

سرخیٔ پاں دیکھ لے زاہد جو دنداں پر ترے
اُٹھ کھڑا ہو ہاتھ سے تسبیح مرجاں چھوڑ کر
"

پانی

شاعر	مصرع اول	مصرع ثانی
	کارِ ذاتی میں ہیں عاجز کارسازانِ جہاں	اپنے منھ کی گرد پانی آپ دھو سکتا نہیں
	آگ جب دل میں لگی آنسو بہانے ہی پڑے	اپنے جلتے گھر کو پانی سے بجھانا ہی پڑا
	رواں ہے جو آنکھوں سے اشکِ گلابی	مرا خونِ دل ہے یہ پانی نہیں ہے
	چشمِ غم کی خوں فشانی اور ہے	گھر گئے ابر سے وہ پانی اور ہے
	کیا بھروسہ ہے زندگانی کا	آدمی بلبلا ہے پانی کا
	نو چھید بپیدا غالب اس پر گلہ ندارد	پانی کا گر ہیوں میں جھجر ملا تو ایسا
صولت	منتشر ہنگامِ گریہ یوں ہوا نے کر دیا	آنسوؤں کا سلسلہ پانی کی چادر ہو گیا
فراق	پڑ گئی حسن کی نگاہِ کرم	شرم سے عشق پانی پانی ہے
عرشی	بحرِ عالم میں جلائے دُرِ دنداں دیکھ کر	آبرو موتی کی پانی ہے مگر پانی نہیں
سائل	تشنہ لب مر گئے ترے عاشق	نہ ملی بوند ایک پانی کی
بہت وجاہت	آگئی ہے عاجزی مجھ کو پسند	آگ تھا پہلے تو اب پانی ہوں میں
نظیر اکبرآبادی	جس قدر بیتا ہو پی لے پانی ان کے ہاتھ سے	آبِ جنت تو بہت ہوگا پہ پانی پھر کہاں
سائل	ساقی کوثر سنا کرتا تھا میں کوثر کا نام	وہ یہی چشمہ ہے تو پلوا ایسے پانی مجھے
ناسخ	ہو تجھے جس چیز کی خواہش دلا وہ ہے مضر	جو کہ مستسقی ہے پانی سے اُسے پرہیز ہے
خاطر	ہو طپش دل میں سوا اور اشک افشانی نہ ہو	اس سے پوچھو جس کا گھر جلتا ہو اور پانی نہ ہو
	سوزشِ دل میں نہیں ہوتی ہے رونے سے کمی	یہ وہ آتش ہے جسے پانی بجھا سکتا نہیں
آرزو	اس نے بھیگے ہوئے بالوں سے جو جھٹکا پانی	جھوم کے آئی گھٹا ٹوٹ کے برسا پانی
چکبست	ذرہ ذرہ ہے مری کشمیر کا مہماں نواز	راہ میں پتھر کے ٹکڑوں نے دیا پانی مجھے
	آگ دل کی بجھتی ہے پانی کے چھینٹوں سے کہیں	شمع روتی ہی رہی پروانہ جل کر رہ گیا
	تیر سے پہلے ذرا مرے دلِ مضطر کو دیکھ	آگ سے آج نکلتا ہوا دیکھا پانی

پتہ

وحشیوں کا ترے اتنا تو پتہ پایا ہے — استخواں ملتے ہیں گوشوں میں بیابانوں کے — رشید

چراغِ لحد تو بھی خاموش ہو جا — پتہ کیوں بتاتا ہے اک بے نشاں کا — سالک

کس پتے سے مجھے محشر میں وہ پہچانیں گے — اتنی مدت میں بھی کیا زخم نہ بھر جائیں گے — جاوید

دل شکستہ لکھو محزوں لکھو دیوانہ لکھو — یہ پتہ ہوگا تو مل جائے گی تحریر مجھے — محزوں امروہوی

جنسِ نایاب کے ہوتے ہیں ہزاروں گاہک — تم پتہ اپنا کسی کو نہ بتانا ہرگز — مجروح

پردہ

تم سمجھتے ہو کہ ہیں پردے بہت سے درمیاں — میں یہ کہتا ہوں کہ ہر پردہ اٹھا سکتا ہوں میں

یہ کیسی حیا ہے یہ کیسا ہے پردہ — کہ چرچا ترا جا بجا ہو رہا ہے — شمیم امروہوی

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں — اکبر زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا — قطعہ — اکبر الہ آبادی

پوچھا جو اُس نے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا — کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

سو مرتبہ دیکھا ہے تمہیں پھر وہی پردہ — پردہ تو ہے اس سے جو نظر باز نیا ہو — اطہر ہاپوڑی

حریمِ ناز پہ رکتے نہیں اے عرش ہم اکثر — حریمِ ناز کا پردہ اٹھا دینا بھی آتا ہے — عرش ملسیانی

نہیں راز ہستی جتانے کے قابل — یہ پردہ نہیں ہے اٹھانے کے قابل — میر مجروح

دل میں آئے ہو آنکھ سے پردہ — شوخ چشمی بھی ہے حجاب بھی ہے

اگر ہم غیر ہیں تو کیوں ہمارے دل میں رہتے ہو — اگر پردہ نشیں ہو تو رہو پردہ نشیں ہو کر — تقی امروہوی

چھپتے ہیں نامحرموں سے وہ مدام — دیکھنے والوں سے کچھ پردہ نہیں — میکش

آخر کو بے نقاب وہ یہ کہہ کے ہو گیا — کس کس سے آج حشر میں پردا کرے کوئی — رضا لکھنوی

خدا کے واسطے زاہد اٹھا پردہ نہ کعبہ کا — کہیں ایسا نہ ہو یاں بھی وہی کافر صنم نکلے — ظفر

پسینہ

نہ ہم سمجھے نہ آپ آئے کہیں سے — پسینہ پونچھیے اپنی جبیں سے — انور دہلوی

درد سعیدی
مرے شعر میں رازِ دل پا گئے
جبیں پر پسینے سے آنے لگے

ہوشیار میرٹھی
تم کو خود حسن کا احساس نہیں ہے لیکن
آئینہ سامنے رکھ دوں تو پسینہ آجائے

ضبط سوزِ غم سے جی گھبرا گیا
اشک روکے تھے پسینہ آگیا

جوہر
اب عطر بھی ملو تو تکلف کی بو کہاں
وہ دن ہوا ہوئے کہ پسینہ گلاب تھا

جاوید
مرتے دم اور اتنا بھی نہ آیا کوئی کام
خیر کچھ دیر تو ماتھے پہ پسینہ ٹھہرا

رضا اکبرآبادی
اللہ برگِ گل پر بوندوں کا یہ قرینہ
جیسے کسی جبیں کے ماتھے پہ ہو پسینہ

پروانہ

حامد
ہم عمر بھر جلے نہ کسی کو خبر ہوئی
دم بھر جلا تھا شہرہ پروانہ ہو گیا

اگر تم شمع محفل بن کے آجاؤ گے محفل میں
تو اپنی آگ میں جلنے کو پروانے بھی آئینگے

لگانا شمع پہ الزام کم نگاہی ہے
خود اپنی آگ میں جلتے رہے ہیں پروانے

آتشِ عشق میں گو جل کے ہوا خاک مگر
نام تو شمع کا روشن ہوا پروانے سے

احسن لکھنوی
رونقِ حسن بغیر مددِ عشق نہیں
زندگی شمع کی وابستہ ہے پروانے سے

داغ
رُخ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اِدھر پروانہ آتا ہے

حامد
آخر کھلا کہ سوز سے ناآشنا ہے شمع
اپنے ہی دل کی آگ سے پروانہ جل گیا

احسن
تابِ نظارہ کہاں دیکھوں جو منہ کا پہ حسین
میں نے تعلیم فنا پائی ہے پروانے سے

جلال
مصیبت عینِ راحت ہے اگر ہو عاشق صادق
کوئی پروانے سے پوچھو کہ جلنے میں مزا کیا ہے

[illegible]
شمع رکھتی ہے اگرچہ جذبۂ سوز و گداز
لیکن اس میں وہ کہاں جو بات پروانے میں ہے

ہیں یہ پروانے کہ جلتے ہیں محبت کے چراغ
آپ ہی بتلائیں کیا یہ رونق محفل نہیں

نظام رامپوری
یہ شمع کی محتاجی توہینِ محبت ہے
جلنا ہے تو جل جا تو اے ہمتِ پروانہ

شوکت
پروانہ فدا شمع پہ بلبل ہے گلوں پر
ہم تم پہ جو مرتے ہیں تو بے جا نہیں کرتے

صفی
ہم ہیں پروانہ مگر شمع تو ہو رات تو ہو
جان دینے کو ہیں موجود کوئی بات تو ہو

چلے جاتے ہیں بڑھ بڑھ کرتے جاتے ہیں گر گر کر — حضورِ شمع پروانوں کی نادانی نہیں جاتی — جگر

پیار

پیار کرنے کا جو خوباں ہم پہ رکھتے ہیں گناہ — اُن سے بھی تو پوچھتے تم اتنے پیارے کیوں ہوئے — میر

خزاں کے دور میں اس پہ بہار آ جائے — تری نگاہ کو جس پر بھی پیار آ جائے

ستم ظاہر، جفا ثابت، مسلّم بے وفا تم ہو — کبھی کو پھر بھی پیار آئے تو کیا سمجھیں کہ کیا تم ہو — میر نثار

کام آخر جذبۂ بے اختیار آ ہی گیا — دل کچھ اس صورت سے تڑپا ان کو پیار آ ہی گیا — جگر

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے — میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا — اقبال

فریبِ عہدِ محبت کی سادگی کی قسم — وہ جھوٹ بول کہ سچ کو بھی پیار آ جائے

وہ پیار جو کہ حقیقت میں پیار ہوتا ہے — وہ زندگی میں فقط ایک بار ہوتا ہے — وزیر

جبر کو اختیار کون کرے — تم سے ظالم کو پیار کون کرے — آغا شاعر

کسے معلوم تھا عشق اس طرح ناچار کرتا ہے — دل اس کو جانتا ہے بے وفا اور پیار کرتا ہے — حشر

عہد تھا اب حشر تک ان سے نہ بولیں گے کبھی — سامنے جب بے وفا آیا تو پیار آ ہی گیا

آئے تھے اُن سے کہنے ان کے ستم کا قصّہ — اس کا علاج کیا ہے اب پیار آ رہا ہے — رسا

تم کو آتا ہے پیار پر غصّہ — ہم کو غصّے پہ پیار آتا ہے — امیر مینائی

دوست ہوتا جو وہ تو کیا ہوتا — دشمنی پر تو پیار آتا ہے

کچھ آج علاجِ دلِ بیمار تو کر لیں — اے جانِ جہاں آؤ ذرا پیار تو کر لیں — اکبر

جب ایسی بے وفائی پر دل اس کو پیار کرتا ہے — الٰہی وہ ستم گر باوفا ہوتا تو کیا ہوتا — حشر

سو سو امید بندھتی ہے اک اک نگاہ پر — مجھ کو نہ ایسے پیار سے دیکھا کرے کوئی — اقبال

پیری

پیری کا تماشہ ہو اگر مدِّ نظر — یارانِ شباب آؤ ہم کو دیکھو — رشید

دیکھو مجھے پوچھنے سے کیا حاصل — پیری وہ ہے جس کی تصویر ہوں میں — ؍؍

رشید — ایسا بھی نہ انقلاب دیکھا ہوگا / کب پیری کی طرح شباب دیکھا ہوگا
کہتا ہوں جو میں کہ تھی جوانی پیری / پیری کہتی ہے خواب دیکھا ہوگا

رشید — طفلی نہ رہی کہ تھی وہ جانے والی / کیا رہتی جوانی تھی مٹانے والی
پیری کو رشید اب غنیمت سمجھو / اب فصل نہیں ہے کوئی آنے والی

تعشق — آئی پیری چھوڑ عشق نوجواں / اے تعشق تجھ کو شرم آتی نہیں

شاد — کدورت سے دل اپنا صاف رکھ اے شاد پیری میں / کہ جس کو منھ دکھانا ہے یہ آئینہ اسی کا ہے
پیری میں طرز عشق جوانی وہی رہا / صورت کے ساتھ دل کا بدلنا محال ہے
اب ہیں پیری کی عبودیت کے دن / بس جوانی کی خدائی ہو چکی

ذوق — وقت پیری شباب کی باتیں / ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں

تمنا — یارب برا ہو پیری خانہ خراب کا / محتاج بال بال ہوا ہے خضاب کا

زاہد — ہم رہے سرمست غفلت صبح پیری آگئی / پڑ کے ایسے سوئے سر پر آفتاب آ ہی گیا

انیس میرٹھی — یہ جھریاں نہیں ہاتھوں میں ضعف پیری نے / چنا ہے جامۂ ہستی کی آستینوں کو

بسمل — کرتے ہیں شکوہ ضعف کا پیری میں ہم عبث / مارے تھے تیر ایسے ہی ہم نے شباب میں

" — پیری میں توبہ کر کے وہاں کے اڑاؤ عیش / یاں کے تو عیش اڑا چکے بسمل شباب میں

جری — عبث ہیں پیری میں عہد شباب کی باتیں / اب اس زمانہ میں کیا یاد اس زمانے کی

مصحفی — نوجوانی کھو کے یوں پیری میں غفلت بڑھ گئی / صبح کو آتی ہے جیسے نیند شب بیدار کو

ناسخ — اس دل کے ہاتھوں چین سے گزرا نہ ایک دن / پیری میں یاد کیا کروں عہد شباب کو

طپش امروہوی — پیری کو اے طپش میں سمجھتا ہوں صبح مرگ / آخر ہوا شباب ہوئے موئے سر سفید

رشید — طفلی تو گئی دور اسے کیا جانیں ہم / پائیں نہ کہیں خاک بھی گر چھانیں ہم
پیری نے یہ حال کر دیا آنکھوں کا / مل جائے جوانی تو نہ پہچانیں ہم

اکبر — پیری آئی ہوئی جوانی رخصت / ساتھ اس کے وہ لطف زندگانی رخصت

پیری میں خم کمر میں نہیں ضعف سے قمرؔ
میں جھک کے ڈھونڈتا ہوں جوانی کدھر گئی
قمر جلالی

جوانی سے زیادہ وقت پیری جوش ہوتا ہے
بھڑکتا ہے چراغ صبح جب خاموش ہوتا ہے

پیمانہ

دیکھا اے ساقی مری ترچھی نگاہوں کا اثر
آپ خود اپنی جگہ سے اُٹھ کے پیمانہ چلا

میری بے صبری جو دیکھی گئی مے خانے میں
دیر تک باتیں ہوئیں شیشہ و پیمانے میں
محزوںؔ امروہوی

خون کھولے تری الفت میں تو بن جائے شراب
دل کا ساغر جو شکستہ ہو تو پیمانہ بنے
رر

دیکھ سکتا ہوں نہ شیشے کو نہ پیمانے کو
آخری دور ہے بھر دے کوئی پیمانے کو
دانشؔ

یوں تو شیشوں میں بھی ساغر میں بھی پیمانے میں ہے
مے مگر وہ ہے جو میرے دل کے پیمانہ میں ہے
ادیبؔ دہلوی

یوں تو ساقی ہر طرح کی تیرے مے خانے میں ہے
وہ بھی تھوڑی سی جو ان آنکھوں کے پیمانے میں ہے
کوثرؔ

یہ مری نیت کی برکت ہے کہ پی لینے کے بعد
جتنی مے خانے میں تھی اتنی ہی پیمانے میں ہے
حنیف لکھنوی

آگیا ہوں تری محفل میں تو بھر دے ساقی
جام و مینا نہ سہی زیست کا پیمانہ سہی
امر لال نبسؔ

دل مرا پھینک کے کہتا ہے وہ مخمور شراب
قدرداں کون ہے ٹوٹے ہوئے پیمانے کا
رضا لکھنوی

پھر ساقی مجھے محرم نہ مے خانے سے
گر پڑے مے نہ اُبل کر ترے مے خانے سے
رر

نگاہِ ناز سے چھلکائیے نہ پیمانے
بہک نہ جائیں کہیں آپ کے یہ دیوانے
جالب امروہوی

پہنچی

تمہارے دستِ نازک کی جو پہنچی ہم نے بھیجی ہے
جو پہنچی تم پہ پہنچی ہو تو لکھ بھیجو کہ پہنچی ہے

پھول

ہے عکس آئینہ میں رُخِ لاجواب کا
پانی میں پھول تیر رہا ہے گلاب کا
جدید لکھنوی

وجودِ غم نہ ہو تو عیش کا ساماں نہیں ہوتا
نہیں روتی جو شبنم پھول بھی خنداں نہیں ہوتا
قاسم شہید

نظمی

پھول تو دو دن بہارِ جانفزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

کسی کی پھول سی صورت مری نگاہ میں ہے
مری نگاہ میں رنگینی بہار نہیں

اکبر میرٹھی

ترے گالوں سے پھر یہ رنگ لایا
طمانچہ پھول کے منہ پر لگا کے

ثاقب لکھنوی

صیاد داغِ دل نہ سمجھنا کہ چلتے وقت
گلشن کے پھول لایا ہوں دو چار دیکھ کر

لالہ چند فلک

سل پہ گھس دینے سے بھی جاتی نہیں چندن کی بُو
پھول کی مٹی میں مل کر بھی مہک جاتی نہیں

مے کش

پھولوں میں وہ کہاں ہے جو کچھ اس میں بات ہے
کیا منہ ملائیں گے کسی غنچہ دہن سے پھول

ناسخ

گویا دلِ افسردۂ عشاق ہیں لے جاں
ہاتھوں میں ترے پھول جو کمھلائے ہوئے ہیں

ادنیٰ یہ شگوفہ ہے مرے داغِ جگر کا
جو پھول ہیں گلزار میں مرجھائے ہوئے ہیں

شفیق جونپوری

ادھر بھی اے بہار آجا یہ آخر کیا قیامت ہے
چمن کے پھول مہکیں اور دل کے پھول مرجھائیں

تجھے ہم دوپہر کی دھوپ میں اے پھول دیکھیں گے
ابھی شبنم کے رونے پر ہنسی معلوم ہوتی ہے

سیماب دہلوی

میری قسمت سے الٰہی پائیں یہ رنگِ قبول
پھول کچھ میں نے چنے ہیں اُن کے دامن کیلئے

یوں نہ انسان کا برگشتہ مقدر ہو جائے
میں اگر پھول اُٹھاؤں تو وہ پتھر ہو جائے

کلی کوئی جہاں پر کھل رہی ہے
وہیں اک پھول بھی مرجھا رہا ہے

تارے

طلعت مرادآبادی

افشاں کہاں ہے گیسوئے مشکیں میں یار کے
تارے چمک رہے ہیں یہ شب ہائے تار کے

تو ہی بتلا دے صبح کے تارے
کیسے گذری ہے شام تنہائی

آرزو

سوچ کل کا کس لئے ہونا تھا جو وہ ہو چکا
تارے ڈوبے دھوپ نکلی سونے والا سو چکا

ریاض

خیالِ شبِ غم سے گھبرا رہے ہیں
ہمیں دن کو تارے نظر آ رہے ہیں

چُن کے افشاں رات کو وہ اور پیارے ہو گئے
جتنے ذرے تھے مری آنکھوں کے تارے ہو گئے

نسیم امروہوی

جو صبح ہو تو بتاؤں میں انتظار کی حد
ابھی تو رات کے تاروں کو گن رہا ہوں میں

ٹکٹکی باندھے کب سے تکتے ہیں
تارے مہر کا رُکے ہیں شیدائی

نظر میں تمہارے نظارے رہیں گے — فلک پر یوں ہی چاند تارے رہیں گے — ضیا اسعدی

وہیں سے رات کو ظلمت ملی ہے — چمک تارے نے پائی ہے جہاں سے — اقبال

ہائے وہ تاریکیٔ غم ہائے ہجراں کیا کہوں — دن میں آنکھوں کو نظر آتے ہیں تارے بار بار — شفیق

کر دیا اندھیر تم نے چن کے افشاں مانگ میں — آسماں پر شرم سے نکلے نہ تارے رات کو — جدید لکھنو

کچھ نہ کچھ گورِ غریباں پر بھی ساماں ہو گیا — چار تارے چرخ سے ٹوٹے چراغاں ہو گیا — مصحفی

تبسّم

کہا میں نے کتنا ہے گل کا ثبات — کلی نے یہ سن کر تبسم کیا

عجب حوصلہ ہم نے غنچے کا دیکھا — تبسم پہ ساری جوانی لٹا دی

کانٹوں سے بھی میں کھیل چکا ہوں مگر اب تو — پھولوں کا تبسم بھی گوارا نہیں ہوتا — ناصح رضوی

اب ان ہی پر یہ ترا طنز و تبسم کیا خوب — زندگی کو جو لٹا کر ترے در تک پہنچے — وقار بی اے

تبسم پر کسی کے مرنے والے — اسی کا نام مرگِ ناگہاں ہے — جالب دہلوی

جہاں میں ہوں وہاں افسردگی کا ذکر ہی کیا ہے — وہاں ہر خار معروفِ تبسم ہے جہاں میں ہوں — اطہر ہاپوڑی

میں بھی حیران ہوں اے داغ کہ یہ بات ہے کیا — وعدہ وہ کرتے ہیں آتا ہے تبسم مجھ کو — داغ

تبسم سے گلوں تک کو مسرت بخش دی تم نے — مرے دل کی کلی مرجھا گئی کیا تم نہ آؤ گے — بیدی سحر

تدبیر

کچھ تو ہو تلخیٔ غم کی تدبیر — لبِ شیریں کی حکایت ہی سہی — مجروح

تدبیر نہ کرنا فائدہ تدبیر میں کیا ہے — کچھ یہ بھی خبر ہے تری تقدیر میں کیا ہے — ذوق

جان دے کر ختم کی زحمت دلِ ناکام کی — بس یہی اک آخری تدبیر تھی آرام کی — اکمال

مر گیا تیرے ہجر کا بیمار — کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی

آپ لیتے جائیے یا دل کے ٹکڑے جوڑ دے — میری خاطر جمع ہو جائے کسی تدبیر سے — رشید

خوشامد اور بری دل سے دل دلگیر اچھی ہے — کسی کے دل میں گھر کرنے کی یہ تدبیر اچھی ہے — قیصر دہلوی

بیخودؔ — صبر کیجئے ابھی بیخود نہیں چھپا ہے گا / عشق میں کام بنا کرتے ہیں تدبیر کے ساتھ

شبرؔ — تقدیر کے لکھے پہ کسی کی نظر نہیں / ہر اک بشر کو ناز ہے تدبیر کی طرف

ظفرؔ — تدبیر لوگ کرتے ہیں کیا کیا پہ اے ظفر / چلتی نہیں کسی کی مقدر کے سامنے

جدیدؔ — تدبیر اس طرح کی بتائے مجھے کوئی / دم بھر شب فراق میں آرام پائے دل

تربت

شگفتہؔ — مری وفاؤں کو بس دل ہی تک کھو دو / میں جی اٹھوں گا نہ تربت گلے لگانے سے

ذاکرہؔ — لرز جاتی ہے اب تک زلزلوں کے نام سے / جو بھولے سے کبھی کروٹ بدل لیتا ہوں تربت میں

مجازؔ — یہ تربت ہے امیر کارواں کی / یہ منزل بھی ہے شمع رہ گذر بھی

اخترؔ — مانا نہیں اس لئے کہ یہ عاشق ہے ہمارا / جب تک کسی ناشاد کی تربت نہیں دیکھی

حاذقؔ — برائے فاتحہ وہ گل بدن ہر روز آتا ہے / دل دشمن میں اک کانٹا لگا ہے میری تربت کا

جدیدؔ — غیر پامال کریں چاہتے ہیں میں دیکھوں / در پہ اس واسطے تربت مری بنوائی ہے

میرؔ — مت تربت میر کو مٹاؤ / رہنے دو غریب کا نشاں تو

انیسؔ — گذر ہوا جو کبھی ان کا میری تربت پر / تو خاک گور سے دامن بچا بچا کے چلے

عبرت نے بے کسی کا نشاں بھی مٹا دیا / اڑتی تھی جس پہ خاک وہ تربت نہیں رہی

جا کے جب تازہ مزاروں پہ چراغاں کرنا / ایک ٹوٹی ہوئی تربت پہ بھی احساں کرنا

عیاںؔ — ذرا جذب محبت رہبری حسن ہو جائے / مری تربت انہیں ملتی نہیں گور غریباں میں

شوکتؔ — نہ بنواتا یہاں کوئی مری تربت تو اچھا تھا / یہ دھبہ رہ گیا شوکت زمین کوئے جاناں پر

فضلؔ — چراغوں میں اداسی ہے گلوں میں رنگ حسرت ہے / کئی بار اٹھ کے تم بیٹھے جہاں وہ کس کی تربت ہے

جگرؔ — کپکپی سی ہے بدن میں زرد چہرہ دل اداس / چپ کھڑے ہیں دور میری خاک تربت دیکھ کر

نشترؔ — بھرے ہیں آنکھوں میں آنسو اداس بیٹھے ہو / یہ کس غریب کی تربت کے پاس بیٹھے ہو

شہیدؔ — لئے پھرتی ہے بلبل چونچ میں گل / شہید ناز کی تربت کہاں ہے

تصور

تصور کی دنیا کا کیا پوچھنا ہے
ادھر آنکھ جھپکی ادھر آپ آئے — شاکر جلوری

یاں کے آنے میں اگر آپکی رسوائی ہے
کیا تصور میں بھی ملنے کی قسم کھائی ہے

اک شے ہے جو اُن کے بھی تصور میں نہیں ہے
وہ اُن کا تصوّر ہے جو اُن سے بھی حسیں ہے — رئیس امروہوی

گلشن میں رفتہ رفتہ بہار آئے جس طرح
میرے تصورات پہ یوں چھا رہے ہو تم — ماجد

کون دیتا ہے تصور میں تسلی مجھ کو
تم تو ہو مجھ سے بہت دور تمہیں کیا معلوم — فضل

نہ میں خاموش بیٹھا ہوں نہ میں بے کار بیٹھا ہوں
تصور میں بلائیں لے رہا ہوں روئے جاناں کی — صبا اکبرآبادی

گم نیند کی آغوش میں ہونے نہیں دیتا
راتوں کو تصور ترا سونے نہیں دیتا

تڑپتا مجھے چھوڑ کر جانے والے
شب غم تصور میں آنا پڑے گا — گرامی

پھر آرہی ہے آہ اُسی بے وفا کی یاد
پھر لذّتِ تصورِ جاناں ہے آج کل — طاہرہ

تصور سے بچ کر کہاں جا سکو گے
تم اپنے کو مجھ سے چھپا کر تو دیکھو — ساجد

کہتے ہیں تصور میں وہ ماضی کی کہانی
کس روز حیا مجھ کو رلایا نہیں کرتے — تمنا

دل چاہتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے — غالب

اک ترے رنگِ رُخ کے تصور نے بارہا
فصلِ خزاں کو فصلِ بہاراں بنا دیا — مہر

نکلتے کم ہیں اب ناسخ گھر سے
تصور میں کوئی پردہ نشیں ہے — ناسخ

ہم جو کھو جاتے ہیں دنیائے تصور میں کبھی
ان کی تصویر دل سے کاشانہ سجا ہوتا ہے — رشک

ہائے پوچھو نہ تصور کے مزے
گود میں تم کو لئے بیٹھے ہیں — اقبال

حسن دراصل کوئی چیز نہیں ہو سکتا بر
عشق خود اپنے تصور کو حسیں کہتا ہے — داغ

تصور عرش پر ہے اور سر ہے پائے ساقی پر
غرض کچھ اور دھن میں اس گھڑی بیخود نشے میں ہیں — انشا

تصویر

تصویر کیوں دکھائیں تمہیں نام کیوں بتائیں
لائے ہیں ہم کہاں سے کسی بے وفا کی ہے — بیخود دہلوی

دمِ آخر ہے دَم گھٹتا ہے آئینہ توڑے آؤ — ہم اپنی زندگی کی آخری تصویر دیکھیں گے

آج ہم روئے بہت دیکھ کے تصویرِ شباب — یاد تازہ ہوئی بھولے ہوئے افسانوں کی

اتنا بدلا ہوں کہ اپنوں کو بھی شک ہوتا ہے — آج پہچان رہی ہے مری تصویر مجھے

یوں کہا مانی سے میں نے کہ زو فنوں — ق — کھینچ دے تصویر ایسی نکتہ داں

یعنی وہ خنجر بکف ہو اور میں ہوں سر نگوں — یعنی وہ شمشیر زن ہو میں ہوں اس کا مدح خواں

ایسی صورت کوئی صورت گر سے بن آئی نہیں — اس لئے تصویرِ جاناں ہم نے کھنچوائی نہیں

کوثر

اے دل اے دل مجھ کو خود اپنا نشاں ملتا نہیں — آخر آخر آپ کی تصویر بن جاتا ہوں میں

شکیل

آپ نے تصویر بھیجی شکریہ ہے — دل کے بہلانے کی صورت ہو گئی

کھنچ گئی ان کے حسن کی تصویر — اے غمِ انتظار کیا کہنا

اس سے اچھی اس سے بہتر اور بھی تصویر ہے — پونچھ لیں گے آج ان کے سامنے بہزاد سے

حسرت

کھینچ دیتا ہے بڑک کر آنکھ سے تصویر دو — میرا ہر اشکِ محبت مانی و بہزاد ہے

ایک طرف رنگینیاں ہیں اک طرف ویرانیاں — بزمِ عالم کا مرقع دوست کی تصویر ہے

جاوید

اس قدر چپ چپ نہ دیکھا تھا کبھی — دیکھ کر تصویر کو پیار آ گیا

مر مر کے بنائی ہے جو تصویرِ محبت — یہ اپنے ہی ہاتھوں سے مٹائی نہیں جاتی

اب مجھے بھی اپنی آرائش کا ہوتا ہے خیال — عکس شاید پڑ گیا مجھ پر تری تصویر کا

سعید انصاری

کس قدر پُر کیف اور کس قدر دلگیر ہے — آنکھ تیری نرگسِ بے باک کی تصویر ہے

مؤلف

آپ کی یادگار اک تصویر — اب وہی حاصلِ نظارا ہے

دل بہلنے کی یہی شکل ہے بے تابی میں — باتیں کر لیتا ہوں اکثر تری تصویر کے ساتھ

میری آنکھوں سے یہ نقشہ نہیں دیکھا جاتا — تری تصویر پہ کھنچ غیر کی تصویر کے ساتھ

کیا بناتا تھا مصور کو بنا کیا آخر — اپنی بگڑی ہوئی تصویر پہ خنداں ہوں میں

آتش

کریں گے بہزاد اور مانی نہ پھر تمنا مصوری کی — جو تری تصویر کھینچ لیں گے تو ہاتھ اپنے قلم کریں گے

میری ہستی کو مخاطب کرکے کہتی ہے اجل
اب تری تصویر کا رخ دوسرا ہو جائیگا — محسن

میرے ہر شعر میں اے حشر ہے مستی و رنگینی
غزل میری شباب یار کی تصویر ہوتی ہے — آغا حشر

عکس ہے میرے دل جذبات کا تحریر میں
دیکھ لیں اہل نظر مجھ کو مری تصویر میں

اے مصور ترے ہاتھوں کی بلائیں لے لوں
کیسی تصویر بنائی مرے بہلانے کو — منظر

تیرا ہی ذکر کیا کرتا ہے ہم سے کوئی
دل میں تصویر ہے تصویر میں گویائی ہے — شاعر

میرے دل میں تری زلفوں کی پریشانی ہے
تیری تصویر سے پیدا مری حیرانی ہے — اقبال

جس کی ہستی ہے سبق آموزِ دنیائے حیات
میں وہی تصویرِ عبرت ہوں زمانے کیلئے — کوثر

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا — غالب

دیکھ کے وہ تصویر کچھ کھوئے ہوئے سے کہتے ہیں
ہاں یاد تو کچھ آتا ہے اس شکل کا اک دیوانہ تھا — بیدم

تازہ تر ہے عشق تاب دید ابھی تیری نہیں
میں ابھی آنکھیں لڑاتا ہوں تری تصویر سے — عصمت

خموشی نے تو کر دی اور شانِ دلبری پیدا
تری تصویر تجھ سے بھی حسیں معلوم ہوتی ہے — وثیق

اس لئے وہ دیکھتے ہیں دور سے میری شبیہ
وہم ہے بوسہ نہ لے لے پاس سے تصویر بھی — آصف ولی جیراؔ

دیکھتا ہوں جس کو وہ صورت سے ملتا ہے تری
تیرا ہی نقشہ نظر آتا ہے ہر تصویر میں — میکش

دیکھنے سے دم کبھی نکلا کبھی جان آگئی
یہ نرالا سحر ہے ظالم تری تصویر کا — "

ہلال دیکھ چکا چاند کو بھی دیکھ چکا
وہ بچپنے کی ہے تصویر یہ جوانی کی — باوید

صفحۂ دہر پہ صورت گرِ قدرت نے ابھر
اس کی تصویر وہ کھینچی کہ قلم توڑ دیا — امیر مینائی

آجائے اگر ہاتھ تو کیا چین سے رہیئے
سینے سے لگائے تری تصویر ہمیشہ — ذوقی

اپنی تصویر پہ نازاں ہو تمہارا کیا ہے
آنکھ نرگس کی دہن غنچہ کا حیرت میری — داغ

بنے ہوئے ہیں وہ محفل میں صورتِ تصویر
ہر ایک کو یہ گماں ہے ادھر کو دیکھتے ہیں — داغ

تقدیر

میں یہی پوچھتا پھرتا ہوں زمانے بھر سے
جن کی تقدیر بگڑ جاتی ہے کیا کرتے ہیں — طپش باہری

بیٹھے ہیں شرط کر کے ترے آستاں سے ہم
تقدیر کو بدل کے اٹھیں گے یہاں سے ہم

مجھ کو تم سے کوئی ملال نہیں
میری تقدیر میں وصال نہیں

غالب — تم سے بے جا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلہ
اس میں کچھ شائبۂ خوبیٔ تقدیر بھی تھا

[illegible] — انجام محبت کی روداد بس اتنی ہے
معشوق کے پردے میں تقدیر نظر آئی

جلال — نہ بنے روٹھ کے شب کو کسی تدبیر کے ساتھ
وہ بھی بگڑے رہے بگڑی ہوئی تقدیر کے ساتھ

بیخود — جس میں کوشش ہی سوا کام بگڑتا ہے وہی
دشمنی ہے مری تقدیر کو تدبیر کے ساتھ

میں جدھر جاتا ہوں تقدیر بھی کہتی ہے
تو امیدیں لئے آتا ہے جہاں کچھ بھی نہیں

جاوید — جب توقف کر کے یہ لکھا کہ مشکل ہے وصال
رہ گیا منہ دیکھ کے میں کاتب تقدیر کا

جدید — ہو خفا ناحق چلے آؤ گھڑی بھر کے لئے
تم بنا جاؤ مری بگڑی ہوئی تقدیر کو

رسا — ان کی یہ خوبی اخلاق کہ وعدہ تو کیا
میری یہ شومئی تقدیر کہ ایفا نہ ہوا

تکیہ

کس قدر خوش نصیب ہے تکیہ
اُن کے رُخ کے قریب ہے تکیہ

آتش — فرش گل بستر تھا اپنا خاک پر سوتے ہیں اب
خشت زیر سر نہیں یا تکیہ تھا زانوئے دوست

تعشق — شب وصال وہ سر جس پہ رکھے سوئے تھے
تڑپ رہا ہوں وہ تکیہ گلے لگائے ہوئے

داغ — جو سویا بھی تو یوں سویا بت عیار پہلو میں
کہ رکھ کر شب کو تکیہ کھینچ لی دیوار پہلو میں

انیس — آغوش لحد میں جب کہ سونا ہوگا
جز خاک نہ تکیہ نہ بچھونا ہوگا

امانت — راحت سے سروکار نہیں اہل فنا کو
تکیہ نہیں دیکھا کسی مرنے کے سرہانے

مشتاق — ہوں میں قانع مجھے کیا مسند شاہی سے غرض
اپنے بستر پہ فقیری میں ہے تکیہ مجھ کو

شفق عمادپوری — تکیہ کو کیوں نصیب نہوں سربلندیاں
حضرت نے فاطمہؓ کو دیا تھا جہیز میں

اے شفق کس کو خبر اس کی ہے کل کیا ہوگا
آج سو لو کسی بستر پہ لگا کر تکیہ

آرزو — مانا نوجوانی ہے مگر اس طرح سوتے ہیں
ارے او بے خبر تکیے گرے جاتے ہیں بستر سے

تل

گر سیہ بخت ہی ہونا تھا نصیبوں میں مرے — زلف ہوتا ترے رخسار پہ یا تل ہوتا — ذوق

لوگ کہتے ہیں کہ رخسار پہ تل ہیں ان کے — میں تو کہتا ہوں کہ دل پہ سیہی لوٹنے کا — رؤف

کلکِ قدرت نے دیئے ہیں نکتہ ہائے انتخاب — گورے گورے رخ پہ حامد کالے کالے تل کہاں — حامد

لگا دیا ہے خدا نے اور یہ اک چاند عارض پر — تمہارا حسن کامل ہو گیا ہے ماہرو تل سے — حاذق

دیکھ چھوٹوں کو ہے اللہ بڑائی دیتا — آسماں آنکھ کے تل میں ہے دکھائی دیتا — ذوق

واہ ری دل چسپیِ رخسارِ یار — آنکھ کی پتلی کا تل واں جم رہا — ظہیر

انہیں منظور تھا جو پھانسنا اس طائرِ دل کا — بچھا کر دامِ گیسو رخ پہ دانہ رکھ لیا تل کا — شبیر خاں

تلوار

اپنے تو سر کا مجھے کچھ غم نہیں — خم نہ پڑ جائے تری تلوار میں — تعشق

شب ہو گئی تلوار کے سجوانے میں تم کو — رکھا ہے کفن صبح سے تیار کسی کا — ثاقب لکھنوی

اب دھر روشناس وفا و جفا ہوا — میرے گلے پہ آپ کی تلوار دیکھ کر

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا — لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں — غالب

تلوار اس ادا سے کوئی باندھتا بھی ہے — دنیا یہ کہہ رہی ہے کہ تقصیر ہو گئی — عباس

گر دے مجھ کو اے شوقِ شہادت ان کے قدموں میں — بہت چھوٹی سی ہے تلوار کمسن میرا قاتل ہے — بیاں

لب تشنۂ وصال کا اللہ رے انتظار — بوسے گلوئے خشک کے تلوار نے لئے — اثر

تلوار کھینچتے ہو عبث بات بات پر — اک ہاتھ چھوڑ دو کہیں قصہ تمام ہو — یوسف

سرمہ بھی کوئی چیز تھی ڈرنے کی اے رفیق — لیکن کسی کی آنکھ میں تلوار ہو گیا — رفیق

وہ آئے قتل کرنے تو سر کو جھکا لیا — جوہر دکھائے میں نے بھی تلوار دیکھ کر — حاذق

آئے کہیں نہ موج کلائی میں آپ کی — تلوار کو اٹھایئے سرکار دیکھ کر — طارق

ان تیوروں پہ کیوں نہ ہو سو جان سے نثار — وہ مجھ کو دیکھتے ہیں جو تلوار دیکھ کر — محشر

تماشہ

لو میرے دم کے ساتھ تماشہ ہی ختم ہے
وہ سیر کیا کریں گے جو بسمل نہیں رہا — حامد

کیسے تڑپو گے وہ کہتے ہیں رؤف
یہ تماشہ دیکھ کر جائیں گے ہم — رؤف

اے عشق جنوں پرور یہ کون سی منزل ہے
اب خود ہی تماشہ ہوں اور خود ہی تماشائی

اڑاتے ہیں مرے غم کی ہنسی تیری جہاں والے
تماشہ دیکھ لے تو بھی تماشہ دیکھنے والے

قادری آج ان کی محفل میں
رہ گئے بن کے اک تماشہ ہم — قادری

تم نے دیکھا ہے کبھی گھر کو بدلتے ہوئے رنگ
آؤ دیکھو تو تماشہ مرے غم خانے کا — مومن

ابھی غم ہے ابھی شادی ابھی رونا ابھی ہنسنا
تماشہ دید کے قابل ہے اس دنیائے فانی کا — بیخود

جمع کیوں کرتے ہو رقیبوں کو
اک تماشہ ہوا گلہ نہ ہوا — غالب

تو جانِ تماشہ ہے میں وقفِ تماشہ ہوں
کیا خوب تماشہ ہے تو کون ہے میں کیا ہوں

ٹکڑے کریں گے خود ہی دل مبتلا کے ہم
جائیں گے دہر کو یہ تماشا دکھا کے ہم — ہادی

بدل کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں — غالب

مری آتش دل تماشہ ہے اُن کا
لگادی ، بجھادی ، بجھادی لگادی — رہبر

سنا ہے حشر کے میدان میں سارے حسیں ہوں گے
الٰہی ہم بھی دیکھیں گے تماشہ تیری قدرت کا — رؤف

وہ بے نقاب آئے بھی رہبر مگر ہمیں
ایسے تھے بدحواس تماشا نہ کر سکے — رہبر

نظر اُٹھانے کی جلاد نے نہ فرصت دی
نہ دیکھا ہیں نے تماشہ قضا کے آنے کا — ناز

رات دن زیرِ زمیں لوگ چلے جاتے ہیں
نہیں معلوم تہِ خاک تماشہ کیا ہے

جان دی گو تڑپ کے پر تم کو
اک تماشہ دکھا دیا ہم نے

لوگ دوڑے ہوئے مقتل کو چلے جاتے ہیں
قتل ہم ہوں گے وہاں اور تماشہ کیا ہے — وصفی

مرتے دم دیکھیں جو میری پتلیاں پھرتی ہوئی
بولے دیکھے ہیں تماشے ایسے اکثر سینکڑوں — سجادی

مہر سے مٹنے کا تماشہ دیکھنے کی چیز تھی
کیا بتاؤں ان کا میرا سامنا کیونکر ہوا — محی طرہو / اقبال

جس کو دیکھو مری بالیں سے نہیں ہٹتا ہے — دم نکلتا نہ ہوا کوئی تماشہ ٹھہرا — جاوید
تم اُٹھ جاؤ بالیں سے میں نزع میں ہوں — بُرا وقت ہے یہ تماشہ نہیں ہے — رضا لکھنوی

تمنا

شائستہ عذرِ تمنا نہ کیجیے — میری نگاہ سے مجھے دیکھا نہ کیجیے — جگر
رعنائی خیال کو رسوا نہ کیجیے — ممکن بھی ہو تو عرض تمنا نہ کیجیے
نام وصال سنتے ہی آنسو نکل پڑے — اے دوستو ہماری تمنا کچھ اور ہے — ہمدم
باقی ابھی ہے ترک تمنا کی آرزو — کیوں کر کہوں کہ کوئی تمنا نہیں مجھے — اسیر لکھنوی
وہ پوچھیں بھی تو ہم ان سے کہیں کیا — تمنا سے دل ناکام کیا ہے — رفعت سلطان
تمناؤں میں اُلجھایا گیا ہوں — کھلونے دیکے بہلایا گیا ہوں — شاد
اب نہیں اس کے سوا کوئی تمنا نجمی — جس کے ہم ہو گئے وہ کاش ہمارا ہو جائے — نجمی
اگر یہ جانتے چن چن کے ہم کو توڑیں گے — تو گل کبھی نہ تمنائے رنگ و بو کرتے — ذوق
جب تک ملے نہ تھے تو جدائی کا تھا ملال — اب یہ ملال ہے کہ تمنا نکل گئی
تمنا تھی تو بس یہ تھی تمنا آخری اپنی — کہ وہ ساحل پہ ہوتے اور کشتی ڈوبتی اپنی
لیے دعدے ہزاروں ان سے ہم نے اس تمنا پر — کہ صدہا جھوٹ میں اک آدھ سچا ہو ہی جاتا ہے — اکبر میرٹھی
خود دار ہوں کچھ ان سے تقاضا نہ کرونگا — کیا ذکر تقاضا میں تمنا نہ کروں گا — امین
باغباں مجھ کو جو مل جائے تو اتنا پوچھوں — کہ کوئی نخل تمنا بھی ہرا ہوتا ہے — شاد بزمی
اپنا یوں دور سے آآ کے دکھانا جو بن — اور پھر پوچھنا مجھ سے کہ تمنا کیا ہے — مجروح
ہر جلوہ بے حجاب ہے خود اک دعوت نگاہ — کیا کیجیے جو تیری تمنا نہ کیجیے — جگر

تنہائی

ہے ہجوم نالہ و فریاد و آہ — بزم سے کچھ کم ہے تنہائی مری — نساخ
تم ذرا چھپ کے سنو اس وقت فریاد شفیق — شب کی تنہائی میں جب تم کو پکارا بار بار — شفیق جونپوری
آؤ اب کون باعثِ رسوائی ہے — کس سے شرماتے ہو میں ہوں شبِ تنہائی ہے — جدید لکھنوی
نام جس کا شب گور غریباں میں ہے مشہور — اے عزیزو وہ ہماری شبِ تنہائی ہے — مشتاق
بھیج دیتا ہے خیال اپنا عوض اپنے ہمدم — کس قدر یار کو غم ہے مری تنہائی کا — مصحفی
منظر گور غریباں دیکھنے آتے ہیں وہ — لطف تنہائی میسر آج ویرانے میں ہے — مولف
رنج تنہائی سہی لیکن بہل جاتا ہے دل — کچھ تمہاری یاد سے کچھ نالہ و فریاد سے — محزون
عشق کی دیوانگی سے رنج تنہائی مٹا — جس طرف جاتے ہیں دنیا بھر ہمارے ساتھ ہے — محشر

توبہ

توبہ سو بار کی اور پھر نہ نبھائی توبہ — ہیں وہ توبہ شکن ہوں کہ الٰہی توبہ
بڑی مشکل سے ٹوٹی پھر بھی ٹوٹی توبہ اے زاہد — شکستِ سنگ کا الزام سب شیشے پہ دھرتے ہیں — نظم طباطبائی

شکوہ درد و غم ارے توبہ

مجروح
میری ٹوٹی ہوئی توبہ کے ٹکڑے
کہ اس کو جوڑ کر میں توڑ ڈالوں

جلیل
بات ساقی کی نہ ٹالی جائے گی
ہر گنہ سے توبہ کر لی جب جوانی ہو چکی

داغ
ہائے خالی ہو گیا جام شراب
اشک اور ان حسین آنکھوں میں

حیات
توبہ کر لی ہے مے ناب سے لیکن واعظ
جی میں آیا ہے کہ توبہ ابھی ساقی توڑ دوں

شکیل
یہ ٹوٹے گی ہوائے گل سے واعظ
الٰہی کیسی یہ ہل چل پڑی ہے بادہ خواروں میں

شاد
میں توبہ تو کرتا ہوں واعظ مگر

مجروح
حسن مغرور شہر مسار ہے آج
کوئی لا دے در پیر مغاں سے

میکش
پھر اک جام شراب ارغواں سے
کر کے توبہ توڑ ڈالی جائے گی

حمیدی
زاہد جنت میں جانا تم سے کوئی سیکھ جائے
اور در توبہ ابھی تک باز ہے
توبہ توبہ کیسے گوارا ہے
مفت مل جائے تو اب بھی نہیں انکار مجھے
کتنا ستھرا آج مجمع تیرے میخانے میں ہے
مری توبہ کو کیا نسبت وضو سے
جگہ توبہ کو بھی ملتی نہیں پرہیزگاروں میں
اُمنڈ کر جو ابر بہار آ گیا

تیر

سیماب اکبر آبادی
سلامی زخم نوک تیر کب شایانِ اصغر تھا
تیرِ مژگاں وہ ہے جس سے دل نشانہ ہو گیا

شباب
کیوں نہ ٹھہریں ہدفِ ناوکِ بیداد کہ ہم
ناحق نشانہ باندھ کے قاتل ٹھہر گیا

غالب
ترچھی نظروں سے نہ دیکھو عاشقِ دلگیر کو
میرے سینے میں عجب رنگ کا جلوہ دیکھا

نذیر
بڑھاپا چرخ کا تیری جوانی دونوں قاتل ہیں
لذت تری اے تیر نظر ڈھونڈھ رہا ہوں

حامد
ابھی معصوم خود ہی تیرِ قاتل کی برابر تھا
جس پہ قربان جاں ہوئی وہ ہی کماں ابروئے دوست
خود اُٹھا لاتے ہیں جو تیر خطا ہوتا ہے
کہہ دو لگائیں تیر مرا دل ٹھہر گیا
کیسے تیر انداز ہو سیدھا تو کر لو تیر کو
پھر نہ نکلے جو ترے تیر جگر تک پہونچے
ستم گر تو ہوا ہے تیر بن کر وہ کماں ہو کر
بنے چلن ہوں ناوک میں جگر ڈھونڈھ رہا ہوں

ترچھی نظریں ہوئی جاتی ہیں الٰہی توبہ   دیکھتے دیکھتے وہ تیر خطا ہوتا ہے   فنا
دوستو ہیں نگۂ ناز کے روزن دل میں   ورنہ برچھی سے ہیں زخمی نہ کسی تیر سے ہم
دلوں پر سینکڑوں سیدھے ترے جوبن کے بیٹھے ہیں   کلیجوں پر ہزاروں تیر اس چتون کے بیٹھے ہیں   امیر
ارے تم نے زخمی کیا دل ہمارا   بڑا تیر مارا بڑا تیر مارا
جتنی بھی کھینچئے کماں بڑھتا ہے زور تیر کا   مجھ سے نیاز مند کو آپ سا بے نیاز ہو   جوش
اللہ جانے اِس نگہ شرمسار میں   کیا چیز تھی جو تیر سی دل میں اُتر گئی   عبدالحی صدیق
ترچھی نظر سے طائرِ دل ہو چکا شکار   جب تیر کج پڑیگا اُڑیگا نشانہ کیا
بسملوں کی اپنے کچھ پہچان رکھنا تھی انہیں   اس لئے وہ نام رکھ دیتے ہیں اپنا تیر پر   جوہر
ایک دم بھی اپنے پہلو سے جدا کرتا نہیں   کس حفاظت سے مرے دل میں تمہارا تیر ہے   جدید لکھنوی
کوئی اب مجرم نہیں دونوں برابر ہو گئے   تم ہمیں گھورا کئے اور ہم تمہارے تیر کو   رضا
نکالوں کس طرح سینے سے اپنے تیرِ جاناں کو   نہ پیکاں دل کو چھوڑے ہے نہ دل چھوڑے ہے پیکاں کو   ذوق

تیغ

آج واں تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں میں   عذر میرے قتل کرنے میں وہ اب لائیں گے کیا   غالب
تیغ رکھ رکھ کے گلے سے وہ ہٹا لیتا ہے   یہ لگاوٹ تری بھاتی نہیں جلاد مجھے
چلی تھی تیغ بل کھاتی ہوئی زخم آئے ہیں ترچھے   نہ بول اُٹھے کوئی یارب کہ بانکا اس کا قاتل ہے
قتل کیونکر ہوتے ہیں تیغِ نگاہ ناز سے   کوئی بھی سی آئی ڈی واقف نہیں اس راز سے   ظریف
اگر ہو امتحانِ تیغ منظور   تو بسم اللہ یہاں حاضر ہے سر تک   نساخ
تمہاری تیغ کا منھ چڑھ کے لے لیا بوسہ   کبھی کسی سے نہ ہم دب کے بانکپن میں رہے   داغ

جام

گل کو چمن میں شاخ پہ اتنا نہیں غرور   کرتا ہے تیرے ہاتھ پہ جو کچھ کہ جام ناز   سودا
میں تری مست نظر کا ہوں دعا گو ساقی   صدقہ آنکھوں کا کوئی جام ملے گا کہ نہیں   اکبر

ہم نے ٹھکرا دیئے سب شیشہ و ساغر ساقی
تیری آنکھوں کا اشارا ہے کہ جام اور بھی ہیں
سراج لکھنوی

ساقی کا یہ احسان نہ اٹھا کبھی ہم سے
اچھا ہوا ہم تک جو کوئی جام نہ آیا
حامد

ساغروں پر ہے ترے پھر اگر اے ساقی
پینے والوں کے تصور میں تو جام اور بھی ہیں
سراج لکھنوی

ساقی گئی بہار رہی دل میں یہ ہوس
تو منتوں سے جام دے اور میں کہوں کہ بس
سودا

ساقی ترا سو مرتبہ جب نام لیا ہے
تب جا کے کہیں ہاتھ میں اک جام لیا ہے
وفا

ساقیا اک جہان پی کے گیا
ہمیں اب تک بھی کوئی جام نہیں
اکرام شبنم

دستِ ساقی سے جام لیتا ہوں
عقل سے انتقام لیتا ہوں
مہدی سحر

روک دے گردشِ زمانہ کو
تیرے ہاتھوں میں جام ہے ساقی
محسن

اِک شکستہ جام ہو کر رہ گئی
زندگی ناکام ہو کر رہ گئی
مسلم

یوں ہی بنے تھے ساقیٔ محفل
جام دیا تو وہ بھی خالی
راز

اِک نگاہِ لطف پر وار صد حیاتِ جاوداں
ساقیا میرا بھی اک ٹوٹا ہوا سا جام ہے
طپش

توبہ کر بیٹھے مے کشی سے وہ
بن گئے جام جب مری گل کے
صفی

بزمِ ساقی میں پہنچ کر اپنی حالت کیا کہیں
رنگِ رُخ بدلا کیا گردش میں جب تک جام تھا
سائل

محتسب مے خانے میں تسبیح پر گنتا رہا
کس نے پی کس نے نہ پی کس کس کے آگے جام تھا

میں ان کی بزم میں مے نہ پی کر کیوں نہ مر جاتا
کہ پھیرے سامنے اس لب کے بوسے جام لیتا تھا
مومن

تمام میکدہ فریاد بن کے گونج اٹھا
یہ کس کے ہاتھ سے جامِ شراب ٹوٹ گیا
ثاقب سلطانی

ہمارے پینے کا آج انتظام کر لینا
ملا کے توبہ کے ٹکڑوں کو جام کر لینا
نازاں

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
ساغرِ جم سے مرا جامِ سفال اچھا ہے
غالب

غیر لیں محفل میں بوسے جام کے
ہم رہیں یوں تشنہ لب پیغام کے
،،

دستِ ساقی سے گرا کیوں چھوٹ کر جامِ شراب
تشنہ لب شاید کوئی مے خوار مے خانے میں ہے
اصغر محمود آبادی

ذرا جو چشم کو ساقی کی ہو گئی گردش
تو بادہ خواروں کے ہاتھوں سے جام چھوٹ پڑے
جدید

آنکھوں آنکھوں میں جب پیام آیا — میں یہ سمجھا کہ دورِ جام آیا — بیدی مہر

حقارت سے نہ دیکھو دل کو جامِ جم بھی کہتے ہیں — اسی خاکِ تپاں کو فاتحِ عالم بھی کہتے ہیں — سحاب قزلباش

جاں

جان دی۔ دی ہوئی اسی کی تھی — حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا — غالب

اُٹھ گیا جب وہ مہر بالیں سے — پھر مری جان مجھ میں کچھ نہ رہا — مہر

کیا عشق کی بازی بگڑی ہے تن ہار چکے من ہار چکے — یہ داؤ ہمارا آخر ہے ہم جان لگائے بیٹھے ہیں — "

ترے اشعار کی شعلہ بیانی مہر کہتی ہے — کسی پر جان دیتے ہو یہ ہم سے کیا چھپاتے ہو — "

جز جرمِ عشق اور بھی ثابت کیا گناہ — ناحق ہماری جان اُلجھتے ہو واہ واہ — "

لگاؤ شوق سے مرقد کو ٹھوکریں دو چار — ترس رہی ہے مری جان نقشِ پا کے لئے — وفا

پوچھ لینا تھا کہ کیوں مرنے پہ باندھی ہے کمر — تم سے اتنا بھی دمِ قتل مری جاں نہ ہوا — کوکب

تیر پر تیر چلاؤ تمہیں ڈر کس کا ہے — سینہ کس کا ہے مری جان جگر کس کا ہے

جاں سے میری رگِ جاں تک ہے اک عالم کا فرق — جس کو سب نزدیک سمجھے ہیں وہ اتنی دور ہے — ناصری

جی نہ اُٹھوں گا ہے بے کار پشیماں ہونا — جاؤ بس ہو چکا جو کچھ تھا مری جاں ہونا — عزیز

دیکھتے ہیں غور سے میری شبیہ — شاید اس میں جان ڈالی جائے گی — جلیل مانکپوری

کیا کیجئے غم اپنا بیاں ہو نہیں سکتا — چپ ہو رہوں یہ بھی مری جاں ہو نہیں سکتا — "

تدبیر سے فطرت کا بدلنا نہیں ممکن — وہ آفتِ جاں راحتِ جاں ہو نہیں سکتا — "

حقیقت میں تمہارے اس قدر احسان ہیں مجھ پر — کہ تم کو جان دے کر بھی پشیمانی نہیں جاتی — رؤف

جانِ جاتی کسی نے دیکھی ہے — دیکھو وہ جان مری جاتی ہے

دم لبوں پر تھا دلِ زار کے گھبرانے سے — آگئی جان میں جان آپ کے آجانے سے — اکبر

میر عمداً بھی کوئی مرتا ہے — جان ہے تو جہان ہے پیارے — میر

جب کہتا ہوں تڑپا ہوں مری جان میں تم پر — فرماتے ہیں مرتے ہو تو کیوں مر نہیں جاتے — اکبر

جفا

ہم پہ کرتے ہیں وہ جفا جانی
ہم وفا میں شمار کرتے ہیں

عارؔ
جفا سے کبھی خود تو شرمائیے گا
طبیعت تری خود ہی بھر جائے گی

مومنؔ
امتحاں کے لیے جفا کب تک
التفات ستم نما کب تک

دردؔ
تجھ سے کچھ دیکھا نہ ہم نے جز جفا
پر وہ کیا کچھ ہے کہ جی کو بھا گیا

ؔ
جو جفا جو ہیں انہیں سنگ دلی لازم ہے
کام تلوار کو رہنا ہے سدا سان کے ساتھ

نساخؔ
شب کو آ کر مجھے ہنس ہنس کے وہ کیا کہتے ہیں
کیوں جی بتلاؤ تو اس کو بھی جفا کہتے ہیں

مجروحؔ
حسینوں کی توقیر دیکھو کہ عاشق
وفا کرکے ان کی جفا دیکھتے ہیں

غالبؔ
کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

جنازہ

جنازہ روک کر میرا عجب انداز سے بولے
گلی میں نے کہی تھی تم تو دنیا چھوڑے جاتے ہو

جگرؔ
نہ جانے دل میں وہ کیا سوچتے رہے پیہم
مرے جنازے پہ تا دیر سر جھکائے ہوئے

ریاضؔ
لگا دو ذرا ہاتھ اپنی گلی میں
جنازہ لیے دل کا ہم جا رہے ہیں

عشقیؔ
دیکھ آؤ کہ بیمار تمہارا تو نہیں ہے
رکھا ہے جنازہ سر بازار کسی کا

حمیدؔ
یوں لیے جاتے ہیں مجھے لوگ اس کی گلی سے
جو دیکھے وہ سمجھے کہ جنازہ ہے کسی کا

قمر جلالیؔ
شب کو مرا جنازہ یوں جائے گا نکل کر
رہ جائیں گے سحر کو دشمن بھی ہاتھ مل کر

جنوں

جنوں نہیں ہے مکمل سمجھ لو حضرت دل
ابھی جو جیب و گریباں میں تار باقی ہے

جنوں نے کون سی منزل میں لا کے چھوڑ دیا
سکون دیتی ہے محفل مجھے نہ تنہائی

کیا کیا ہوا ہے ہم سے جنوں میں نہ پوچھئے
الجھے کبھی زمیں سے کبھی آسماں سے ہم

حافظؔ
ابتدائے عشق میں بھی اُف مرا جوش جنوں
بھاگتا ہوں سوئے صحرا شکل انساں دیکھ کر

مرزا الٰہیؔ
مجھ کو حسرت ہی رہی ہائے یہ اے جوش جنوں
ان کے ہاتھوں میں کبھی میرا گریباں نہ ہوا

جنونِ عشق نے اُن کو کیا ہے آوارہ
کہ دو قدم جنھیں گھر سے نکلنا دو بھر تھا
میکش

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی
غالب

اے جنوں تو بھی ہو دنیا میں یوں ہی خانہ خراب
خاک در خاک کیا خانۂ ویراں میرا
ذوق

اب کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے
دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں
مہر

جواب

دوں گا ذرا سمجھ کے جواب ان کی بات کا
رُخ دیکھتا ہوں سلسلۂ واقعات کا
اکبر

جواب دیتے ہیں وہ سیدھی بات کا ٹیڑھا
سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ کیا سمجھتے ہیں
داغ

رونے والے کی محبت ہنسنے والے کا شباب
یہ خراب تک نہیں ہے کون ہے کس کا جواب

وہ التماسِ شوق پہ خاموش ہی رہے
شاید مرا سوال خود اپنا جواب تھا
رزم

آتا نہیں یقیں دلِ حسرت نصیب کو
کیوں کر کہوں کہ یہ مرے خط کا جواب ہے
رئیس امروہوی

شمس و قمر میں بھی وہ نظارا نہ مل سکا
ہم کو کہیں جواب تمہارا نہ مل سکا
اطہر

اُس بُت سے نہیں سوال کچھ اور
اپنے منھ سے جواب دیدے
دیا شنکر نسیم

ساتھ شوخی کے کیا حجاب بھی ہے
اس ادا کا کہیں جواب بھی ہے

آنکھیں مری کھلی ہوئی ہیں بعد مرگ بھی
اس درجہ انتظار ہے خط کے جواب کا
حامد

شکووں کا ان سے بن نہ پڑا جب کوئی جواب
گردن میں میری ڈال دئے مسکرا کے ہاتھ
سیفی سہوروی

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں
واں ایک خامشی مرے سب کے جواب میں
نما

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں
میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں
غالب

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی
"

نہ دے جو بوسۂ گیسو نہ دے جواب تو دے
بلا سے جو مجھے دینا ہو وہ شتاب تو دے
الگزنڈر آزاد

دفتر کے دفتر ان کو لکھے اضطراب میں
دو حرف تک نہ لکھے انہوں نے جواب میں
بسمل دہلوی

ہم کو جواب صاف نہ دیتے وہ کس طرح
کافی ہیں بخبر نامہ دیئے ہم کے لئے
میکش

نساخ
بھیجا عدو کو اس نے مرے قتل کے لئے
اللہ کیا یہی مرے خط کا جواب تھا

جدید
جاتے ہیں اس خیال سے خود لے کے اپنا خط
ہم انتظار کر نہ سکیں گے جواب کا

رئیس امروہوی
مری نگاہ میں ہے حسن بے حجاب ترا
ترے غرور نے پیدا کیا جواب ترا

مجروح
تم ہو بے مثل ہیچ تو ہے صاحب
ظلم میں آپ کا جواب کہاں

داغ
کیسا جواب حضرت دل دیکھئے ذرا
پیغام بر کے ہاتھ میں ٹکڑے زباں کے ہیں

جوانی

رئیس امروہوی
ہم نے دیکھی شگفتگی گل کی
آپ کا عالم جوانی ہے

بیخود
مغرور آپ کیوں ہیں جوانی میں اس قدر
یہ میرے نام کی ہے یہ میری دعا کی ہے

فانی بدایونی
ذکر جب چھڑ گیا قیامت کا
بات پہنچی تری جوانی تک

لطفی
یہ بھی کیا کوئی زندگانی ہے
سینکڑوں غم ہیں اک جوانی ہے

حشر کو مانا قیامت ہے مگر
یہ قیامت کی جوانی اور ہے

ریاض
موت سے بدتر بڑھاپا آئے گا
جان سے اچھی جوانی جائیگی

آغا حشر
گلشن میں دیکھ کر مرے مست شباب کو
شرمائی جا رہی ہے جوانی بہار کی

حفیظ
ندامت ہوئی حشر میں جن کے بدلے
جوانی کی دو چار نادانیاں ہیں

داغ
اِک ادا مستانہ سر سے پاؤں تک چھائی ہوئی
اُف تری کافر جوانی جوش پر آئی ہوئی

بشر
تہی دستی میں مفلس کی جوانی
شب سرما میں ماہ ضوفشاں ہے

غالب
کر دیا ضعف نے عاجز غالب
ننگ پیری ہے جوانی میری

رہبر
بجز غم نہ کچھ عشق میں ہاتھ آیا
لٹانے کو ہم نے جوانی لٹا دی

نازش
دامن مرا چھوڑ دے جوانی
کم بخت عذاب ہوگئی ہے

جوش ملیح آبادی
جوش و خروش ساتھ جوانی کے چل دیے
وہ موسم بہار وہ دلوانہ پن کہاں

ریاض خیرآبادی
جوانی کس نے دیکھی ہے لڑکپن ہی قیامت ہے
ابھی سے حسن پر اپنے وہ نازاں ہوتے جاتے ہیں

غرض اے شوق اترانا عبث ہے حسن فانی پر	گھمنڈ انساں کو نا زیبا ہے دو دن کی جوانی پر	شوق
جوانی کی دعا لڑکوں کو ناحق لوگ دیتے ہیں	یہی لڑکے مٹاتے ہیں جوانی کو جواں ہو کر	امیر
ڈھل چکی ہے اب جوانی جائے گی	یہ شراب ارغوانی جائے گی	ریاض
کسی کم سن کی شوخی کہہ رہی ہے	ذرا آنے تو دو عہد جوانی	حسن
وہ امنگیں ہیں نہ اب دل میں وہ جوش شباب	اک جوانی کیا گئی سارا مزا جاتا رہا	اخگر
ضعیفی ناطاقتی وسستی و اعضا شکنی	ایک گھٹنے سے جوانی کے بڑھا کیا کیا کچھ	سودا
جو آکے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا	جو جاکے نہ آئے وہ جوانی دیکھی	انیس
پیری میں روئے خوب جوانی کے واسطے	وہ جوش وہ امنگ وہ دل یاد آ گیا	جدید
مانا کہ مصیبت ہے جوانی لیکن	اک بار مجھے اور جوانی دیدے	سحر بہید
شورش محشر نہیں جو ہو چکے	اس کا آغاز جوانی اور ہے	مجروح
جوانی کا عالم مرادوں بھرا دل	ان ہی کی ہو دنیا جدھر دیکھتے ہیں	آشفتہ
ترے عشق میں نوجوانی مٹا دی	جوانی نہیں زندگانی مٹا دی	بہزاد
جی لیئے چار دن جوانی میں	زندگی عمر بھر نہیں ملتی	ضیائی بدایونی

جلوہ

غیر کا حصہ من و سلوا	میرا حصہ دور کا جلوہ	اکبر الہ آبادی
سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست	لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہو	غالب
لگا کے سرمہ تم آنسو نہیں بہاتے ہو	یہ ہم کو جلوۂ شق القمر دکھاتے ہو	ذوق
کہاں ذرہ کہاں خورشید خوش فہمی ہے یہ اپنی	کہ خود کو جلوہ گاہ دوست کے قابل سمجھتے ہیں	خرم
چلنے سے عمر رواں آپ ٹھہر جاتی ہو	جب ترا جلوۂ رفتار نظر آتا ہے	ناسخ
مسجد ہو کہ مندر ہو کعبہ ہو کہ بت خانہ	ہر جا ہے ترا پرتو اے جلوۂ جانانہ	مؤلف
جس دن سے بے مروت تو جلوہ گر نہیں ہے	دنیائے عاشقی میں شب ہے سحر نہیں ہے	حشر

ہے نہ وہ کعبہ کے اندر اور نہ بت خانے میں ہے | جلوہ اس کا عام ہے ہر دل کے کاشانے میں ہے — ادیب

نظر آ گیا جو وہ جلوہ نہیں ہے | اسے دیکھنا کچھ تماشا نہیں ہے — نا باد دہلوی

جلوہ کو اس کے دیکھ کر کچھ غش سا آ گیا | اس کا پتہ ملا تو پھر اپنا پتہ نہیں — تصویر دہلوی

خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہ ناز ہے کس کی | ہزاروں اٹھ گئے لیکن وہی رونق ہے مجلس کی

اگر وہ اپنے جلوؤں سے گھر کو سجا دیتے | یہی بے نور ذرے چاند تاروں کا مزا دیتے — شفیق جونپوری

ہم کہتے ہیں کہنے دو مگر حضرت موسیٰ | تم تو نہ کہو جلوۂ جاناں نہیں دیکھا — رضا لکھنوی

کوئی جانے یہی ہیں ایک جلوہ دیکھنے والے | بڑے وہ آئے موسیٰ جا کے تنہا دیکھنے والے — ریاض

جلوہ نورِ حقیقت ہے دل برباد میں | دیکھئے کیسا خزانہ کیسے ویرانے میں ہے — ادیب

حسن پری اک جلوۂ مستانہ ہے اس کا | ہشیار وہی ہے کہ جو دیوانہ ہے اس کا — آتش

جلوے مری نگاہ میں کون و مکاں کے ہیں | مجھ سے کہاں چھپیں گے وہ ایسے کہاں کے ہیں

چارہ ساز

بیمار کی طرف تو کوئی دیکھتا نہیں | منھ تک رہے ہیں غور سے سب چارہ ساز کا

خوب کی خوب چارہ فرمائی | دیکھ لی آپ کی مسیحائی

بلبل نے بھی درد کو سینے سے لگا رکھا ہے | ناز ہے تجھ کو اگر چارہ گری پر لے دو ہمت

سنیں گے آپ ہی سو بار زخم کے ٹانکے | وہ اور ہوں گے جو احسانِ چارہ گر لیں گے — سجاد

اب تمہاری چارہ سازی کا بھرم کھلنے کو ہے | لوگ کہتے ہیں مریضِ غم کا حال اچھا نہیں

اے چارہ ساز کوشش درماں فضول ہے | اب میرا درد قابلِ درماں نہیں رہا

مرض یہ جان سے بڑھ کر عزیز ہو جائے | جو تو مریضِ محبت کا چارہ ساز رہے — ارشاد

ہوا بھریگی تو تکلیف ہوگی زخموں کو | علاج زخم جگر چارہ ساز رہنے دے — بسمل

ہاں بے علاج چھوڑ دیں اب مجھ کو چارہ ساز | یہ بھی تو اک دوا ہے کہ کوئی دوا نہ ہو — رضا لکھنوی

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح | کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غم گسار ہوتا — غالب

فانی دوائے دردِ جگر زہر تو نہیں
کیوں ہاتھ کانپتا ہے مرے چارہ ساز کا
— فانی

اے چارہ ساز حالتِ دردِ نہاں نہ پوچھ
اک راز ہے کہ کہہ نہیں سکتے زباں سے ہم
— جگر

چال

غرض وفا و جفا سے نہیں وہ چال چلو
کہ مجھ میں غیر میں کچھ امتیاز ہو جائے
— انیس

وارفتہ تری چال قیامت سے کم نہیں
چلتی ہوئی ہے حشر کی آفت سے کم نہیں
— شوق

افسوس ہم چلے نہ سلامت روی کی چال
ہائے بے خودی کی چال چلے یا خودی کی چال
— قوی

ابھی کچھ دن اُدھر اٹھتے ہوئے سے چال چلتے تھے
اُتر پڑتا تھا شانے سے دوپٹہ بار ہا پہلے
— صولت

دیکھو دیکھو نہ حشر ہو جائے
سنبھلو سنبھلو یہ چال کیا ہے
— "

انساں چلے وہ چال کہ جو ہو جہاں پسند
جہاں سے ہو وہ کام جو ہو میزباں پسند
— مہاراجہ بلرام ایڈ

خوف ہے نام قیامت ہی نہ مٹ جائے کہیں
چال کو اپنی نہ یوں سنکے بچھاتے جایئے
— میکش

نہ ڈھونڈا دل غیر میں آپ کو
یہ اک چال ہم سے بڑی رہ گئی
— وتیگر اکبر آبادی

تمہاری چال کے فتنوں کی کس کو آگاہی
یہ اُس سے پوچھیے دل جس کا پائمال ہوا
— مجروح

کم ہوں گے اس بساط پہ ہم جیسے بدقمار
جو چال ہم چلے سو نہایت بُری چلے
— ذوق

تری تقلید سے کبکِ دری نے ٹھوکریں کھائیں
چلا جب جانور انساں کی چال اس کا چلن بگڑا
— آتش

چاند

جب ان ہی کو نہیں منظور ہے گھر کی رونق
تو بھی اے چاند چلا جا مرے غم خانے سے
— شفیق

چاند اپنی چاندنی پھیلا رہا تھا ہر طرف
کچھ خدا سے کہہ رہے تھے غم کے مارے بار بار
— "

جاتے ہی ان کے بزم سے رونقِ بزم بھی گئی
چاند جدھر گیا اُدھر چاند کی چاندنی گئی
— حفیظ صدیقی

نہ پوچھیں پوچھنے والے نہ دیکھیں دیکھنے والے
اُدھر وہ تا چودھویں کا چاند اِدھر انداز متوالے
— راز بہانوی

چھپ گیا تھا چاند دریا بہہ رہا تھا نور کا
بحر میں گم ہو گیا تھا گر شرارہ حور کا
— وصف

صحنِ گلشن میں چاند ہے مے ہے
کاش ایسے میں تم بھی آ جاؤ
— نافع ایم اے

نکلا جو چاند ابر سے یاد آ گیا مجھے / وہ تیرا جھانکنا پردے سے منہ کو نکال کے

کوٹھے اوپر یار کھڑے ہیں کان میں پہنے بالے دو / ساری خدائی دیکھنے آئی چاند تو اک اور یہاں ہیں دو

آتش — چاند کے اوپر نہیں پڑتی کسی صورت سے خاک / منہ تو دیکھیں لیکے یوسف کے برادر آئینہ

میکش — گھر سے وہ نکلے تو ہر گھر میں سے آئی یہ صدا / ہم کو بھی یہ چاند سی صورت دکھاتے جایئے

چائے

رشید — احباب کے دل جوش میں لانے والی / ہے رنگ محبت کا دکھانے والی
سنتے تھے کہ خون اس سے بڑھتا ہے رشید / یہ چائے ہے روح کو بڑھانے والی

ظفر علی خاں — چائے کا دور چلے دور چلے دور چلے / یہ تو چلا ہے تو ابھی اور چلے اور چلے اور چلے

چراغ

انیس — انیس دم کا بھروسہ نہیں ٹھہر جاؤ / چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے

نافع — غم حیات کے اس تند و تیز طوفاں میں / تمہاری یاد کا صرف اک چراغ باقی ہے

کہوں تو حرف قناعت پہ آیا جاتا ہے / چراغ خود نہیں جلتا جلایا جاتا ہے

وہ حیات چمک اٹھے کہکشاں کی طرح / اگر چراغِ محبت کوئی جلا کے چلے

اب اس طرح سے تو جینا عذاب ہے اے دوست / بجھا بجھا سا چراغِ حیات جلتا ہے

ترے بغیر سیہ خانۂ محبت میں / چراغ جلتے ہیں اور روشنی نہیں ہوتی

افسر لکھنوی — میرے دل میں جو داغ جلتا ہے / آپ ہی کا چراغ جلتا ہے

〃 — رات دن دل کا داغ جلتا ہے / مستقل اک چراغ جلتا ہے

〃 — ظلمتیں قبر کی وہ کیا جانے / جس کے گھر میں چراغ جلتا ہے

کوکب — یہ کہنا ان سے کہ سب دل کے داغ جلتے ہیں / سحر کو جس طرح شب کے چراغ جلتے ہیں

نشاط — مل گئے تھے چند ساعت کے لئے یہ دو رفیق / ایک دل تھا جلنے والا اک چراغ شام تھا

منتظر — خدا جانے سحر تک کتنی حسرت قبر پر ہو گی / چراغ اپنی لحد کے شام ہی سے بجھنے والے ہیں

امیدِ زیست کا جو کچھ تھا آسرا چھینا	نمودِ صبح نے گل کر کے آسماں کا چراغ	واقف
شبِ غم آ گئی جلنے کا پھر پیغام آتا ہے	لباسِ آتشیں پہنے چراغِ شام آتا ہے	ثاقب
اُلفت کا داغ دل سے مٹایا نہ جا سکا	ہم سے تو یہ چراغ بجھایا نہ جا سکا	رؤف
شام ہی سے بجھا سا رہتا ہے	دل ہوا ہے چراغ مفلس کا	میر
وہ آئے بزم میں اتنا تو میر نے دیکھا	پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی	رر
بجھ رہے ہیں چراغِ دیر و حرم	دل جلاؤ کہ روشنی کم ہے	سخا دہلوی
جگر کے داغ مصیبت میں کام آئے ہیں	چراغ ہو گئے روشن ہمارے مدفن میں	سوز لکھنوی
نہ جانے صبح کو انجامِ بزم کیا ہوگا	ابھی سے کانپ رہا ہے چراغ محفل کا	ذاخر
ہے فقیری کس کی خو اور کس کا شاہی کو دماغ	قبر کی تاریکیوں میں جل رہے ہیں دو چراغ	فضل
جبیں پر اُن کی قشقہ اس گھڑی ہے	چراغِ ماہ میں بتی پڑی ہے	صفی امروہوی
پھول سے رخسار پر قطرے پسینے کے نہیں	ہے چراغِ گل میں پانی اور گلِ روغن میں آگ	طپش امروہوی
عالمِ سوزِ جگر بیاں کرتا	ہوتی گویا اگر زبانِ چراغ	رر
وصل کی شب کا حال گر کہہ دے	کاٹ ڈالوں ابھی زبانِ چراغ	رر
چراغِ صبح تھا میں جل کے ہو گیا خاموش	موافق آئی نہ مجھ کو ہوا زمانے کی	رضی بدایونی
مرے دل کے چھالے رِسے جا رہے ہیں	چراغِ تمنا بجھے جا رہے ہیں	
کوئی دم کا مہماں ہوں اہلِ محفل	چراغِ سحر ہوں بجھا چاہتا ہوں	اقبال
پھر اُس کے گھر میں ہو نہ سکی روشنی کبھی	جس کا چراغ تو نے جلا کر بجھا دیا	شفیق جونپوری
کچھ گرم تھی خبر مرے مرنے کی رات سے	خاموش سب چراغ ہوئے جب سحر ہوئی	جاوید لکھنوی
نہ پوچھو حال ہماری سیاہ بختی کا	چراغ تک نہیں جلتا غریب خانے میں	قمر جلالوی

چشم

کس کی مسجد کیسے مے خانے کہاں کے شیخ و شاب	ایک گردش میں تری چشمِ سیاہ کے سب خراب	میر

گردشِ چشم ہے پیمانے میں
تم گئے ہو کبھی میخانے میں

وہ چشمِ مست ہے ایسی خمار آلودہ
بھری ہو جیسے لبالب شراب ساغر میں

بے سبب کون غم اٹھاتا ہے
بے وجہ چشم تر نہیں ہوتی

بادہ نوشی کا ہم کو ہوش کہاں
چشمِ ساقی سے مے برستی ہے

جلیل — چشمِ تر ساری رات روتی ہے
جب کہ خلقت تمام سوتی ہے

رہبر — ساقی کی چشمِ مست نے یوں مست کر دیا
ہم اہتمامِ ساغر و مینا نہ کر سکے

ذوق — چشمِ قاتل ہمیں کیوں کر نہ بھلا یاد رہے
موت انسان کو لازم ہے سوا یاد رہے

رضا — مینا پسند ہے نہ مجھے جام ہے پسند
ساقی کی چشمِ مست کا پیغام ہے پسند

چلم

سوزاں ہے چلم آتشِ رخسار کی صورت
اور اس پہ دھواں گیسوئے خمدار کی صورت

چلم ٹوٹ جاتی جو گر کر زمیں پر
فلک کی طرف رو کے ہم دیکھتے ہیں

چلم کی بدولت ابھی جیتے جی ہی
تماشا جہنم کا ہم دیکھتے ہیں

ظریف — یوں چلم دکھا کے بولے میاں قیس ساربان سے
بھئی ایک کش لگا لو چلے آتے ہو کہاں سے

چمن

کب رگِ گل زخم ہیں بالاتے بدن نشتر کے
جوشِ وحشت نے دکھائے ہیں چمن نشتر کے

سخت دل ہوتے نہیں سینکڑوں نیاہیں نہال
پھول سر سبز ہوں کیا رشکِ چمن نشتر کے

ہمیں اپنے چمن کی پتی پتی سے محبت ہے
پرائے باغ میں ہم بن کے بیگانے کہاں جائیں

محزوں — رہتے ہوئے چمن میں یہ حیرت کی بات ہے
اب تک نگاہِ گل میں رہے اجنبی سے ہم

باغ میں مسکرا سکوں اتنا بھی حق نہیں مجھے
میرے چمن میں آج کل کون ہے حکمراں نہ پوچھ

سیرِ چمن کو نکلے تھے تفریح کے لئے
افسردہ اور ہو کے پھرے ہیں چمن سے ہم

میر — کیا چمن کے ہم سے اسیروں کو منع ہے
چاکِ قفس سے باغ کی دیوار دیکھنا

قفس سے چھٹ کے چمن کا سراغ ہی نہ ملا — وہ جوش لالہ و گل تھا کہ باغ ہی نہ ملا — فراق

سرسبز ہو جو نخل اُکھاڑا نہیں جاتا — ہاتھوں سے چمن اپنا اجاڑا نہیں جاتا — میر انیس

جس کی قفس میں آنکھ کھلی ہو مری طرح — اس کے لئے چمن کی خزاں کیا بہار کیا — ناز

عجب کیا ہے جو یہ پھولوں کی سرخی رنگ لائی ہے — چمن سینچے گئے ہیں مدتوں خونِ عنادل سے — حاذق امروہوی

کیا دل لگائیں گلشنِ عالم ہے بے ثبات — آئے ہیں چار دن کے لئے اس چمن میں ہم — مست بنارسی

بزمِ صنم میں حضرتِ دل ذکرِ کعبہ کیا — تھی جس چمن کی بات گئی اس چمن کے ساتھ — ذوق

چوٹی

تمہاری مانگ نے دل لے لیا مانگ — یہ چوٹی کس لئے پیچھے پڑی ہے — صفی امروہوی

چوٹی میں اس کی جلوۂ موباف سبز ہے — اندھیرا ہے کہ سانپ زمرد نگل گیا — طپش امروہوی

تعویذ یہ طلائی ہے چوٹی میں آپ کی — یا سانپ اندھیری رات میں ہے مَن اُگل گیا — "

بال چوٹی کے کریں گے بدنام — یہ موئے پیچھے پڑے رہتے ہیں — مہر درد

کہاں ہے نقرئی موباف سے چوٹی تری ظاہر — مری جاں کینچلی سے افعیِ ارقم نکلتا ہے

چوسر

عشق بازی کے لئے ہم نے بچھائی چوسر — ہاتھ پڑتے ہی گیا رنگ ہمارا مارا

پھر کر گھروں سے غیر کے آتے جو میرے گھر — چلنا بھی اس حسین کا چوسر کی چال ہے — مشتاق

ہیں سب سے پہلے میرے اٹھانے کی فکر میں — محفل میں ان کی میں کسی چوسر کا رنگ ہوں — ذوق

حال

کہاں آپ سے ضبط کی تاب ہوگی — مرا حال سُن کر تڑپ جائیے گا

حالِ دل ہے اُن کے دل خواہ — کیا پوچھتے ہو الحمد للہ — امیر

کسی سے مل کے کبھی خوب عرضِ حال کریں — اسی قدر ہے ہمارا تو حوصلہ دل کا — حامد

المختصر یہ حال ہے کیا تم سے ہم کہیں — جس کو سنا دیا وہی دیوانہ ہو گیا — "

شاعر	مصرعِ اول	مصرعِ ثانی
میرؔ	پتہ پتہ بوٹا بوٹا، حال ہمارا جانے ہے	جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے
بیخودؔ بدایونی	پوچھتے ہو آہ ان زندانیوں کا حال کیا	جو نگہبانوں کے تیور دیکھ کر رو دیا کئے
	چاہتا ہوں کہ ذرا تخلیہ ہو جائے حضور	حال کچھ عرض کروں گا شبِ تنہائی کا
ہادیؔ	افراطِ غم سے یہ ترے ہادی کا حال ہے	واللہ زندگی سے ہے نفرت ترے بغیر
درسعید	کچھ یہ آشفتگیٔ حال ہے اب	جی رہا ہوں بغیر ہوش و حواس
حسرتؔ شادانی	ہم تو غربت میں ہیں بہت بے چین	تم ہو کس حال میں خدا جانے
	یارب نظر لگے نہ کسی کی نگاہ کو	دنیا نہ دیکھ لے مرے حالِ تباہ کو
	صدائے دل نہ سنو، غرض حال تو سن لو	یہ کوئی فرض نہیں ہے کہ مصحفی ہی کرو
	حالِ دل ہم نے کہہ دیا لیکن	یہ کہو شوخ نے سنا بھی کچھ
مجروحؔ	اُن سے مجروح کا جو پوچھا حال	ہنس کے بولے مری بلا جانے
فریدہؔ	جان کر مجھ کو وہ انجان ہوئے جاتے ہیں	حال سُن سُن کے پریشان ہوئے جاتے ہیں
	غم کو کچھ فرقِ مراتب سے علاقہ ہی نہیں	حال ان کا بھی دگرگوں ہے ہمارا ہی نہیں
سجادؔ	خدا گواہ اُنہیں بھی ہے انس اے سجاد	سنیں گے حال تو آنکھوں میں اشک بھر لینگے
حیرتؔ	تاراج گلستاں ہے تو برباد آشیاں	یہ حال دیکھ کر بھی تو عبرت نہیں مجھے
	حالِ دل سے وہ میرے واقف ہے	حاجتِ نامہ و پیام نہیں
	ہائے کیا خوب عیادت ہے کہ وہ کہتے ہیں	قابلِ دید نہ تھا حال مگر دیکھ لیا
غالبؔ	اُن کے دیکھے سے جو آ جاتی ہے مُنہ پر رونق	وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے
دردؔ	ان دنوں کچھ عجب ہے دل کا حال	دیکھتا کچھ ہوں دھیان میں کچھ ہے
غالبؔ	بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تلک	ہم کہیں گے حالِ دل اور آپ فرمائیں گے کیا
جگرؔ	چمن دور آشیاں برباد یہ ٹوٹے ہوئے بازو	مرا کیا حال ہو صیاد اگر مجھ کو رہا کر دے
داغؔ	وہ عیادت کو مری آئے ہیں لو اور سُنو	آج ہی خوبیٔ تقدیر سے حال اچھا ہے

ہنس رہے تھے جو ابھی گورِ غریباں دیکھ کر — رو دئے وہ بھی مرا حال پریشاں دیکھ کر

امیری فقیری کا ہے ایک حال — زمانے میں حاصل ہے کس کو فراغ — وحشت

جو کہ کامل ہیں فضیلت ہے انہیں ہر حال میں — سُرخ ہوئے یا سیہ یا خطِ قرآن سبز ہو — آتش

بھولے بن کر حال نہ پوچھو بہتے ہیں اشک تو بہنے دو — جس سے بڑھے بے چینی دل کی ایسی تسلی رہنے دو

حالت

بات اب طعنۂ احباب تک آ پہنچی ہے — کچھ تمہیں بھی مری حالت کی خبر ہی کہ نہیں

یہ ہی حالت ہے تو دین و مذہب کچھ دور ہی ہے دسلام ہوگا — کہاں کے ہندو کہاں کے مسلم رحیم ہوگا نہ رام ہوگا — حشر

جسے سُن کر تمہارا دل پریشاں ہو گیا صاحب — ذرا ٹھہرو اسی حالت کو دم بھر دیکھتے جاؤ — حامد

نسیمِ صبح نے شاید تمہیں بتا دیا ہوگا — تمہارے بعد جو حالت ہوئی صحن گلستاں کی — رئیس امروہوی

زندگی جس کی تمناؤں میں بسر ہوتی ہے — کیا اسے بھی مری حالت کی خبر ہوتی ہے — ״

حسرت

آ گئے اب وہ تو گویا ایک بھی حسرت نہ تھی — اے مری بے تابیٔ دل اب تجھے کیا ہو گیا — رؤف

یارب دعائے وصل نہ ہرگز قبول ہو — پھر کیا رہے گا دل میں جو حسرت نکل گئی

یہی حسرت رہی دل ہی میں جاں — کبھی تو نے کہا میرا نہ مانا — رئیس امروہوی

اگر دل کی حسرت نکل جائے گی — یہ دنیا بہت کچھ بدل جائے گی — قیس سندیلوی

طالب دید نے دمِ آخر — کیسی حسرت سے سوئے در دیکھا

آسرے ہی آسرے میں کٹ گیا دو ایک سال — لے کے تازہ حسرتیں پھر یہ برس آ ہی گیا

مایوس تمنا اس کے سوا کچھ اور اگر سمجھے بھی تو کیا — پوری ہی کبھی جو ہو نہ سکے شاید وہی حسرت ہوتی ہے

ارمانِ دل وہ دور ہے جس کی دوا نہیں — حسرت وہ زخم ہے جو کسی سے بھرا نہیں — محروم

کبھی جن حسرتوں کی ابتدا تھی — اب ان کی انتہا ہے اور میں ہوں — آزاد کہنا پوری

منھ خفا ہو کے بنا لیتے ہو اتنے کے لئے — ایک بوسے میں نکل جائے گی حسرت دل کی — آسی

جی بھر گیا دنیا سے اب دل میں یہ حسرت ہے
تو ہو ترا جلوہ ہو اور گوشۂ تنہائی کا

ذوق
پھول تو دو دن بہار جاں فزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

حسرت برس رہی ہے مری مشتِ خاک پر
چادر نہ پھول کی ہے نہ شمع مزار ہے

نظم طباطبائی
حسرتیں دل کی نہ نکلیں مرے لیکن نکلیں
کبھی آہیں کبھی نالے کبھی آنسو ہو کر

منظر لکھنوی
ہماری دید کی حسرت نکل جائے گی دم بھر میں
تمہارا خنجر براں جو گردن پر ذرا ٹھہرے

جاذب
یہ سن کے بڑھ گئی ہے اور قتل کی حسرت
مزار آپ کے در پر بنائے جاتے ہیں

حسرت پہ اس مسافر بے کس کی روئیے
جو تھک گیا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے

دلدار شاہ
در و دیوار پہ حسرت کی نظر کرتے ہیں
رخصت اے اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

حسن

غالب
حسن اور اس پہ حسن ظن رہ گئی بلہوس کی شرم
اپنے پہ اعتماد ہے غیر کو آزمائے کیوں

بیخود دہلوی
ایسا بنا دیا تجھے قدرت خدا کی ہے
کس حسن کا ہے حسن ادا کس ادا کی ہے

تم کو قاتل کر دیا تم کو مسیحا کر دیا
حسن نے تم کو خدا معلوم کیا کیا کر دیا

حسرت
خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

ہمارے عشق کے بھی تذکرے تھے
تمہارے حسن کا چرچا جہاں تھا

اکبر
فانی ہے حسن بت یہ میں کیا جانتا نہیں
مشکل یہ آ پڑی ہے کہ دل مانتا نہیں

مولف
آپ ہیں حسن کی سرکار میں اس در کا فقیر
ہوں ہیں محتاج مگر عشق میں بے حد ہوں امیر

عرش ملسیانی
بات بڑھ جائے گی جھگڑا نہ کرو جانے دو
آج ہے عشق کی کل حسن کی رسوائی ہے

اصل حسن و عشق یہی ہے
عشق کہے اور حسن نہ مانے

حسن کافر نے اپنے قدموں پر
اتنے مومن جھکائے ہیں کہ نہ پوچھ

حسن رہتا نہ اس قدر دلکش
خیر گزری کہ پائدار نہیں

جو مسیحائی کا دم بھرتے رہے
وہ بھی ان کے حسن پر مرتے رہے

عشق نے اپنا جہاں بدلا نہیں ۔ حسن کی دنیا بدل کر رہ گئی ۔ گوہر

ہے معصومیت روئے گل پہ بھی لیکن ۔ ترے حُسن کی سادگی اور کچھ ہے ۔ طپش امروہوی

اے مست رعونت یہ جوانی نہ رہے گی ۔ جس حُسن پر نازاں ہے وہ پرتول رہا ہے

کچھ مضطرب سی عشق کی دنیا ہے آج تک ۔ جیسے کہ حسن کو نہیں دیکھا ہے آجتک

تمہارے دم سے ہے نظمِ زمین و آسماں قائم ۔ تمہارے حُسن ہی سے بزمِ ہستی میں اجالا ہے ۔ رفیق امروہوی

حُسن کا یہ کمال تو دیکھو ۔ سامنے ہے نظر نہیں آتا ۔ ”

گرمیٔ حسن ہے وابستہ نظرباز کے ساتھ ۔ نغمہ معدوم ہے مطرب جو نہ ہو ساز کے ساتھ ۔ محزون امروہوی

حسیں ہو تم تو کوئی جان بھی قربان کرتا ہے ۔ بُرا کیوں مانتے ہو ساتھ ہے حسن و محبت کا ۔ نقی

حُسن کا مول بڑھانا تھا خریداروں میں ۔ ورنہ یوسف بھی کہیں بکتے ہیں بازاروں میں

خط بڑھا کاکل بڑھا زلفیں بڑھیں گیسو بڑھے ۔ حُسن کی سرکار میں جتنے بڑھے ہندو بڑھے ۔ ذوق

حشر

قبروں سے ہٹ کے روندتے تھے وہ میری قبر ۔ سامانِ روزِ حشر یہاں تھا وہاں نہ تھا ۔ ذاخر

آپ کا وعدہ آپ کا دیدار ۔ حشر تک انتظار کون کرے ۔ آغا شاعر

جانتا ہوں حشر کو لیکن ذرا سا فرق ہے ۔ اس کا دنیا میں زمین کوئے قاتل نام تھا ۔ آسی

کیا جانئے کیا ہوتا اِک حشر بپا ہوتا ۔ جب اُن کی گلی ہوتی اور میرا گلا ہوتا ۔ مومن

قیامت اور قیامت میں اک بپا کر دی ۔ نکل کے حشر میں اک حشر ڈھا دیا تم نے ۔ اُفق

عرصۂ محشر میں یوں تو اک ہجومِ عام تھا ۔ حشر جس سے حشر تھا وہ یہ دلِ ناکام تھا ۔ لقا

دیکھو تو کیسی بھیڑ ہے بازارِ حشر میں ۔ خلوت سے نکلا ہے مرا یوسف جمال کیا

حشر سے کس کو ڈراتا ہے یہاں اے واعظ ۔ ایسے ہنگامے تو نالوں سے ہوا کرتے ہیں ۔ نساخ

کٹتا کسی طرح سے نہیں ہے جوائے خدا ۔ دن حشر کا بھی رات ہے کیا انتظار کی ۔ ”

آپ کا وحشی ابھی چاہے تو آ جاتا ہے حشر ۔ کر کے اک نالہ ہلا دے پاؤں کی زنجیر کو ۔ جدید

رضا لکھنوی — حشر کے دن جس طرف تو ہو گیا / اس طرف ساری خدائی ہو گئی

فنا — میری خاموشی محبت پہ گراں ہوتی ہے / آہ کرتا ہوں تو اک حشر بپا ہوتا ہے

ہمایوں — جاگو وگرنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی / اٹھو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

حقّہ

یارب جو تو قائم ہے تو قائم رہے حقّہ / یہ بزم سلامت رہے دائم رہے حقّہ

ناسخ — حقّہ جو ہے حضور معلّے کے ہاتھ میں / گویا کہ کہکشاں ہے ثریا کے ہاتھ میں

ناسخ یہ سب بجا ہے ولیکن تو غرض کر / بے جان بولتا ہے مسیحا کے ہاتھ میں

گدا دست اہل کرم دیکھتے ہیں / ہم حقّہ کا دم اور قدم دیکھتے ہیں

جہاں ہم ہیں ساتھ اپنے حقّہ ہے موجود / رفیق ایسا دنیا میں کم دیکھتے ہیں

حقّہ کا جو دشمن ہے وہ ایمان کا دشمن / ہندو کا مسیحی کا مسلمان کا دشمن

حیا

نسیم — جب لے دو دل مخل پھر کون ہے / بیٹھ جاؤ خود حیا اُٹھ جائے گی

بیخود دہلوی — چشم سیاہ یار میں سازش حیا کی ہے / لیلےٰ کے ساتھ میں یہ سہیلی بلا کی ہے

میکش — وصل کی شب ہے وہ پہلو میں ہیں تنہائی ہے / ہائے کس وقت میں کم بخت حیا آئی ہے

ثاقب امروہوی — شرماتے ہوئے بیٹھے ہیں ثاقب وہ مرے پاس / کن پیاری اداؤں میں حیا کھیل رہی ہے

طپش — میں ہوں ان سے کس طور بوسے کا طالب / ملاتے نہیں وہ تو آنکھیں حیا سے

کچھ کچھ حیا سے سینہ چھپائے نہ کس طرح / درپردہ میرا مرد امید بر میں ہے

خار

وزیر — یہ اور کچھ نہیں خوبی ہے اپنی قسمت کی / جسے میں پھول سمجھتا ہوں خار ہوتا ہے

آشنائے بہار ہو نہ سکا / گل تو کیسا میں خار ہو نہ سکا

جنّ — خوبی بخت ملے گل بھی تو کانٹے ہو کر / ہاتھ آئے جو کہیں خار تو داماں نہ ہوا

جو بد ہیں اُنہیں نیکوں کی صحبت کا اثر کیا — کب خار ہیں بُو آتی ہے قربِ گُل تر سے — طپش امروہوی
کہتے ہیں آئینہ میں دیکھ کے وہ رُخ کی بہار — خار سب غنچہ دہن ہیں گلِ رعنا ہیں ہوں — "
آیا دھیان عارضِ گل رنگ کا ترے — آنکھوں کو مثلِ خار ہوئی ناگوار شمع — "
مختلف وضع کے ہونے سے نہیں جاتے ہیں ربط — گل سے ہوتے نہیں گلشن میں کبھی خار جدا — برق
ہے بُروں کو عیش اور اچھوں کو ہو دنیا میں رنج — توڑتا ہے گل کو گل چیں چھوڑتا ہے خار کو — ناسخ
وہ بے نصیب ہوں اے ہم صفیر گر ڈھونڈوں — تو خار تک بھی نہ ہاتھ آئے آشیاں کے لئے — نساخ
تو نے بہار آتے ہی گل چیں غضب کیا — گلشن سے مجھ کو پھینک دیا خار کی طرح — جدید

خاک

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں — خاک میں کیا صورتیں ہوں گی جو پنہاں ہو گئیں — غالب
ہجر میں ہر طرح کا سامان راحت تھا بہم — تو جو پہلو میں نہ تھا لے بے وفا سب خاک تھا — جلیس
اُڑ کے پہنچی آستانِ یار تک — حوصلہ دیکھو ہماری خاک کا — تسلیم
کسی کے منھ سے نہ نکلا ہمارے دفن کے وقت — کہ خاک ڈالو نہ ان پر یہ ہیں نہائے ہوئے — امیر
خاک اُڑائی ہے رقیبوں نے تمہارے واسطے — چھپ کے آجاؤ یہاں گرد و غبار ایسے میں ہے — حیدر
ہمیں فلک نے کیا اس زمیں پہ یوں برباد — کہ اپنی خاک تو کیسی غبار تک نہ رہا — صفی
ہمارے دل کی مُرادوں کا خوں نہ ہو جائے — کفن میں رہنے دو خاک ان کے آستانے کی — مؤلف
ساری دعائیں منتیں بے کار ہی گئیں — اُلفت پہ خاک ڈالی ہے اچھا نہ آئیے — احسن اللہ ثاقب
اُٹھاتا اپنی پلکوں سے لگاتا اپنی آنکھوں سے — اِدھر بھی کاش آتی خاک اُڑ کر کوئے جاناں سے — سراج
قسمتیں جب ہوئیں تقسیم ازل میں آثم — عرض کی ہم نے کہ خاکِ درِ جاناں ہونگے — آثم بہاری
اللہ اللہ یہ شانِ کشتہ ناز — ہے مری خاک سجدہ گاہ نماز — فانی
ٹھکرا کے تم نے خاک کا رتبہ بڑھا دیا — گردوں پہ اب دماغ ہیں مشتِ غبار کے — رونق
عطر مٹی کا لگانا چاہیے پوشاک میں — خاک سے رغبت رہے ملنا ہی اک دن خاک میں — گویا لکھنوی

بتاؤ تو پڑھے گا فاتحہ کوئی کہاں آکر — کہ میری خاک اڑ کر جائیگی ہو سو مزاروں میں — میکش

اخلاق سب سے کرنا تسخیر ہے تو یہ ہے — خاک آپ کو سمجھنا اکسیر ہے تو یہ ہے

جو ہمارے غبار سے بھاگے — اس سے امید ہم رکھیں کیا خاک — مجروح

زہے نصیب کہ ہنگام مشق تیر ستم — ہمارے ڈھیر کو تم تو دہ خاک کا سمجھو — ذوق

کتنے مفلس ہو گئے کتنے تونگر ہو گئے — خاک میں جب مل گئے دونوں برابر ہو گئے — "

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن — خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک — غالب

خال

کیسو ہٹے خال رخ انور نکل آیا — شب سے سحر عید کا اختر نکل آیا — طپش آبرو ہوی

ملا جو بوسہ خال سیاہ مر مر کر — الٰہی کیا مری قسمت کا ایک دانہ تھا

خال رخ محبوب پر فدا ہوں — اتنی سی بلا میں مبتلا ہوں — مومن

دام گیسو میں پھنسے گا کبھی یک دانۂ خال — مرغ دل تو نے ادھر گر بہوس کی پرواز — الگزنڈر آزاد

خال رخ کے عشق میں ہر دکھ گوارا ہو گیا — داغ حسرت بھی مری آنکھوں کا تارا ہو گیا — مہدی

کیا شان ہے کہ خال رخ یار وہ بنا — کاجل بچا تھا جو مرے بخت سیاہ سے — میکش

پیش ابروئے صنم خال ہے اللہ اللہ — دیکھو کافر نے کہاں جا کے جگہ پائی ہے

جان دی بے مانگے خال یار کو — دیکھو اے نساخ دانائی مری — نساخ

نمود خال کی دیکھو تو زیر ابروئے یار — ستارا نکلا ہے نیچے ہلال کے کیسا — ذوق

اس بلندی پہ دیا عشق نے پہنچا ہم کو — کہ فلک آیا نظر خال سے چھوٹا ہم کو — "

نقطہ یہ خال روئے بتاں پر مجھے خدا — بخشے تو کیا عجب کہ وہ نکتہ نواز ہے — "

خال و رخ پر نور صنم ہیں تہ گیسو — اک برج میں خورشید و زحل آئے ہوئے ہیں — مشتری

سمجھو نہ تم کہ اس رخ روشن پہ خال ہے — ملک فرنگ میں حبشی کوتوال ہے

خبر

رکھتے ہیں جو خبر زمانے کی
حیف ان ہی کو مری خبر نہ ہوئی
شاد

ہم سے پوچھو نہ کچھ کسی کی خبر
ہم کو اپنی خبر نہیں معلوم
صادق

کس کے خیال میں نہیں سوتے تمام رات
کس کا تھا انتظار مجھے کچھ خبر نہیں
اعجاز

اتنا ہی یاد ہے کہ نظر سے نظر ملی
کیسا ہے یہ خمار مجھے کچھ خبر نہیں
"

ہم اپنی زیست کا خود اہتمام کر لیں گے
یوں ہی وہ کہتے ہیں وہ کب بھلا خبر لینگے
سجاد دہلوی

وہ اور میری عیادت کو آئیں اجی توبہ
جنھیں خبر نہیں اپنی وہ کیا خبر لیں گے
"

تسلیاں وہ مجھے دیں گے یا کہ دشمن کو
ہیں اک عذاب میں کس کس کی وہ خبر لینگے
"

وہ دل جلانے والا تربت پہ شمع لایا
لی بھی خبر اسی نے جس بے خبر نے مارا
جاوید

میرے مرجانے کی پہنچائی عدو نے جب خبر
دیر تک سوچا کئے کچھ پھر کہا اچھا ہوا
واقف

ایسے سے قدر مہر و وفا کی امید کیا
جس کو ہنوز اپنے ستم کی خبر نہ ہو
مومن

کاٹی ہے الجھنوں ہی میں ہم نے تو زندگی
یہ کچھ خبر نہیں کہ کہاں تھے کہاں رہے
مؤلف

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی
غالب

ہم پاس تھے تو دل میں تھا احساس زندگی
تم دور ہو تو کچھ نہیں اپنی خبر مجھے
عبدالحی

رو رہا ہے دور ہی سے نامہ بر میرے لئے
آج لایا ہے کوئی تازہ خبر میرے لئے
حمید میرٹھی

سفاک چتونیں بھی ہیں قاتل نظر بھی ہے
کیا بے خبر ہو گئے ہو تمہیں کچھ خبر بھی ہے
جگر

نہ مجھ بے زباں کی کھلے گی زباں
نہ اس بے خبر تک خبر جائے گی
شبنم رومانی

عالم اضطراب میں اے دوست
ہم کو اپنی خبر نہیں ملتی

ایسے بندے بھی ہیں خدائی میں
مرگئے ہم انہیں خبر نہ ہوئی
عیش

مجھ کو تم پوچھنے آئے تو قیامت کیا تھی
ایک کی ایک زمانے میں خبر لیتا ہے
تائید

یہ بھی ہم کو خبر نہیں اب تک
عیش کیا چیز ہے خوشی کیا ہے
"

خدا

میر ثنا
اچھا یقیں نہیں ہے تو کشتی ڈبو کے دیکھ
اک تو ہی ناخدا نہیں ظالم خدا بھی ہے

مرزا فانی
خدا بخشے وہ میرا شوق میں گھبرا کے کہہ دینا
کسی کے ناخدا ہوں گے مگر میرے خدا تم ہو

حسرت
اگر ہے ناخدا ناخوش تو کیا ہے
ابھی میرا خدا ہے اور میں ہوں

غالب
زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

کس کا بندہ ہوں کس پہ مرتا ہوں
اب یہ تم جانو یا خدا جانے

داغ
دی مؤذن نے شب وصل اذاں پچھلی رات
ہائے کم بخت کو کس وقت خدا یاد آیا

حشر
نگاہ ناپاک روح میلی زبان جھوٹی خیال گندے
کچھ ایسا آیا ہے اب زمانہ کہ وہ خدا ہو نہ ہیں وہ بندے

امیر
کسی زمیں کی محفل کا ذکر کیا ہے امیر
خدا کے گھر بھی نہ جائیں گے بے بلائے ہوئے

آسی
کہتے ہو اور کو نہ چاہو
معلوم ہوا کہ تم خدا ہو

اکبر
ذہن میں جو گھر گیا لا انتہا کیوں کر ہوا
جو سمجھ میں آگیا پھر وہ خدا کیوں کر ہوا

"
فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور میں الجھا ہوا ہے اور سرا ملتا نہیں

"
مذہب کبھی سائنس کو سجدہ نہ کرے گا
بندہ جو اڑے بھی تو خدا ہو نہیں سکتا

شیفتہ
اطبا کو تو اپنی فیس لینا اور دوا دینا
خدا کا کام ہے لطف و کرم کرنا شفا دینا

ہر تصور ہے غلط ذات الٰہی کے لیے
جو تصور میں نہ آئے وہ خدا ہوتا ہے

ناسخ
خدا کے کام کچھ آلات پر نہیں موقوف
ابو البشر ہوئے بے مادر و پدر پیدا

رند
مہر و مہ ارض و سما جن و ملک وحش و طیور
سب یہ فانی ہیں مگر ذات خدا باقی ہے

غالب
جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

میکش
آنکھ جس دن سے کھلی ہے اپنی
ذرہ ذرہ میں خدا دیکھتے ہیں

محشر
کفر بھی دل کی امنگوں سے جوانی میں ہے
میں نے دیکھا ہے حسینوں کا خدا ہو جانا

خراب

زہے نصیب وہ کہتے ہیں مہرباں ہو کر — خراب ہے تری نیت پہ تو خراب نہیں — شمشاد

جس کو دیتے ہو اپنے دل میں جگہ — اس کو خانہ خراب کرتے ہو

گر پڑے بننے سے پہلے ہوں میں وہ خانہ خراب — میں کروں کاشانہ گر تعمیر اپنے ہاتھ سے — میکش

اب تک ہے لاش عاشق مسکیں کی بے کفن — مر جانے والے کی ترے مٹی خراب ہے — زاہد

ہو برا اس دل کا رکھا عمر بھر خانہ خراب — جس کو دیکھا اس پہ یہ خانہ خراب ہی گیا

خط

خط کے آنے سے گیا جانِ وقارِ عارض — زنگیوں نے کیا تاراج دیارِ عارض — شفیق بریلوی

ایک جا باہم ہیں گویا صبح و شام — روئے روشن صبح ہے اور شام خط — ؍؍

حسن کب کا عدم میں جا پہنچا — خط ہے اس کی رسید کا آیا

بد خط سمجھ کے خط کو مرے چاک کر دیا — خط کی خطا نہ تھی مرا لکھا خراب تھا — اکبر میرٹھی

کانپتے ہاتھوں سے یہ خط لکھ تو دیا ہے میں نے — اب نہ پہنچے نہ پڑھا جائے تو لکھا میرا

خط میں حالِ دلِ پُر آبلہ ہم نے جو لکھا — نامہ بر پھوٹ کے روئی ہے سیاہی کیا کیا

پڑھنا اگر یہ خط تو بہت ہی سنبھال کر — کاغذ میں رکھ دیا ہے کلیجہ نکال کر

زندگی تیری جدائی میں مصیبت ہو گئی — تیرا خط آئے ہوئے بھی ایک مدت ہو گئی — ذوقی علیگ

کیا کیا فریب دل کو دیے اضطراب میں — ان کی طرف سے آپ لکھے خط جواب میں — داغ

اس لئے لکھ رہا ہوں خط تم کو — دل کو تسکین مل سکے شاید

لکھا سو مرتبہ خط اور یہ کہہ کر چاک کر ڈالا — وہ کیوں اول سے آخر تک مری تحریر دیکھیں گے

میں وہ مجنوں ہوں کہ مجنوں بھی ہمیشہ خط میں — قبلہ و کعبہ لکھا کرتا ہے القاب مجھے — ذوقی

یہ چاہتا ہے شوق کہ قاصد بجائے مہر — آنکھ اپنی ہو لفافۂ خط پر لگی ہوئی

کیفِ دردِ ہجر کیوں کر خط میں لکھ کر بھیج دوں — جو نہ ہو منہ سے ادا وہ آئے کیا تحریر میں — میکش

ریحان
تم کو قسم خدا کی خدا کے رسول کی
ہم سے چھپا کے خط کسے بھجوائے جاتے ہیں

مصحفی
آگیا خط پہ مہر مو نہ گیا ناز ہنوز
ہے اسی ڈھب پہ نگاہِ غلط انداز ہنوز

غلط نہ تھا ہمیں خط پر گماں تسلی کا
نہ مانے دیدۂ دیدار جو تو کیوں کر ہو

خطا

یادامِ سیہ پر ہے کہاں سنبلِ مشکیں
یہ دامِ بلا ہیں کوئی آہو ہو خطا کا

سہیل
ہم نشیمن کو بھی رد دیں تو خطا ہوتی ہے
پھونک ڈالیں وہ چمن بھی تو ہنر کرتے ہیں

آدمی خامیوں کا پتلا ہے
کس بشر سے خطا نہیں ہوتی

رفعت
مسکرانے کی آرزو کر کے
ہم نے شاید بڑی خطا کی ہے

وفا خطا تھی خطا میں نے زندگی بھر کی
اب آگے آنکھ جو مرضی ہو بندہ پرور کی

میں یہ کہتا ہوں جو کچھ ہے خطا ہے دل کی
دل یہ کہتا ہے کہ حاشا میں خطاوار نہیں

رہ گئے ہیں وہ جس خطا سے وہی
مجھ سے ہر بار ہوئی جاتی ہے

مجھ پہ رکھتے ہیں وہ الزام ہوسکاری کا
یہ خطا اہلِ محبت سے کہاں ہوتی ہے

اکبر
اضافہ ہوئی مجھ سے گندم پہ مے
یہ پوتے سے بھی اک خطا ہو گئی

دلبر کی خطا دیکھی یا دل کی خطا نکلی
کیوں اہلِ نظر کس کی تقصیر نظر آئی

داغ
کون پوچھے یہ اس ستمگر سے
مرنے والے کی کچھ خطا بھی ہے

پرسش جو ان سے ظلم کی روزِ جزا ہوئی
اتنا ہی کہہ کے چھوٹ گئے وہ خطا ہوئی

خطا بشر کے لئے ہے بشر خطا کے لئے
معاف کیجئے میری خطا خدا کے لئے

بیخود
اب نام بھی وفا کا نہ لوں گا تمام عمر
مجھ سے خطا ہوئی مجھے بخشو کسی طرح

غالب
روک لو گر غلط چلے کوئی
بخش دو گر خطا کرے کوئی
.....

نساخ
خفا کیوں ہو گئے تم یہ ہوا کیا
مری تقصیر کیا میری خطا کیا

"
رنج ہے کہ تیرِ تغافل کچھ اس کی سزا نہیں
بس کم ہے یہ خطا کہ ہماری خطا نہیں

تری زلف و عارض کا شہرہ ہی ہر سو
کمین میں حسین ہیں ختن میں خطا ہیں
طپش دہلوی

پھنسے ہو دامِ بلا میں اگر کہو یہ ہاتھوں کو اب اٹھا کر
کہ عفو کر دے خطا ہماری الٰہی توبہ الٰہی توبہ
〃

سرِ محفل میں تم سے دور بیٹھوں
مگر یہ بھی تو سن لوں ہے خطا کیا
رضا

نہ سہی دل جگر کے پار ہوا
تیر تو آپ کا خطا نہ ہوا
مجروح

کیا خطا مجھ سے ہوئی رات کہ اس کافر کا
میں نے خود چھوڑ دیا ہاتھ میں داماں لیکر
مصحفی

خطا معاف غریبوں کا دل دکھانے سے
نہ آپ باز رہیں گے نہ آپ باز رہے
ارشد

خفا

اتنا لکھا ہو مری لوحِ مزار پر
اتنا نہ ذی حیات کو کوئی خفا کرے
سودا

آپ کیا بگڑے کہ تقدیر بھی ہم سے بگڑی
کون اس طرح سے دنیا میں خفا ہوتا ہے
مؤلف

کیا ہوا بھولے سے گر مصحفِ رُخ کو چوما
اتنی سی بات پہ بھی کوئی خفا ہوتا ہے

سزا کچھ سوچ لیجئے جرأتِ عرضِ تمنا کی
خفا ہیں آپ جب تک پھر وہی تقصیر ہوتی ہے
آغا حشر

مجھ سے خفا ہوں بھی تو جیسے ہیں وہ خفا
غیروں سے ہوں خفا بھی تو جیسے خفا نہیں
مومن

کبھی دل میں کبھی تصور میں
کبھی راضی کبھی خفا تو ہے
ہار

دیکھے اس وقت کوئی ان کو مری آنکھوں سے
گالیاں غیر کو جب ہو کے خفا دیتے ہیں
بیخود

توڑ کر عہدِ کرم ناآشنا ہو جائیے
بندہ پرور جائیے اچھا خفا ہو جائیے
حسرت

کبھی وہ خفا تو کبھی ہم ہیں برہم
یہی طور ان کے ہمارے رہیں گے
ضیا اسعدی

خبر کیا تھی ان سے خفا ہو کے اے دل
کہ الٹا انہی کو منانا پڑے گا
اختر

نزع کے وقت دیکھنے آئے
جائیے آپ سے خفا ہیں ہم
ازل لکھنوی

ہے یہی بات میری دشمنِ جاں
تو کسی سے خفا نہیں ہوتا
نساخ

کیوں خفا ہو گئے ہوا کیا ہے
یہ تو فرمائیے ماجرا کیا ہے
نساخ

کہنا تھا کوئی داورِ محشر سے سرگذشت
اچھا کسی کی بات سے تم کیوں خفا ہوئے
جاوید

جاوید
اب قبر پر پکاریئے دیں گے نہ ہم جواب
پہلے خفا حضور تھے اب ہم خفا ہوئے

امیر
آئے جو میری لاش پہ وہ طنز سے بولے
اب میں ہوں خفا تم سے کہ تم مجھ سے خفا ہو

طپش بروردی
مجھ سے خفا ہیں وہ تو مناؤں گا میں انہیں
ٹوپی رکھوں گا پاؤں پہ جوڑوں گا جا کے ہاتھ

سلطان
زمانے میں مشہور اب ہو گیا ہے
خفا ہو کے ملنا دوبارا تمہارا

مومن
نارسائی سے دَم رُکے تو رُکے
میں کسی سے خفا نہیں ہوتا

خنجر

مقصد ہے ناز و غمزہ ولے گفتگو میں کام
چلتا نہیں ہے دشنہ و خنجر کہے بغیر

جری
ہوتا جاتا ہے جواں قاتل مبارک ہو جری
آتے جاتے ہیں وصالِ خنجر و گردن کے دن

الٰہی خیر وقتِ امتحانِ دستِ نازک ہے
کٹا جاتا ہوں میں قاتل سے خنجر اُٹھ نہیں سکتا

غالب
ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں
تو ہی جب خنجر آزما نہ ہوا

محشر
بندہ پرور اب تو عذرِ قتل سے رکھئے معاف
لیجئے یہ تیغ یہ خنجر ہمارے ساتھ ہے

فانی
منہ پھیر کر کیوں ذبح کرتے ہو ادھر دیکھو
رگِ گردن پہ خنجر کی روانی دیکھتے جاؤ

داغ
ہم نے ان کے سامنے پہلے تو خنجر رکھ دیا
پھر کلیجہ رکھ دیا۔ دل رکھ دیا سر رکھ دیا

محزون
میرے گلے کا زخم کوئی دیکھتا نہیں
سب محوِ دید آپ کے خنجر کے ہو گئے

رئیس
خود گلا کاٹوں مجھے خنجر عنایت کیجئے
دیکھئے دکھ جائے گی نازک کلائی آپکی

رونق
یہ عاشقی کی شان وہ انداز دلبری
ہم سر بکف وہ ہاتھ میں خنجر لئے ہوئے

فضل
زمیں سے خون اُبلے آسماں سے خوں کا مینھ برسے
جو چھو جائے رگِ گردن مری قاتل کے خنجر سے

بیخود
پھیر کر خنجر مری گردن پہ یہ ارشاد ہے
اب تو حسرت مٹ گئی ارمان پورا ہو گیا

بشر
سینکڑوں تشنہ گلو کاٹ دئے او قاتل
اب بھی لبِ آب ترا خنجرِ براں نہ ہوا

چلے ہیں پیاس بجھانے کو تشنگانِ وفا
سبیل رکھی ہے قاتل نے آبِ خنجر کی

مشتری
سر جھکائے ہوئے ہیں دیر سے ہم
آپ خنجر لگائیے تو سہی

اے آرزوئے قتل مبارک ہو آج تو — خنجر ہے جس کا نام وہ ان کی کمر میں ہے — نائل دہلوی

دشمن جاں ہیں مرے اللہ اکبر سیکڑوں — ایک دل کے واسطے ہیں تیز خنجر سیکڑوں — ہلال امروہوی

خواب

تا پھر نہ انتظار میں نیند آئے عمر بھر — آنے کا وعدہ کر گئے آئے جو خواب میں — غالب

ہے غیب غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود — ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں — "

غافل وہ خود ہے جو کہے عاقل شباب تھا — بیداریاں ہوں جس پہ تصدق وہ خواب تھا — رزم

ہم محبت کا نہ کرتے تذکرہ — کیا کریں ایک خواب تھا یاد آ گیا

کون آیا غریب خانے تک — کیا کوئی خواب دیکھتا ہوں میں

ق

طفلی دیکھی شباب دیکھا ہم نے — ہستی کو حباب آب دیکھا ہم نے

جب بند ہوئی آنکھ تو عقدہ یہ کھلا — جو کچھ دیکھا سو خواب دیکھا ہم نے — انیس

بولا وہ جیسے تیری تصویر نظر آئی — یہ خواب زلیخا کی تعبیر نظر آئی — سودا

رات کا خواب الٰہی توبہ — آپ سنئے گا تو شرمائیے گا — امانت

وعدے کے اپنے سچے تھے آئے وہ خواب میں — ناظم تمہیں کو نیند نہ آئی تمام رات — ناظم

نہ بوریا بھی میسر ہوا بچھانے کا — ہمیشہ خواب ہی دیکھا کئے چھپر کھٹ کا — آتش

میں اور یار اور شب ماہتاب ہے — یارب مجھے خیال ہے یہ یا کہ خواب ہے — اثر

بیان خواب کی طرح جو کر رہا ہے — یہ قصہ ہے جب کا کہ آتش جواں تھا — آتش

دیکھا جو میں نے صبح کو اٹھ کر تو کچھ نہ تھا — شب کو حسین خواب میں آتے چلے گئے — ریاض

جس شے کو دیکھ آنکھ سے خواب و خیال ہے — بیداری اے وزیر یہاں عین خواب ہے — وزیر

خواب میں آ کے وہ کہتے ہیں کہیں برسوں میں — اب بھی نساخ نہیں مانتے احساں میرا — نساخ

ایسی تنہائی میں غنیمت ہے — خواب میں بھی تمہارا آ جانا — شمسی

وہ کیا گئے کہ نیند بھی آنکھوں سے لے گئے — یعنی وہ خواب میں بھی نہ آئے تمام رات — شمیم صہبو

خوشی

نہیں ہے وقت معین کوئی خوشی کے لئے
خوش اپنے دل کو رکھے جب تلک جہاں میں جئے
— عزیز

جو دل پہ چوٹ نہ کھائے وہ آدمی تو نہیں
بغیر غم جو میسّر ہو وہ خوشی تو نہیں
— نیطریاے

غم مجھ کو راس ہو کہ نہیں یہ نہ پوچھئے
یہ دیکھئے کہ آپ کی اس میں خوشی تو ہے
— رشی پٹیالوی

خدا کی دین میں بندوں کا اختیار ہی کیا۔
کسی کو غم نہ ملا اور مجھے خوشی نہ ملی
— اختر زیدی

جنھیں ملی ہے خوشی خوش رہیں وہ دنیا میں
مجھے تو اس کی خوشی ہے مجھے خوشی نہ ملی
— ؍؍

دل ایسا بجھ گیا ہے زندگی سے
نہیں ہوتی خوشی بھی اب خوشی سے

یوں تو چھائی غم میں ہی اک عمر کٹی
شاد کیا کوئی خوشی بھی مرے گھر آئیگی

آپ ہیں اور غیر کی دلجوئیاں
آپ کو میری خوشی سے کیا غرض
— کاظمی

وہ شاد میری پریشانیوں پہ ہیں کیا کیا
انہیں بھی آج خوشی مل گئی مرے غم سے

آگے نہ اس سے بڑھ سکا افسانہ حیات
غم رات دن ہی اور خوشی ہی کبھی کبھی
— نواب

مجھے اب کیا غرض رنگینیٔ دنیا سے اے ظالم
تصدق کی ترے قدموں پہ اپنی ہر خوشی میں نے
— رونق

خدا رکھے وفاؤں پہ ہماری شکوہ کرتے ہیں
خوشی پہ جن کی دنیا کی خوشی قربان کی ہم نے

الٰہی وصل کی شب اور مختصر اتنی
ہزار رنج اٹھائے تھے ہر خوشی کے لئے
— نیتر

اک ذرا سی امید پر یہ حال
آدمی کی خوشی کو کیا کہیئے
— ماہر القادری

کبھی ہنسے کبھی روئے یہ زندگی کیا ہے
اب ایک بات بتادے تری خوشی کیا ہے
— حیات

غلط ہے یہ جو کہوں آج تک خوشی نہ ملی
مگر میں جس کو خوشی کہہ سکوں کبھی نہ ملی
— اختر زیدی

رہیں آباد یہ بڑھتے ہوئے غم
خوشی کی دل میں گنجائش کہاں ہے
— سراج

غم عشق میں انتہا کی خوشی ہے
جہنم میں فردوس کی تازگی ہے
— جہتر مستقل

وہ خوشی کی دید کے قابل ہی جب ہوتا ہی شاد
مضطرب کو مضطرب مضطر کو مضطر دیکھ کر
— داغ

کوئی خوشی خوشی نہیں اپنے لئے شفیق
کس کی نگاہ نے سبقِ غم پڑھا دیا
— شفیق

خوشی یہ آپ کے آنے کی ہو سارے زمانے کو — کہ اب تو لوگ باتیں کرتے ہیں شہر خموشاں میں — رشید

وہ کون سی شے ہے جسے پاتے نہیں دل میں — لیکن نہیں پاتے تو خوشی کو نہیں پاتے — ذوق

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے — اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے — "

خون

گلشن کو ہجر یار میں صحرا بنائیے — ہر اک روش کو خون جگر سے سجائیے — احسن اللہ ثاقب

اے شفق خون میں جب ڈوب کے تو آتی ہے — مجھ کو اپنے دل خوں گشتہ کی بو آتی ہے

میرا مرنا ان کے گھر شادی ہوئی — خون کے چھاپے لگے دیوار میں

بخش دوں خون ابھی داور محشر اپنا — وہ یہ کہہ دیں اسے مارا ہے سمجھ کر اپنا — رشید

ہونے والا ہے کسی بے کس کا ان ہاتھوں سے خوں — یہ بتاتا ہے برہمن دست جاناں دیکھ کر — موہن لال رواں

لہو کب تک یوں ہی بہتا رہے گا بے گناہوں کا — کرے گا آدمی کا خون آخر آدمی کب تک

چشم مست یار میں آخر ہوئی سرخی عیاں — لو ہمارا خون پنہاں آشکارا ہو گیا — ذوق

ہم نہیں وہ جو کریں خون کا دعویٰ تجھ پر — بلکہ پوچھے گا خدا بھی تو مکر جائیں گے

لائے گا رنگ حشر میں کل خون بے گناہ — دامن بچا کے آج جو قاتل نکل گیا — ریاض

مرا خوں تجھ پہ خوں ثابت کرے گا — کنارے بیٹھ کے ہاتھوں کو دھونا — بہر

نہ مارا جان کر بے جرم قاتل تیری گردن پر — رہا مانند خوں بے گنہ حق آشنائی کا

قریب ہے یارو روز محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر — جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

خیال

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن — دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے — غالب

مانوس ہو گیا ہوں غم روزگار سے — جالے خیال یار مرا جی بہل گیا — ہرچند کوثر

کیا بتاؤں دوست کیا شے تھی وہ دنیائے خیال — اک تماشہ تھا کہ وہ آتے رہے جاتے رہے — صابر

بزم عشرت میں بہاروں سے بہلنے والے — کیا تجھے غم کے بھی ماروں کا خیال آتا ہے

خیالات ہی کا تاثر تو ہے ۔۔۔ مری جیت بھی مات ہوتی رہی

یہ مانتا ہوں کہ میں تجھ کو پا نہیں سکتا ۔۔۔ ترا خیال مرے دل سے جا نہیں سکتا ۔۔۔ طپش امروہوی

دل سے خیالِ افعی کا کل نکالئے ۔۔۔ کیا لطف آستیں میں جو موذی کو پالئے

آپ کرتے ہیں جفا اور میں سمجھتا ہوں وفا ۔۔۔ پختگی تو دیکھئے میرے خیالِ خام کی

دیکھ کر تجھ کو مجھے ایسا خیال آتا ہے ۔۔۔ جیسے قدرت نے بنایا ہے تجھے میرے لئے

بے خیالی سی چھانے لگتی ہے ۔۔۔ جب کسی کا خیال آتا ہے

مجھ کو بھلا سکیں گے نہ ہرگز وہ اے منیر ۔۔۔ اکثر اسی خیال سے راحت ملی مجھے ۔۔۔ منیر

کہہ تو سکتا ہوں میں رودادِ پریشاں گوہر ۔۔۔ ان کی مژگاں کے ستاروں کا خیال آتا ہے ۔۔۔ گوہر

تجھ سے بگڑ کے جب چلا تجھ سا حسین ڈھونڈنے ۔۔۔ تیرا خیال بے وفا آیا کہاں کہاں نہ پوچھ

تم جو کہتے ہو وہی کر کے دکھاؤ تو ہی ۔۔۔ صرف ان اونچے خیالات سے کیا ہوتا ہے ۔۔۔ بشیر

وہ کیا کسی کے چشمِ تصور میں آئیگا ۔۔۔ جس کی مثال بھی نہیں آتی خیال میں

ہزار انجمنیں دیکھ لیں کہیں نہ ملا ۔۔۔ وہ ایک لطف جو تنہا خیالِ یار میں ہے ۔۔۔ بیخود

داستاں گو نے سنایا حالِ قیس ۔۔۔ کیا کہوں کیا کیا خیال آنے لگے ۔۔۔ ناصری

اٹھواؤ میز سے مے و ساغر ریاض جلد ۔۔۔ آتے ہیں اک بزرگ پرانے خیال کے ۔۔۔ ریاض

جیسے تم نے مجھے پکارا ہے ۔۔۔ اکثر ایسا خیال آتا ہے ۔۔۔ بشیر

بس مر رہا ہوں تم پہ فدا تم ہو غیر پر ۔۔۔ میرا خیال کیا ہے تمہارا خیال کیا ۔۔۔ میکش

ڈاک پر اپنی وہ تصویر نہ کیوں بھجواتے ۔۔۔ ان کو نساخ نہیں گر مری تسکیں کا خیال ۔۔۔ نساخ

جس کے رخسار کو نیلا کرے بوسہ کا خیال ۔۔۔ ایسے نازک سے نکالے کوئی ارماں کیوں کر

خیالِ ترکِ محبت تو بار بار ہوا ۔۔۔ مجالِ ترکِ محبت نہ ایک بار ہوا ۔۔۔ موسیٰ رضا

داستاں

نہ رعبِ حسن میں بہکے کہیں زباں میری ۔۔۔ وہ آج آئینگے سننے کو داستاں میری ۔۔۔ جدید

پژمردہ پھول شمع اُداس آسمان سفید — محفل کا خاتمہ ہے مری داستاں کے بعد

جس کو کہتے ہیں خاک پروانہ — وہ بھی اک داستان میری ہے

ہنسی ٹھٹا نہیں ہے اس کا سننا — جگر پھٹتا ہے میری داستاں سے — مجروح

تم آئے پھر سنبھالا لے لیا بیمارِ فرقت نے — مکمل ہوتے ہوتے رہ گئی پھر داستان میری — شمشاد

پھٹے دامن میں شرحِ حالِ چشمِ خونفشاں رکھ دی — ورق تھا ایک لکھ کر جس پہ ساری داستاں رکھ دی — آرزو

الٹ کر ان کے اک فقرے نے ساری داستاں رکھ دی — کہ تاثیرِ سخن پر تہمتِ حسنِ بیاں رکھ دی

کہانی میری رودادِ جہاں معلوم ہوتی ہے — جو سنتا ہے اسی کی داستاں معلوم ہوتی ہے — سیماب

نہ تم سنوگے نہ میں کہہ سکوں گا جانے دو — کلیجہ چاہیے فرقت کی داستاں کے لئے — محسن

لطف میری داستاں دے جائے گی — تیرے دل میں درد ہونا چاہیے

عجب دل کشی تھی مری داستاں میں — میں حیرت میں ڈوبا سناتے سناتے — مومن

مری داستانِ فراق نے شبِ وصل طرفہ مزا دیا — کبھی میں نے رو کے ہنسا دیا کبھی اس نے ہنس کے رلا دیا — ثروت

قلم نشتر ہے جس دل کاغذ لہو خود روشنائی ہے — مرے آنسو مرتب کر رہے ہیں داستاں میری — نفضل

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا — ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے — صفی

بتایا جا رہا ہے قافلہ منزل پہ آ پہنچا — مگر اس قافلے کی داستاں کچھ اور کہتی ہے — بیخود

مری داستانِ غم ہے مرا قصۂ الم ہے — جیسے کہہ رہی ہے دنیا مرے نام کو بدل کے — طالب بہرائچی

داستانِ دردِ دل کے سننے والے رو دئے — اور ابھی تو ابتدائی باب کا آغاز تھا — فضل

آدمی کی داستانِ خوں چکاں — سینۂ تہذیب کا ناسور ہے — گلشن

سُنا کر حالِ دل عرضِ تمنا کی تو فرمایا — اِن ہی باتوں سے لطفِ داستاں باقی نہیں رہتا — اختر ایم اے

کچھ بلبلوں کو یاد ہے کچھ قمریوں کو حفظ — عالم میں ٹکڑے ٹکڑے مری داستاں کے ہیں — جمیل سہسوانی

یہ مانا قصۂ غم سے تمہارا جی بہلتا ہے — مگر تم کو سنائیں دردِ دل کی داستاں کب تک — شبلی

کہے گا اُن سے کیا قاصد زبانی داستاں میری — بیانِ سوزِ دل سے جب کہ جلتی ہے زباں میری — ثاقب امروہوی

رؤف
زبانِ حال سے اس طرح داستاں چھیڑی
کہ پہلے اشک بڑھے شرحِ داستاں کے لئے

اکبر
نگاہیں مل گئی تھیں ان کی میری آتے محفل میں
یہ دنیا ہے بس اتنی بات پھیلی داستاں ہو کر

جمال
نہ چھیڑو چارہ گرو اس کو راز رہنے دو
بیاں نہ ہوگی محبت کی داستاں ہم سے

شفیق
سحر تک ختم ہے اے شمعِ محفل روشنی تیری
زبانوں پر رہے گی داستانِ خاکِ پروانہ

زبانوں پہ دلوں کی بات بھی ہم لا نہیں سکتے
جفا کو بھی وفا کی داستاں کہنا ہی پڑتا ہے

داستانِ حسنِ حقیقت کی تھی رنگیں لیکن
اتنی رنگین نہ تھی خونِ شہدا سے پہلے

مہروش
داستاں حسن کی سادہ سا ورق تھی پہلے
عشق نے خون سے رنگیں کیا افسانے کو

شاکر
ترا جور بے جا مری بے زبانی
یہ بلبل کی اک داستاں ہو نہ جائے

محبت کی توقع اور جہاں سے
ہٹا دو اب یہ ٹکڑا داستاں سے

نجم آفندی
قضا سے ساز کر کے بند کرتے ہو زباں میری
خدا چاہے تو خود کہتے پھرو گے داستاں میری

رند
قفس کو شام سے لٹکا کے فرشِ خواب کے پاس
سنا گیا مری تا صبح داستاں صیاد

ساحر کریمی
داستانِ غم کہیں تو کیا کہیں
جانتے ہیں کہہ کے پچھتائیں گے ہم

بیدی سحر
ہم تو مرتے ہیں اے وفا والو
ختم یہ داستاں نہ ہو جائے

اقبال
اڑائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

داستانِ دل کی ہے عجب مونس
جو کسی سے کہی نہیں جاتی

میں شرمندہ ہوں اپنی ہر خوشی سے
گھٹی ہے داستانِ غم کہاں تک

تکمیل پا چکی ہے محبت کی داستاں
اب تم کہو جہاں سے سنائیں وہاں سے ہم

کبھی نغمے کبھی نوحے زباں پر
بڑی پُر کیف میری داستاں ہے

اٹھا تھا شورِ قیامت کسی کی محفل میں
کہاں سے میں نے کہی داستاں نہیں معلوم

وہ اور میرا حالِ زار کریں غیر سے بیاں
لو آج داستانِ عشق کی تکمیل ہو گئی

لطفی
آج پھر قسمت آزمائی ہے
داستاں دل کی پھر سنانی ہے

مری داستاں اور میری زبانی
نہ میں کہہ سکوں گا نہ تم سن سکو گے

جو داستانِ شبِ غم انہیں سنا دیتے
ستارے اُن کی مژہ پر مچل گئے ہوتے

وہ دنیا تھی جہاں تم بند کرتے تھے زباں میری
یہ محشر ہے یہاں سننی پڑیگی داستاں میری
فانی

داستانِ غم نے دل جیسی بڑھائی اس قدر
بعد ہر فقرے کے وہ پوچھا کئے پھر کیا ہوا
واقف

نہ شمعیں ہیں نہ محفل ہے نہ کوئی سننے والا ہے
مگر ہم ہیں کہ بیٹھے کہہ رہے ہیں داستاں اپنی

بیان خاک ہو سوزِ غمِ نہاں اسعد
شرار و برق ہیں دو حرف داستاں کے لئے
اسعد

ناصری کب تک یہ دل کی داستاں
ہم تو ان باتوں سے گھبرانے لگے
ناصری

کر دے صبا جو خاکِ لحد میری منتشر
پھر تو زباں زباں پہ مری داستاں رہے
مؤلف

آ تو جگر سنائیں تمہیں داستانِ دل
تنہا شبِ فراق میں گھبرا رہے ہو تم
جگر

کہاں سے لائے گا قاصد بیاں میرا زباں میری
مزا جب تھا کہ خود سنتے وہ مجھ سے داستاں میری
اقبال

سمجھ رہا ہوں میں منتہائے طولِ روزِ حشر
کہ وقت چاہیئے فرقت کی داستاں کیلئے
عیاں

یہ دل کی داستاں مضطر ہے جس کو دنیا میں
کہیں آنسو کہیں موتی کہیں شبنم بھی کہتے ہیں
سحاب قزلباش

واقف نہیں ہے رازِ حقیقت سے قصہ گو
نیند آئے جس کے سننے سے وہ داستاں نہیں
کیفی

ہے دنیائے محبت زلزلے میں
یہ کس شوریدہ سر کی داستاں ہے

کسی پر بارِ خاطر ہو نہیں سکتی فغاں میری
شبِ تاریک ہے زنداں ہے میں ہوں اور داستاں میری
ادیب

داغ

اے لالہ گو فلک نے دیئے تجھ کو چار داغ
چھاتی مری سراہ کہ اک دل ہزار داغ
سودا

روز و شب یاں ایک سی ہے روشنی
دل کے داغوں کا چراغاں اور ہے

خلق کرنا تھا غمِ عشق کے قابل مجھ کو
جتنے تھے داغ نہ کیوں اتنے دیئے دل تجھ کو
صفی

داغ کتنے ہیں مرے سینے میں
دوست ان کا شمار رہنے دے
نجم منظر نگری

تم خود جب اپنی شوخ ادائیں نہ گن سکے
ہیں داغ ہائے دل کا کروں کس طرح شمار

طپش ازہری

فصلِ گل میں جوشِ وحشت کے نئے انداز ہیں
آگ گلشن میں لگا دیتے ہیں داغِ دل سے ہم

کب دلِ پُر داغ سے ہے داغہائے تن میں آگ
ہائے لالے نے لگائی ان دنوں گلشن میں آگ

:

باغ میں لالہ تو گردوں پر قمر پُر داغ ہے
رشکِ رُخ سے دہر رکھتا ہے دلِ دشمن میں آگ

انگر بندر آزاد

دلِ پُر داغ میں کیونکر نہو مژگاں کا خیال
ہم تو ان کانٹوں کو پھولوں میں نہاں رکھتے ہیں

سوزشِ دل نے الٰہی کون سی کی تھی کمی
جو جلانے کو مرے داغِ جگر پیدا ہوا

مبارک عظیم آبادی

چُھڑانے سے نہ چھوٹے گا اے ظالم نہ بن لڑکا
وفاداروں کے خوں کا داغ کیا دھبہ ہے کیچڑ کا

فانی

کسی کی حالتِ سوزِ نہانی دیکھتے جاؤ
ذرا اللہ داغِ قلبِ فانی دیکھتے جاؤ

حامد

یہ داغ جتنے دل میں کسی خستہ جاں کے ہیں
کچھ آپ کے دیئے ہوئے کچھ آسماں کے ہیں

ہنس ہنس کے مرے داغِ جگر آپ نہ دیکھیں
تاریک گھروندے کو چراغاں نہ کریں آپ

مولانا سبط حسن

میں کیا بتاؤں کہاں داغ ہے کہاں دل ہے
جسے سمجھتے ہو تم داغ بس یہیں دل ہے

دیکھ کر دل کو یار کہتا ہے
چیز اچھی تھی گر نہ لگتا داغ

در

مہر

کس کو کہتے ہیں نہیں میں جانتا اسلام و کفر
دیر ہو یا کعبہ ہو مطلب مجھ کو تیرے در سے ہے

حامد

اُٹھتے اس در سے خلافِ وضع تھا
ہو گئے جس کے اسی کے ہم رہے

فیض امروہوی

اے حضرتِ دل کیسے اُٹھوں یار کے در سے
تم ایک قدم مجھ کو تو چلنے نہیں دیتے

رضا

در بدر کی ٹھوکریں کھانے سے کیا حاصل رضا
آبرو ہے گر تو ان کے در پہ مرجانے میں ہے

میکش

بابِ رحمت کی طرح کھول دے میخانے کا در
منتظر دیکھ تو کب سے ترا شیدائی ہے

جاوید

آج اس در پہ گئے پھر جاوید
واہ وہ عہد وہ پیماں گیا

رؤف

آپ کے در سے اگر جائیں گے ہم
آپ دیکھیں گے کہ مرجائیں گے ہم

جدید

فقط یہ سوچ کے بیٹھا نہ یار کے در پر
کہ لوگ رشک کریں گے مرے مقدر پر

راز

کبھی مشکوک تھا آ بیٹھنا میرا ترے در پر
مگر مذموم ہے اب تو مرا اٹھنا ترے در سے

درِ مے خانہ ہے اِک مبدءِ فیض
نکل آتے ہیں کچھ کامل یہیں سے

فرصتِ رنج اسیری دی نہ اِن دھڑکوں نے ہائے
اب چھُری صیاد نے لی اب قفس کا در کھلا
غالب

کنج میں بیٹھا رہوں یوں پر کھُلا
کاش کہ ہوتا قفس کا در کھُلا
؍؍

بندگی میں بھی ہوں وہ آزادہ خودبیں ہیں کہ ہم
الٹے پھر آئے درِ کعبہ اگر وا نہ ہوا
؍؍

اپنا نہیں یہ شیوہ کہ آرام سے بیٹھیں
اس در پہ نہیں بار تو کعبہ ہی کو آئے
؍؍

درد

درد منت کشِ دوا نہ ہوا
میں نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا
غالب

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں رلائے کیوں
؍؍

رات بھر تڑپا کیا ہے دردِ فرقت میں قمر
پوچھ لو تاروں سے تارے آنکھ بھر تکا کیے

کس کس جگہ بتاؤں تمہیں پوچھتے ہو کیا
دل میں جگر میں سینے میں پہلو میں درد تھا
حامد

سب مرض آ گئے سمجھ میں مگر
ایک دردِ جگر نہیں آتا
رؤف

لیکے دل درد دیے جاتے ہیں
وہ یہ اندھیر کیے جاتے ہیں
؍؍

جس شے پہ کی نگاہ نظر آئی بے قرار
اس درجہ دل میں آپکی فرقت سے درد تھا
حامد

للہ مرے درد کا درماں نہ کریں آپ
احساں یہی مجھ پہ کہ احساں نہ کریں آپ

ہاتھ رکھیں گے کلیجہ پہ وہ پھر تسکیں
اے مرے دردِ جگر پھر مجھے تڑپا جانا

کیوں کر نہ ہو کہ جذبِ محبت کا تھا اثر
بے چین وہ بھی تھے جو مرے دل میں درد تھا

راہ چلتوں کو بھی بالیں پہ بٹھا لیتا تھا میں
میرے دردِ دل کے اُٹھنے کا نیا انداز تھا
بیتاب

اُٹھا ہے شام ہی سے آج درد پہلو میں
سحر تک اے مرے پروردگار کیا ہوگا

بخشا خدا نے وہ دلِ درد آشنا مجھے
ہر معرکہ ہے معرکۂ کربلا مجھے

منھ جو فرقت میں زرد رہتا ہے
کچھ کلیجے میں درد رہتا ہے

جسے میں دیکھتا ہوں درد کے عالم میں ڈوبا ہے
فنا یہ کون جانے درد کی دنیا کہاں تک ہے
فنا

انسانیت کا جوہرِ یکتا لئے ہوئے — جیتے ہیں دل میں درد کی دنیا لئے ہوئے

مسکرا کر جو ہمیں بخش گئے لذّتِ درد — اب وہی درد کی تفسیر سے گھبراتے ہیں

(شارقؔ) دل بھلائے اُس کو شارقؔ کس طرح — جس کے ملنے سے ملا دردِ جگر

تم نے تکلیف پرسش غم کی — مل گئی داد دردِ پیہم کی

(جوشؔ ملسیانی) دم بھر بھی مزا زیست کا حاصل نہیں ہوتا — پہلو میں اگر درد بھرا دل نہیں ہوتا

(پرفیسر نثار) مور پکارے بلبل چہکے کوئل کوکے بھونرا گائے — کوئی کسی کا درد نہ سمجھے جب تک دل پہ چوٹ نہ کھائے

(حیرتؔ) جنونِ وفا مستقل چاہیئے — ذرا دیر کا دردِ سر کچھ نہیں

(حسرتؔ) ان کے ہونٹوں پہ تبسم مری آنکھوں میں نمی — کس قدر رنگین حسرتؔ درد کی رُوداد ہے

تمہاری یاد سے اب بھی سکون ملتا ہے — اگرچہ درد میں کوئی کمی نہیں ہوتی

متاعِ درد کو دل سے عزیز رکھتا ہوں — کہ یہ کسی کی محبت کی یادگار تو ہے

(احسنؔ) ہے دل پہ کوئی چوٹ اٹھائے ہوئے احسنؔ — انداز ہے پُر درد جب ہی اس کے سخن کا

یہ فقط نہیں ہے کافی میرا مزاج پوچھیں — مرے دردِ دل کو سمجھیں مری احتیاج پوچھیں

(آزاد سہارنپوری) تم اپنے درد کی لذت نہ پوچھو — قیامت کا مزا ہے اور میں ہوں

زندگی تھی بے مزا آرام تھا تکلیف دہ — آشنا دردِ محبت سے مرا جب دل نہ تھا

(بیخودؔ) سینۂ بیمارِ غم خلوت سرائے درد ہے — دل نہیں پہلو میں اب دل کی بجائے درد ہے

(،،) ہاں وہی کچھ جانتا ہے دوسرے کے درد کو — جس کے دل میں درد ہے جو مبتلائے درد ہے

(،،) کیا گذرتی ہے کسی پر آپ کو معلوم کیا — آپ کا دل تو ابھی ناآشنائے درد ہے

(،،) کم نہ ہو یہ دردِ دل اچھا نہ ہو یہ دردِ دل — چارہ گر خود درد ہی میرا دوائے درد ہے

(مؤلف) کاظم کو بتاتا ہے یہ غنچوں کا چٹکنا — دل میں جو نہ ہو درد تو وہ دل ہی نہیں ہے

(مانیؔ) چارہ سازی تو مناسب ہے مگر یاد رہے — نہ رہا درد اگر دل میں تو دم بھی نہ رہا

اے دردِ دل اب تو خدا کے لئے نہ چھیڑ — دل میں کراہنے کی بھی طاقت نہیں رہی

خوگرِ رنج و الم دل کو بنا دیتا ہے ۔ درد اُٹھتا ہے تو ایسے کہ مٹا دیتا ہے ۔ سیفی
دردِ دل کتنا پسند آیا اُسے ۔ میں نے جب کی آہ اس نے واہ کی ۔ آسی
وہ نہیں ہیں تو درد کو ان کے ۔ سینے سے ہم لگائے بیٹھے ہیں ۔ مجروح
ذرا سے درد نے ڈھائیں ہیں آفتیں کیا کیا ۔ پٹک رہا ہے زمیں پر اُٹھا اُٹھا کے مجھے ۔ ریاض
خاک ہوگا دردِ فرقت کا مسیحا سے علاج ۔ داغ دل پر سیکڑوں ہیں زخم دل پر سیکڑوں ۔ افسر
لاکھ تدبیر کرو جینے کی کیا ہوتا ہے ۔ دردِ دل سانس کے لینے سے سوا ہوتا ہے ۔ نساخ
پیدا کریں گے عشق سے ہم خود علاجِ عشق ۔ بیٹھے رہیں وہ درد کا درماں لئے ہوئے ۔ بیدی سحر
کیا درد کو منتخب ان کے میں نے ۔ کہ پہلو میں ہے یہ بٹھانے کے قابل ۔ مجروح
لاکھ دینا فلک آزار گوارا تھے مگر ۔ ایک تیرا نہ مجھے دردِ جدائی دینا ۔ ذوق
دردِ دل سے لوٹتا ہوں میرا کس کو درد ہے ۔ میں ہوں لفظِ درد جس پہلو سے دیکھو درد ہے
دوسرے کے درد کا احساس ہوتا ہے کسے ۔ ہنس دیا کرتے ہیں گل شبنم کو روتا دیکھ کر
درد کیا جس میں کچھ نہ ہو تاثیر ۔ بات کیا جس میں کچھ مزا نہ ہوا ۔ رمز

دشمنی

نہیں ناداں کی دوستی بہتر ۔ بلکہ دانا کی دشمنی اچھی
ہم سے تجدیدِ دوستی نہ کرو ۔ دشمنی ہے یہ دشمنی نہ کرو
رُلائیں مجھ کو نہ دوست میرے بیانِ مرگِ عدو سُنا کر ۔ کہ دشمنوں ہی کی دشمنی سے مزا تھا کچھ ان کی دوستی کا ۔ حمید
یہ بھی اک عشق کا کرشمہ ہے ۔ دشمنی دشمنی کو بھول گئی
یہ کیا کہ دشمنی میں بھی ہونے لگی کمی ۔ ملتا ہے وہ رنج کہ جس میں گذر تو ہو ۔ بیخود
دشمنی ہم کریں تو کس کس سے ۔ ایک عالم پہ مہرباں ہو تم ۔ مجروح

دعا

دعا بلا تھی شبِ غم سکونِ جاں کے لئے ۔ سخن بہانہ ہوا مرگِ ناگہاں کے لئے ۔ ذوق

حریف مطلبِ مشکل نہیں فسونِ نیاز — دعا کریں گے الٰہی کہ عمرِ خضر دراز

انہیں بھی ہے ہماری تلخیٔ گفتار کا شکوہ — کہ جن سے گالیاں سن کر ہمیشہ دی دعا ہم نے

ثاقب: ہجر کی شب نالۂ دل وہ صدا دینے لگے — سننے والے رات کٹنے کی دعا دینے لگے

": سننے والے رو دیے سن کر مریضِ غم کا حال — دیکھنے والے ترس کھا کر دعا دینے لگے

نگہِ لطفِ کرم آپ سے ڈالی نہ گئی — ہم فقیرانِ محبت کی دعا لی نہ گئی

نہیں ہے کام زباں کو اب دعا کے سوا — نظر کسی پہ نہیں ہے مری خدا کے سوا

میر: یہ اضطراب دیکھ کے اب دشمنوں سے بھی — کہتا ہوں اس کے ملنے کی کچھ تم دعا کرو

مومن: مانگا کریں گے اب سے دعا ہجرِ یار کی — آخر تو دشمنی ہے دعا کو اثر کے ساتھ

وفا: جگر کو ہاتھوں سے تھاما ہے دل کو روکا ہے — اٹھیں تو ہاتھ اٹھیں کس طرح دعا کے لئے

مائل: مرے درد کی اور لذت بڑھا دی — یہ کس نے مجھے زندگی کی دعا دی

مست: نکل جائے دنیا میں حسرت کسی کی — ہمارے لئے یہ دعا کیجئے گا

داغ: ہزار بار جو مانگا کرو تو کیا حاصل — دعا وہی ہے جو دل سے کبھی نکلتی ہے

میر: فقیرانہ آئے صدا کر چلے — میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

غالب: نہ لٹتا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا — رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو

ناسخ: حال وہ ہجر میں اپنا ہے کہ کیا یار کا ذکر — اب عدو بھی مرے مرنے کی دعا کرتے ہیں

": دعا یہ مانگتے ہیں سارے مے کش روز اے ساقی — الٰہی ابر برسے برق چمکے اور ہوا ٹھہرے

شفیق: ہمیں بھی ایک گوشہ میں جو تھوڑی سی جگہ ملتی — ہمیشہ ساکنانِ کوئے جاناں کو دعا دیتے

": تاریک رات اور تم آئے پکارنے — سن لی مری دعا مرے پروردگار نے

جاوید: مسکرائے زخمِ دل تیروں کی کثرت دیکھ کر — اور تو کچھ دے نہ سکتے تھے دعا دینے لگے

مجروح: اب وہ باتیں کہاں کبھی بہلے — گالیاں سنتے تھے دعا کر کے

": جس پہ بابِ اثر ہوئے مسدود — تیرے عاشق کی وہ دعا کیا ہے

کر دعا میرے لئے شیخ مناجات میں یہ — کہ خراب اور زیادہ ہو خرابات میں یہ — ذوق

اثر فلک سے اُترآ ذرا خدا کے لئے — گو اُس نے ہاتھ اُٹھائے ہیں اب دعا کیلئے — ″

دل

نگاہوں سے نگاہیں بارہا آزاد ملتی ہیں — مگر یہ دور ہے ایسا کہ دل سے دل نہیں ملتا — آزاد

نہ ہیں کعبے کا مسافر نہ ہیں بُت کدے کا راہی — یہ جبیں وہیں جھکے گی جہاں دیگا دل گواہی — فنا

دل بجھا ہو تو پھر نگاہوں میں — چاند تاروں کا نور کچھ بھی نہیں — رعنا

عقلِ ناداں عشق سے ٹکر نہ لے — یہ فقط دل ہی کے بس کا کام ہے — بیدی سحر

یک بیک ان سے بچھڑ جانے کے بعد — مدتوں دل کا عجب عالم رہا — رئیس

چراغِ بزم کو کب رونقِ محفل سمجھتا ہوں — جلے جو دوسروں کے غم میں اس کو دل سمجھتا ہوں

مرے آنے کا باعث دل سے پوچھو — میں خود آیا نہیں لایا گیا ہوں — امروہوی

تیری محفل میں خود نہیں آیا — بے کلی دل کی کھینچ لائی ہے — جالب

دامن چھڑا کے آپ تو تشریف لے گئے — روتے رہے لپٹ کے دلِ ناتواں سے ہم

حادثہ ہے کس قدر اندوہ گیں — تم کہیں ہو ہم کہیں ہیں دل کہیں

غم کی دنیا پہ چھا گئے ہو تم — درد کو دِل بنا گئے ہو تم

قدم قدم پہ بچایا ہے ٹھوکروں سے مگر — خراش آ ہی گئی دل کے آبگینے میں

دولت ساقی ساغر و مینا — میری پونجی ٹوٹا ہوا دل

دل کو مٹا رہا ہے مٹائے مگر یہ سوچ — ایسا نہو یہ قصر دوبارہ نہ بن سکے

دل کی روداد ختم ہو نہ سکی — ہم نے ہر چند اختصار کیا — شفقت

غمِ فرقت جو ہنس ہنس کر اُٹھائے — وہ میرا دل ہے وہ میرا جگر ہے

یادہی یاد رہ گئی باقی — کس کو معلوم اب کہاں دل ہے

دل لے کے جا رہا ہوں تمہارے دیار سے — اب بھی خرید لو تو یہ سودا گراں نہیں — ناز

تلوک چند محروم
پہلو میں دل ہے یوں مرا بے حس پڑا ہوا — سو جائے جیسے کوئی مسافر تھکا ہوا
سمجھ تو لی ہے دنیا کی حقیقت — مگر اب اپنا دل بہلا رہا ہوں

اسلم
کوئی شے باعث دوری نہیں ہے — فقط دل میں کشش پوری نہیں ہے

ناصری
سامنا حُسن کا کیا کیجئے تنہا ہو کر — دل بھی ان کی ہی سی کہنے لگا اپنا ہو کر

جگر
لاکھوں میں انتخاب کے قابل بنا دیا — جس دل کو تم نے دیکھ لیا دل بنا دیا

عزم اتنے ہوتے ہیں فُسق کے اب — دل ارادے سے کانپ جاتا ہے

زیبا ردولوی
دل بھی اشکوں میں بہہ گیا ہوگا — ایک قطرے کی کیا حقیقت ہے

فغاں
کباب ہو گیا آخر کو کچھ بُرا نہ ہوا — عجب یہ دل ہے جلا تو بھی بے مزا نہ ہوا

رشید
کیا جوڑتے ہیں آپ دلِ پارہ پارہ کو — معلوم نہیں کون سے ٹکڑے ہیں کہاں کے

میر
دل وہ نگر نہیں کہ پھر آباد ہو سکے — پچھتاؤ گے سنو ہو یہ بستی اُجاڑ کے

"
عروسِ دہر کو دل دیجے آزماؤں کیا — سنوارتے ہیں جو بگڑے اُسے بناؤں کیا

"
شام ہی سے بجھا سا رہتا ہے — دل ہوا ہے گویا چراغ مفلس کا

"
دل کی ویرانی کا کیا مذکور ہے — یہ نگر سو مرتبہ لوٹا گیا

"
دل عجب شہر تھا خیالوں کا — لوٹا مارا ہے حُسن والوں کا

جھٹپٹا وقت ہے بہتا ہوا دریا ٹھہرا — صبح سے شام ہوئی دل نہ ہمارا ٹھہرا

حامد
سمجھ میں کچھ نہیں آتا معاملہ دل کا — کیا حضور نے کس طرح فیصلہ دل کا

نہ لائے آج تک اپنی زباں پر حرفِ مطلب ہم — نہ تم سے مدعائے دل کبھی اب تک کہا ہم نے

دلِ ستم زدہ کرب و بلا کا مقتل ہے — کبھی بلاؤں سے خالی یہ سرزمیں نہ رہی

جلیل
صورت کعبہ سیہ پوش رہوں کیوں نہ جلیل — ایک مدت سے ہوں میں دل کے عزاداروں میں

طپش امروہوی
تیری الفت سے ہے خالی چمنِ دہر میں کون — دلِ لالہ پہ بھی داغ غم ہجراں دیکھا

"
زلفوں کے پیچ سے دلِ پُر داغ چھٹ گیا — طاؤس دام میں جو پھنسا تھا رہا ہوا

کیا لگائے گا کوئی میرے دلِ روشن میں آگ	کب زحل بھڑکا سکے مہتاب کے خرمن میں آگ	طپش
اُن کو تو محبت پہ ہماری ہے گماں اور	اب ہم دلِ مجبور کو لے جائیں کہاں اور	
پوچھتے کیا ہو دیارِ دل کی مہماں پروری	جو بلا باہر سے آئی وہ مقامی ہوگئی	سہیل
ہے آرزو کی قبر تو امید کی لحد	یہ دل نہیں ہے گورِ غریباں ہے آج کل	
تجرباتِ سخت نے ہر چند سمجھایا مجھے	دل مگر تھا دل بڑی مشکل میں لے آیا مجھے	
آپ کہیں تو گلشن ہے	ورنہ دل اک مدفن ہے	
جہاں میں ہوں وہاں کوئی نہیں ہے	جہاں تم ہو مرا دل بھی وہیں ہے	کیفی
کیا کروں آزادگی کی شرح قصہ مختصر	باغ میں جو غنچہ مرجھایا مرا دل ہوگیا	اظہار
یہ حسیں یوں پھینک دیتے ہیں دلوں کو توڑ کر	جیسے لے رہبر کہیں سے مُفت مل جاتا ہے دل	رہبر
ہم کو اپنی زندگی دشوار ہے دل کے بغیر	تم کو اپنی دل لگی کے واسطے دل چاہیے	ندرت
آپ کیا جانیں کہ دل کی آرزو کیا چیز ہے	آپ دل کے آشنا ہیں آپ کو دل چاہیے	رر
جس میں گھر کرلیں ہزاروں غم ہزاروں حسرتیں	آدمی کے واسطے اتنا بڑا دل چاہیے	رر
ہر کسی کو ضبطِ غم کا حوصلہ ہوتا نہیں	اس کو پتھر کا جگر فولاد کا دل چاہیے	رر
مرا دل لے کے شیشے کی طرح پتھر پہ دے مارا	میں کہتا رہ گیا ظالم مرا دل ہے مرا دل ہے	بیانؔ
ہزار صلح ہو لیکن جہاں ملے دو دل	نیاز و ناز میں جھگڑا ضرور ہوتا ہے	اکبرؔ
بولے ہنس کر جو کہا رو کے فسانہ دل کا	دل لگی سمجھے تھے کیا آپ لگانا دل کا	جلالؔ
جو دل مانگا تو فرمایا کہ ٹھہرو یاد کرنے دو	ذرا سی چیز تھی ہم نے خدا جانے کہاں رکھ دی	اکبر
اس کے گئے پہ دل کی خرابی نہ پوچھئے	جیسے کسی کا کوئی نگر ہو لُٹا ہوا	مہرؔ
بے تابیاں سمیٹ کے سارے جہان کی	جب کچھ نہ بن سکا تو مرا دل بنا دیا	
نے تابِ ہجر میں ہے نہ آرام وصل میں	کم بخت دل کو چین نہیں ہے کسی طرح	
میری ہوس کو عیشِ دو عالم بھی تھا قبول	تیرا کرم کہ تو نے دیا دل دُکھا ہوا	فانی

آرزو
زور سے بلبل کے پر صیاد نے جب کس دئے — اپنا اپنا دل ہے شبنم رو دی غنچے ہنس دئے

آسیر طائری
ٹوٹ جائے گا ہم نہ کہتے تھے — اس طرح دل لیا نہیں کرتے
توڑ کر اب عبث پریشاں ہو — دل کے ٹکڑے ملا نہیں کرتے

مجروح
اک ہونے والی بات تھی یہ دل ٹوٹ گیا سو ٹوٹ گیا — کیا حاصل اب پچھتانے سے جب تیر کماں سے چھوٹ گیا

رعنا
دل کی دھڑکن کے سامنے رعنا — لرزشِ برقِ طور کچھ بھی نہیں

ہیبر
بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا — جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

طاہر
ڈال دو ہاتھ میری گردن میں — اس طرح دل ملائے جاتے ہیں
یوں جلد مجھ سے قطع محبت نہ کیجئے — دل کے معاملات میں عجلت نہ کیجئے

لطفی
شعر سمجھے ہو تم جسے لطفی — وہ مرے دل کی ترجمانی ہے
غم دلدار ہے خواہاں تو حوالے کر دے — تجھ کو ہے عاشق بے تاب ضرورت دل کی

بیخود
کہتے ہو بات بات پر دل کو ذرا سنبھالئے — تم پہ نہیں ہوا اختیار دل پہ ہوا اختیار کیا

وفا ملک پوری
دل اس کو کہنے کو کہئے مگر وہ دل کیا ہو — جو واقفِ غم انساں نہیں تو کچھ بھی نہیں

وحشت
نشانِ زندگیٔ دل ہے بے قراریٔ دل — ہے دل کی موت اگر چین آ گیا دل کو

نظیر اکبرآبادی
سب کتابوں کے کھل گئے معنی — جب سے دیکھی نظیر دل کی کتاب

تسلیم
تڑپتی دیکھتا ہوں جب کوئی شے — اٹھا لیتا ہوں اپنا دل سمجھ کر

آغا حشر
ایک دھندلا سا تصور ہے کہ دل بھی تھا یہاں — اب تو سینے میں فقط اک ٹیس سی پاتا ہوں میں

مانی
سفر طے ہو چکا شاید درِ جاناں نہ آتا ہے — کہ دل سوئے جبیں سجدہ کو بے تابانہ آتا ہے

جگر
تم دل اسے سمجھ لو یا جان آرزو کی — سینے میں اب ہے پہلے اک بوند تھی لہو کی

دل رُبا

برگِ حنا پہ لکھتا ہوں کچھ اپنے دل کی بات — شاید کہ رفتہ رفتہ لگے دل رُبا کا ہاتھ
وہ محبت سے کرتے ہیں انکار — یہ بھی اندازِ دل رُبائی ہے

حسن پھر کس کام کا جب چاہنے والا نہو — آج ہے تجھ سے دلربا کو لطف تنہائی نہ تھا — آسی

انجام پر نظر نہیں وہ ہے خدا کے ہاتھ — دل ہم تو پہنچ آئے کسی دلربا کے ہاتھ — ہدف

لاکھ سمجھے تجھے کوئی قاتل — دل یہ کہتا ہے دل رُبا تو ہے

ہے جاں بلب دل بے تاب دل رُبا کے لئے — اِک آشنا کی قضا ہے اک آشنا کے لئے — وفا

مری وہ مان لے میں اس کی مانوں — الٰہی دے تو ایسا دل رُبا دے — مدعا

پہلو میں دی جگہ تمہیں دل وارجان کر — تم دل رُبا بنو گے کہاں یہ خیال تھا — صمد

دوست کس کے یہ حسیں کہنے کی باتیں ہیں سب — دشمن جاں اصل میں ہیں دل رُبا کہنے کو ہیں — مشتاق

یاں تو دل ہی نہیں ہے پھر کیا دیں — یہ تو مانا کہ دل رُبا ہیں آپ

خوشی نہو مجھے کیوں کر قضا کے آنے کی — خبر ہے لاش پہ اُس دل رُبا کے آنے کی — مومن

دم

بالوں میں کنگھی ہو رہی ہر خم نکلتا ہے — یہاں رگ رگ سے کھنچ کھنچ کر ہمارا دم نکلتا ہے — صفی

کیا قہر ہے آنے میں ابھی وقفہ ہے ان کا — اور دم مرا جانے میں توقف نہیں کرتا — ذوق

کیوں فلک انتہا ہوئی کہ نہیں — ایک دم رہ گیا ہے اب دم ساز — فانی

دم شماری نہ میری دیکھ سکے — دم کا رُکنا کہ اُن کا آنا تھا — بیخود

جاں کنی کا وقت ہے کروٹ بدلنے دیجئے — آپ کی حسرت نہیں ہے دم نکلنے دیجئے — جاوید

آمد و شد سانس کی مطلق نہ تھی — ہم تمہارے ہجر میں بے دم رہے — حامد

گدا دستِ اہل کرم دیکھتے ہیں — ہم اپنا ہی دم اور قدم دیکھتے ہیں — سودا

دم کو ہمارے سینے میں اک دم نہیں قرار — یہ وہ غریب ہے کہ مسافر وطن میں ہے — ذوق

اے مرے ہر وقت کے ایذا رساں — رہتی دنیا تک تمہارا دم رہے — رشید

وہ مرے دم توڑنے کی سیر اگر دیکھا کریں — حشر تک زندہ رہوں اور نزع کا عالم رہے

پوچھنے والوں نے میرا ناک میں دم کر دیا — جس نے پوچھا حال دل کہنا پڑا کچھ بھی نہیں

دنیا

ہو نہیں سکتا کبھی ہموار دنیا کا نشیب / اس گڑھے کو اپنی ہی مٹی سے بھرنا چاہیئے

فنا تجلی حسن خود بیں کی زمیں سے آسماں تک ہے / منور ہی منور ہو مری دنیا جہاں تک ہے

شاعر تضاد دونوں میں کس قدر ہے یہ سوچ کر مسکرا رہا ہوں / وہ میری دنیا مٹا رہے ہیں میں ان کی دنیا بسا رہا ہوں

صفی دنیا کے ساتھ ساتھ دنیا کے واقعات / جو آج ہو رہا ہے یہی بارہا ہوا

صفی محض تخیل نہ سمجھے حاشا کوئی / پھر نیا بھیس بدلنے کو ہے دنیا کوئی

رونق کچھ تو سوچا ہوتا پیارے اس جھوٹی دنیا میں / کس کو چلا ہے تو اپنانے کون کسی کا ہوتا ہے

بیدی سحر بدل سکی نہ کبھی حسن و عشق کی دنیا / ہزار بار زمانے میں انقلاب آئے

ہم نے چاہا تھا کہ دنیا سے کنارا کر لیں / ہم نے دیکھا تو ہمیں رونق دنیا نکلے

ہر گھڑی منقلب زمانہ ہے / یہ ہی دنیا کا کارخانہ ہے

مومن تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے / ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا

غم حرماں کی تاریکی زمیں سے آسماں تک ہے / اندھیرا ہی اندھیرا ہے مری دنیا جہاں تک ہے

زندگی نام رکھ دیا کس نے / موت کا انتظار ہے دنیا

اک تری آنکھوں کے ساغر اک ترے رخ کی بہار / یہ اگر مل جائیں تو دنیا کو ٹھکراتا ہوں میں

شباب دہلوی کون ہے عشق میں جو بے کس و مجبور نہیں / یہ وہ دنیا ہے جہاں ہنسنے کا دستور نہیں

بینظیر یہ دنیا نہیں قابل اعتبار / اگر ایک کی ہے تو دس کی نہیں

بیدل بی اے کار فرما ہے محبت ہی محبت ہر طرف / دل کی دنیا کس نے یہ نام خدا ایجاد کی

عزیز لاکھ دنیا نے کھائے ہیں چکر / اپنے مرکز کی انتہا ہی نہیں

حامد دشمنوں کے بھی شریک غم رہے / اس طرح دنیا میں حامد ہم رہے

جھک کے ملنا بڑی کرامت ہے / اس سے دنیا مرید ہوتی ہے

عزیز برسوں کا چھوڑتی ہے دم بھر میں ساتھ ظالم / کہتے ہیں جس کو دنیا معشوق بے وفا ہے

اسے کہتے ہیں دنیا اور یہ نیرنگِ دنیا ہے
کہیں ماتم کہیں شورِ مبارکباد ہوتا ہے
صدیق

سچ ہے دنیا مریض خانہ ہے
رنج میں سب کو مبتلا دیکھا
نوازش

دنیا میں آنے جانے کا وقفہ تھا اس قدر
آکر نہائے اور نہا کر چلے گئے

ساری دنیا کے ہیں وہ میرے سوا
میں نے دنیا چھوڑ دی جن کے لئے
داغ

دوا

کہتے ہیں دنیا میں ہوتا ہے ہر اک دکھ کا علاج
اے بیاں دردِ جدائی کی دوا کچھ بھی نہیں
بیانؔ

جب دعا ہی نے کچھ اثر نہ کیا
فائدہ پھر دوا سے کیا ہوگا

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا
غالب

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی
"

بعد مرنے کے مری قبر پہ آیا وہ امیرؔ
یاد آئی مرے عیسےٰ کو دوا میرے بعد
امیرؔ

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماریٔ دل نے آخر کام تمام کیا
میرؔ

فائدہ دے ترے بیمار کو کیا خاک دوا
اب تو اکسیر بھی دیجئے تو ضرر دیتی ہے
ذوقؔ

پوچھتا پھرتا ہے مجنوں یہ بیابانوں میں
اے خدا دردِ محبت کی دوا کون سی ہے
عیاں

ہوتے ہوتے درد کی عادت ہمیں ہو جائیگی
اے طبیبو درد ہی میری دوا ہو جائیگا
بیخود

اپنے ہاتھوں سے بلا کر وہ پشیمان ہوا
زہر کا ہائے مرے حق میں دوا ہو جانا
غالب

دوست

دوست سے جب تک نہ ہو ملنا جب ہی تک خیر ہے
شمع سے پروانہ لپٹا اور جل کر رہ گیا

نظرِ لطف جو اک دوست نے کی ہم پر
جتنے دشمن ہیں وہ سب یار ہوئے جاتے ہیں

تم بھی پھرتے ہو تو شکوہ نہیں لیکن اے دوست
اپنے بیگانے کا احساس ذرا ہوتا ہے
ضیاؔ

جذبات تھے یہ شورشِ جذبات نہ تھی ق
تھی رات مگر اتنی حسیں رات نہ تھی

کہتا تھا میں دنیا میں کوئی دوست نہیں
لیکن اس وقت کہ جب تم سے ملاقات نہ تھی

وہ اور ہوں گے جنھیں دشمنوں سے شکوہ ہے ۔۔۔ ہمیں تو دوست ہمارے فریب دیتے ہیں

باوفا ہو کہ بے وفا لیکن ۔۔۔ دوست آخر عدو سے بہتر ہے

خاور: خاور کسی کے پھول سے چہرے پہ ہے نظر ۔۔۔ ہم چشم تم سے دیکھ رہے ہیں بہار دوست

ثاقب: مٹھیوں میں خاک لے کر دوست آئے وقت دفن ۔۔۔ زندگی بھر کی محبت کا صلہ دینے لگے

غالب: یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح ۔۔۔ کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غم گسار ہوتا

″: یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے ۔۔۔ ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

مومن: مرا دوست ہے مجمعِ حسن و خوبی ۔۔۔ سمائے گا دل میں سماتے سماتے

آتش: آتش اہلِ کربلا سے چل کے اب کہتا ہوں میں ۔۔۔ اے خوشا طالع تمہارا ساکنانِ کوئے دوست

انجم شاہانی: کبھی دوست کی آزمائش نہ کیجئے ۔۔۔ یہ دنیا ہے انجم بڑے مکر و فن کی

تو نہیں ہے تو کاظمیؔ کے لئے ۔۔۔ زندگانی ہے ۔ ناگوار اے دوست

امیر مینائی: ہے وہی دوست جسے جس سے محبت ہو جائے ۔۔۔ نہ یہ اپنے پہ ہے موقوف نہ بیگانے پر

نہ ہو کوئی بھی دوست جس وقت اپنا ۔۔۔ غنیمت ہے اس وقت دشمن کے دشمن

شاکر: دشمنوں سے تو بچ گئے شاکر ۔۔۔ دوستوں کے کرم نے مارا ہے

حامد: بے وفائی باوفائی دونوں یکساں ہیں مجھے ۔۔۔ بھاگئی ہے دل کو حامد ہر ادائے خوئے دوست

ناظم: یوں تو ہو جاتا ہے ہر اک عیش و عشرت کا شریک ۔۔۔ دوست کہتے ہیں اسے جو ہو مصیبت کا شریک

غافل: خدا بھی دوست رکھتا ہے نہایت اپنے شیدا کو ۔۔۔ جلے پتھر تجلی سے وہ آئی آنچ موسیٰ کو

ظفر: دی ہے خدا نے عقل اسی واسطے ظفر ۔۔۔ دشمن کو اور دوست کو پہچاننا چاہیئے

مشتاق: جو دوست کا عدو ہے وہ اپنا بھی غیر ہے ۔۔۔ دشمن کا ہے جو دوست وہ احباب میں نہیں

مجروح: رشکِ عدا تو مسلم ہے ولے یہ سچ ہے ۔۔۔ جب وہ اپنا نہ ہوا دوست تو کس کا ہوگا

منتظر: کاندھا بدل بدل کے گئے سب مزار تک ۔۔۔ اتنا میں دوستوں کے لئے بار دوش تھا

طپش امروہوی: دھوکا ہوا کہ نجم قریبِ ہلال ہے ۔۔۔ ابرو کے متصل نظر آیا جو خالِ دوست

دولت

ق
دولت خرمن بھی ہے برق بھی ہے — تلوار کی دھار بھی ہے جوشن بھی ہے
تھوڑا سا اس میں رہے شہر تو خیر ہے بہت — گر سانپ ہے یہ تو سانپ کا من بھی ہے

باقی نہیں وہ رنگ وہ روپ ان پہ شب وصل — اس طرح بھی لٹتی ہوئی دولت نہیں دیکھی
نہیں ملتا جہاں میں مفلس و نادار سے کوئی — ہمیشہ ساتھ دیتا ہے زمانہ اہل دولت کا — عالی امروہوی

ہے زہر تیرے حق میں دولت کا یہ ذخیرہ — زر دار تو تو اکثر مرتا ہے کھا کے ہیرا — غافل

موذیوں کے ہاتھ میں دولت رہے یہ ہے محال — لوٹتی ہے خلق بھر شہد گھر زنبور کا — ناسخ

نہ رکھی دولت دنیا کی خواہش خاکساری نے — خدا نے کر دیا حاکم مجھے اکسیر اعظم کا — آتش

لحد کو نشۂ دولت میں بھولے ہیں منعم — خبر نہیں کہ وہاں کام زر نہیں آتا — تسلیم

دولت ہے جس کا نام وہ ہے چلتی پھرتی چھاؤں — کب ہے قیام سایۂ دیوار کے لئے — اسیر

دولت وہ ہے مجبور کی جو عقدہ کشا ہو — اکسیر ہو درد دل بے کس کی دوا ہو — برج نرائن چکبست

وہ دولت کر طلب جس سے کہ دل ہو جائے مستغنی — اگر ہاتھ آئے گا گنجینۂ قاروں نہ ٹھہرے گا — ذوق

دولت کی رکھ نہ مار سر کنج سے امید — موذی وہ دیگا کیا کہ جو دولت پرست ہے — "

ق
ہاتھ آتی ہے کب علم و ہنر سے دولت — ملتی ہے قضا اور قدر سے دولت — ناسخ
جو علم و ہنر رکھتے ہیں وہ ہیں محروم — مانوس ہے بل احمق و خر سے دولت — "

دہلی

ق
دہلی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب — رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے — میر
اس کو فلک نے پیس کے پامال کر دیا — ہم رہنے والے ہیں اسی اُجڑے دیار کے

تذکرہ دہلی مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ — نہ سُنا جائے گا ہم سے یہ فسانہ ہرگز — حالی

ہے اب اس معمورہ میں قحط غم الفت اسد — ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں کھائینگے کیا — مرزا اسد غالب

دہلی کہ جو ہمیشہ سے کان کمال ہے — اور باکمال یاں کا ہر اک بے مثال ہے — آزاد

صفی
ہمسر کعبہ تجھے سمجھیں اسی قابل ہے تو
نام ہے دلی ترا ہندوستاں کا دل ہی تو

〃
تھا جو اندرپت وہ دہلی ہو گیا مشہور عام
بن گیا دھلو سے پھر دہلی تغیر پا کے نام

قابل تقلید اے دہلی ترا یہ طور ہے
دستکاری و تجارت کا جو ہر سو دور ہے

دل دلی کا لے لیا دلی نے چھین
جا کہو کوئی محمد شاہ سوں

تیری تاریخ ہے عظمت کی کتاب اے دہلی
قبلۂ اہلِ عجم تیرا خطاب اے دہلی

کہنہ ہو کر بھی ملا ہے نئی دہلی کا لقب
تو نے پایا ہے زلیخا کا شباب اے دہلی

اس لئے خلد میں جانے کا ہر اک طالب ہے
کہ کچھ اک دور سے پڑتا ہے گمانِ دہلی

داغ
اپنے محبوب کی خاطر تھی خدا کو منظور
ورنہ قرآں بھی اُترتا بزبان دہلی

دھواں

توفیق
جل جائے سوزِ عشق سے دل اور فغاں نہ ہو
وہ چاہتے ہیں آگ لگے اور دھواں نہ ہو

عشق کی شدت میں احساسِ فغاں ہوتا نہیں
آگ کے شعلے بھڑکتے ہیں دھواں ہوتا نہیں

جوہر
جو ہر کمالِ ضبط محبت تو دیکھئے
روشن ہے دل میں آگ سی لیکن دھواں نہیں

مؤلف
نہ آتی آہ لبوں تک نہ بڑھتی آتشِ عشق
نہ دل میں آگ ہی لگتی نہ یوں دھواں ہوتا

نہ جانے آہ سوزاں قیس نے کھینچی ہے کس دل سے
لگی ہے آگ پردے میں دھواں اُٹھتا ہے محمل سے

محسن
چراغ محبت جو جلتا رہے گا
دھواں بن کے ارماں نکلتا رہے گا

میر
دیکھ لو دل جہاں سے اُٹھتا ہے
یہ دھواں سا کہاں سے اُٹھتا ہے

ذاخر
مرے سوز جگر کا پتہ پتہ راز داں نکلا
لگی کنج قفس میں آگ گلشن سے دھواں نکلا

کبھی بجلی گری تھی آسماں سے
دھواں اُٹھا ہمارے آشیاں سے

حاذق
ترے عارض پہ گیسو ہی کہاں تھا
ہماری آہِ سوزاں کا دھواں تھا

میکش
مرے داغِ جگر سے بھی دھواں اُٹھنے لگا آخر
الٰہی خیر ہو اب تو یہاں تک بات آ پہنچی

محشر امروہوی
مری آہوں میں اگر پیدا دھواں ہو جائیگا
یا گھٹا بن جائے گی یا آسماں ہو جائیگا

دِیا

شب اندھیری یہی گذر جاتی — تم نے بجھتا دیا دیا ہی کیوں
روشن ہیں مرے دل میں تری یاد کے دئے — لب پر جو ترا نام نہیں ہے تو کیا ہوا — سعید اللہ
ادھر بھی اک نگہٖ لطف اب ذرا کیجئے — کہ جھلملانے لگے میری حسرتوں کے دئے — فضا الہ آبادی
یہ اندھیرا یہ خموشی یہ سسکتے سے دئے — دیکھئے کب تک اسی ماحول میں جلنا پڑے — محسن زیدی
وفا کے بعد زمانے میں اک اندھیرا ہے — ہے کون اہلِ وفا جو دِیا جَلا آئے — وفا ملک پوری

دیوانہ

تلاشِ شبِ وصل میں پھر رہا ہوں — مرا آپ دیوانہ بَن دیکھتے ہیں
کمالِ عشق میں دیوانہ ہو گیا ہوں میں — یہ کس کے ہاتھ سے دامن چھڑا رہا ہوں میں — حجاز
اپنے ہوں یا ہوں بیگانے کون کسی کا ہوتا ہے — اس دنیا میں اے دیوانے کون کسی کا ہوتا ہے
تری نگاہ نے کیا کہہ دیا خدا جانے — نظر کسی سے ملاتے نہیں ہیں دیوانے — محمود سعیدی
رازِ الفت نہ کہیں دیکھئے ظاہر کردے — آپ بے کار نہ اُلجھا کریں دیوانے سے
ہڈیاں ہیں کئی لپٹی ہوئی زنجیروں میں — لئے جاتے ہیں جنازہ ترے دیوانے کا — فانی
بگولے اُٹھتے ہیں کانٹے قدم لیتے ہیں بڑھ بڑھ کر — مبارک وحشیو پھر نجد میں دیوانہ آتا ہے — سلیمان
افسوس تو اس کا ہے آئے بھی تو اب آئے — جب کہہ نہ سکا منھ سے کچھ آپ کا دیوانہ — مؤلف
غیروں سے پوچھتے ہیں وہ میرے جنوں کا حال — دیوانہ بَن گیا ہے کہ دیوانہ ہو گیا — قیس
نزع کے وقت سنا جب ترے افسانے کو — عین بے ہوشی میں ہوش آگیا دیوانے کو — مؤلف
میں اُن سے کر رہا تھا تصور میں گفتگو — دنیا سمجھ رہی تھی کہ دیوانہ ہو گیا — قیس
مرے کام آگئی آخر مری دیوانگی صفدر — کسی کا ناز سے کہنا مرا دیوانہ آتا ہے — صفدر مرزاپوری
ہوتی ہیں شبِ غم میں یوں دل سے مری باتیں — جس طرح سے سمجھائے دیوانے کو دیوانہ — حشر
ان دنوں جوشِ جنوں ہے ترے دیوانے کو — لوگ ہر سو سے چلے آتے ہیں سمجھانے کو — مضطر

مضطر	شہر میں اپنے یہ لیلیٰ نے منادی کر دی	کوئی پتھر سے نہ مارے مرے دیوانے کو
جدید	بیڑیاں جلد منگائیے کوئی	اپنا دیوانہ بنائیے کوئی
رضا	وحشت آباد لقب ہے مرے ویرانے کا	دل بہل جائے گا یاں قیس سے دیوانے کا
"	اس کو زیبا ہے لقب دہر میں دیوانے کا	راستہ خضر بتائیں جسے ویرانے کا
مجروح	دیوانہ بن کے مطلب اصلی سے کیا حصول	مجنوں بھی عاقلوں میں بہت ذی شعور تھا
ذوق	کیوں خرد مند بنایا نہ بنایا ہوتا	تو نے اپنا مجھے دیوانہ بنایا ہوتا
"	ہوش و خرد کو دیکھ لیا درد سر میں ذوق	آرام کو بھی دیکھ کہ دیوانہ پن میں ہے
حشر	منہ چوم نہ لے پھول کے دھوکہ میں تمہارا	جانا نہ وہاں بلبل دیوانہ جہاں ہو
	قیس جنگل میں اکیلا ہے مجھے جانے دو	خوب گذرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو
رؤف	لوگ کیوں سعیٔ عبث کرتے ہیں سمجھانے میں	یہ نہیں جانتے ضد ہوتی ہے دیوانے میں
احسن	ہر اک سے پوچھتے ہیں وہ میرے جنوں کا حال	دیوانہ بن گیا ہے کہ دیوانہ ہو گیا
	نالۂ موزوں کا دیوانہ ہوں اے غارتِ چمن	تنکے چنتا ہوں تمہارے آشیانے کے لئے

ذکر

جاوید	وہ تاسف سے مرا ذکر کریں غیروں سے	دیدنی ہے صفِ ماتم پہ یہ ساماں ہونا
ذوق	مذکور تری بزم میں کس کا نہیں آتا	پر ذکر ہمارا نہیں آتا نہیں آتا
محبوب	ہے شکر کی جا اُس ظالم پر آہوں کا ہوا آخر اثر	جب ذکر وفاداروں کا چلا خود اس نے ہمارا نام لیا
رزم	اب دیتے ہیں دلیل شرف میرے ذکر سے	کل میرے نام سے بھی جنھیں اجتناب تھا
فنا	اب وہ کہتے ہیں کہ دیوانہ ہے سودائی ہے	ان کی محفل میں اگر ذکر فنا ہوتا ہے
خادم	واعظ کے ذکر خیر میں بھی اختلاف ہے	کچھ حسن ظن کے ساتھ ہے کچھ سوء ظن کے ساتھ
	جمع ہم سے ہو گئے دو چار دیوانے جہاں	بکھر گئیں دل حبیب باتیں ذکر جانانہ چلا
	مری جگہ نہ رہی تیری بزم میں لیکن	تری زباں پہ مرا ذکر ناگوار تو ہے

کیسی ہے وہ جگہ کہ جہاں ہم نہ آئے یاد — کچھ ذکر اس مقام کا اب تو سنائیے — احسن اللہ ثاقب

ہجوم یاس میں موہوم امیدیں دلاتے ہو — غضب ہے ڈوبنے والوں سے کرنا ذکر ساحل کا — عباس

گرچہ ہے کس کس برائی سے ولے بایں ہمہ — ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے — غالب

دبی زبان سے میرا بھی ذکر کر دینا — کلیم طور پہ ان سے جو گفتگو آئے — ریاض

قفس سے دور سہی موسم بہار تو ہے — اسیرو آؤ ذرا ذکر آشیاں ہو جائے — سراج

آ گئے اشک اُن کی آنکھوں میں — ذکر تھا ہم کو بھول جانے کا — تبسم

عدو کے ہو لئے جب تم ہمارا حال کیوں پوچھو — اب اس کا ذکر کیا جو کچھ گذرتی ہے گذرتی ہے — حفیظ

ذکر میرا بہ بدی بھی اسے منظور نہیں — غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں — غالب

رات

بات کرنے میں گذرتی ہے ملاقات کی رات — بات ہی کیا ہے جو رہ جاؤ گے اک رات کی رات — تسلیم

جس نے ہماری نیند اُڑائی ہے اس طرح — یارب اسے بھی نیند نہ آئے تمام رات — 〃

ساقی آئے مطرب آئے سبو آئے جام آئے — آنا تھا جن کو وہ ہی نہ آئے تمام رات — 〃

ایسے کہاں نصیب شبِ ماہتاب میں — وہ آئے اور آکے نہ جائے تمام رات — 〃

تڑپ کے رات بسر کی کہ اک جہم سحر کی — چھری تھی میرے لئے جو شکن تھی بستر کی

عمر جاوید کا حاصل تھی ملاقات کی رات — جب وہ کافر مرا مہمان رہا رات کی رات — رئیس

ہائے وہ دن کہ تڑپتے میں گزر جاتا ہے — ہائے وہ رات جو رونے میں بسر ہوتی ہے — 〃

نیند آنے لگی ہے تاروں کو — رات جاتی ہے اب تو آ جاؤ — حاذق

چین سے جس کی صبح ہو جائے — کاش ایسی بھی کوئی رات آئے

عہد و پیماں کبھی ردّ و کئے ہوئے تھے جس میں — بھیگی بھیگی ہوئی وہ رات کہاں سے لاؤں

ناگن بن کر ڈستی جائے — دُکھ کی کالی کالی رات

اک رات دل جلوں کو یہ عیش وصال دے — پھر چاہے آسمان جہنم میں ڈال دے — جلال

فغاں — جگنو میاں کی دُم جو چمکتی ہے رات کو / سب دیکھ دیکھ اس کو بجاتے ہیں تالیاں

لثیر — کس قدر کیف کتنی مستی ہے / چاندنی رات دل کو ڈستی ہے

قوی امروہوی — چلتے دو دلوں سے مگر اک بات ہے / غیر کا دن ہے ہماری رات ہے

نظم طباطبائی — یارب وہ دن ہو شام کا جس میں اثر نہ ہو / اور رات وہ ہو پہلو میں جس کے سحر نہ ہو

شارب — مفلس کی گزر جاتی ہے یوں چاندنی رات / جیسے کسی بیوہ کی جوانی گزرے

باسط — کیا لکھوں تجھ کو کہ کیوں شاد ہوں کیا بات ہوئی / خط ملا تیرا شبِ قدر مجھے رات ہوئی

نساخ — ان سے جو پوچھا کہاں تھے رات کو / کہتے ہیں وہ تم کو ہم بتلائیں کیا

؍؍ — صبح کو آئے تو ہیں لیکن ذرا فرمایئے / رات کا ہم حال پوچھیں گے تو بتلائیں گے کیا

؍؍ — گر حشر کا ہے روز کہ جس کی نہیں ہے شام / تو ہجر کی ہے رات کہ جس کی سحر نہیں

بڑی مراد سے پائی شبِ وصال کی رات / دو چار سو برس تو الٰہی سحر نہ ہو

شفیق — کہتے تھے آپ خود کہ نہ جائیں گے ہم ابھی / بھولے نہیں وہ رات خدا کی قسم ابھی

کلیم امروہوی — رات بھر ہے شبنم کی خوب روئے جی بھر کے / صبح ہوتے غنچوں کو۔ قہقہہ لگانا ہے

جاوید — حد سے جو ضد بڑھے تو نئی بات کیجئے / بکھرائیے زلف دن کو ابھی رات کیجئے

سودا — مت پوچھو مجھ سے رات کٹی کیونکہ تجھ بغیر / اس گفتگو سے فائدہ پیارے گذر گئی

مجروح — بیدار ایک میں ہی فراقِ صنم میں ہوں / سوتی ہے ورنہ ساری خدائی تمام رات

طیش امروہوی — روزِ امید روتے روشن ہے / اور زلفِ سیہ تمہاری رات

؍؍ — کٹتا ہے دن خدا خدا کر کے / پر یہ کٹتی نہیں ہے ساری رات

؍؍ — دیکھا شعاعِ مہرِ رخِ یار کو جو رات / جل جل کے اپنے دل میں ہوئی شرمسار شمع

مصحفی — نہ کہیں صبح ہی ہوتی ہے نہ خواب آتا ہے / رات کیا آتی ہے اک مجھ پہ عذاب آتا ہے

راز

صدق مارہروی — کسی کو کیا خبر کیا راز ہے آپس میں دونوں کا / کوئی برباد کرتا ہے کوئی برباد ہوتا ہے

اہلِ خرد چھپاتے ہیں یوں اپنے راز کو — اے جان جیسے رہتی ہے پنہاں کلی کی بو — طپش امروہوی

محفلِ اغیار میں مجھ سے نہ پوچھو حالِ دل — رازداری سے سُنی جاتی ہیں باتیں راز کی — مؤلف

ساری دنیا کی خیال آرائیاں — پھر بھی میرا راز میرا راز ہے — حیات وارثی امروہوی

اِک ترا راز زمانے میں ہے ایسا کہ جسے — لب پہ لا بھی نہ سکوں دل میں چھپا بھی نہ سکوں — عرش ملسیانی

دل میں پوشیدہ رہے رازِ محبت کیونکر — بند کس طرح کرے کوزے میں دریا کوئی — سرشار

ہے اپنے نفس کا عرفاں ہی معرفت حق کی — ملا ہے راز یہ اقوالِ مرتضےٰ سے مجھے — کلیم امروہوی

پوچھیں نہ آپ مجھ سے جفا و وفا کا راز — عادت یہ میری اور وہ خو ہے حضور کی — رضا

تم کو ہزار شرم سہی مجھ کو لاکھ ضبط — الفت وہ راز ہے کہ چھپایا نہ جائے گا — حالی

بشر رازِ دلی کہہ کر ذلیل و خوار ہوتا ہے — نکل جاتی ہے جب خوشبو تو گل بے کار ہوتا ہے

رخسار

کرتا ہوں یاد کاکل و رخسارِ یار کو — بھولا نہیں دو رنگیٔ لیل و نہار کو — طپش امروہوی

ہے فرطِ نزاکت سے وہ گل رو ہمہ تن پھول — رخسار و جبیں پھول ہیں اور چشم و ذقن پھول — "

پھول سے رخسار پر قطرے پسینے کے نہیں — ہے چراغِ گل میں پانی اور گلِ روغن میں آگ — "

ہونٹ گل، رخسار گل، اور گوش و چشمِ یار گل — کیا ریاضِ حُسن میں نایاب ہیں یہ چار گل — "

میں باغ میں ہوں طالبِ دیدار کسی کا — گل پر ہے نظر دھیان میں رخسار کسی کا — تعشق

تمہارے چاند سے رخسار کی گر دید ہو جاتی — قسم ہے اپنی آنکھوں کی ہماری عید ہو جاتی

دیکھ کر یار کے گلِ رخسار — ہم پہ معنی کھلے نزاکت کے — مجروح

تیرے رخسارِ ناز میں سُرخی — آ گئی ہے مرے فسانے سے — رضا امروہوی

رسوا

یہ تو سچ ہے آپ کو میں نے ہی رسوا کر دیا — اب ذرا یہ بھی کہیئے آپ نے کیا کر دیا

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ — شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

طپش امروہی
جو شیفتۂ زلفِ چلیپا نہیں ہوتا
سودا کی طرح ہند میں رسوا نہیں ہوتا

؍
جیسے ہم ہو گئے بدنام تری الفت میں
اس طرح بھی کوئی رسوا سرِ بازار نہو

جس جگہ بیٹھے مرا چرچا کیا
خود ہوئے رسوا مجھے رسوا کیا

دَیر و کعبے میں ہیں مرے چرچے
اور رسوا سرِ بازار ہوں میں

عشرت ایم اے
یا ہوئے مے کدے میں ہم رسوا
یا گلستاں میں عندلیب ہوا

امن
رسوا ہوں اگر میں تو کوئی غم نہیں اس کا
واللہ کہ میں آپ کو رسوا نہ کروں گا

نساخ
کیا نساخ اشک نے رسوا
ہم تو تھے رازِ دل چھپانے کو

؍
مر جانے پہ کھل جائے جو یہ راز تو کھل جائے
تا زیست کبھی عشق کو رسوا نہ کریں گے

شفیق جونپوری
خدا کی دین ہے جس کو ملے اعزازِ رسوائی
محبت میں سلامت کا مقام آساں نہیں ہوتا

جدید
ان کو مجھ سے مجھ کو ان سے ہے گلا
کیا خبر کس نے کسے رسوا کیا

عبدالسلام
عشق میں جب نام ان کا لیتا ہوں کہتے ہیں وہ
مجھ کو بھی رسوا کیا اور خود بھی رسوا ہو گیا

رقیب

گلوں سے خار بہتر ہیں جو دامن تھام لیتے ہیں
حسینوں سے رقیب اچھے جو جل کر نام لیتے ہیں

امرلال عزت
میں جو منزل سے کچھ قریب ہوا
اک زمانہ مرا رقیب ہوا

طپش امروہوی
رقیب بیٹھا ہے محفل میں یار کے بدلے
خزاں چمن میں ہے گویا بہار کے بدلے

مومن
اس نقشِ پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل
میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

داغ
وہ چھپ کے آئے ہیں ڈرتے ہوئے ہمارے گھر
رقیب کو نہ خدایا خبر کرے کوئی

اکبر میرٹھی
رقیب روسیہ کا کام ہے کیا کوئے جاناں میں
نکالو اس کو شیطاں ہے یہ جنت میں گھسا کیوں ہے

رقیب اور محبت بس اس کو رہنے دو
وہ جس خیال سے ملتا ہے جانتا ہوں میں

نساخ
میرا تلاشِ یار میں یہ حال ہو گیا
نساخ بن گیا ہوں میں سایہ رقیب کا

؍
سائے کی طرح ساتھ ہے دن رات صبح و شام
گویا رقیب یار کا ہمزاد ہو گیا

لڑ کر رقیب یار کے گھر سے نکل گیا — مریخ آج برج قمر سے نکل گیا — امانت لکھنوی

پہنچا ہے شب کمند لگا کر کہاں رقیب — دیکھو حرام زادے کی رسی دراز ہے — ذوق

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا — بن گیا رقیب آخر جو تھا رازداں اپنا — غالب

رند

رند جو ظرف اٹھا لیں وہی ساغر بن جائے — جس جگہ بیٹھ کے پی لیں وہی میخانہ ہے

رند مشرب ہوں سکونت مری میخانے میں ہے — نذر ساقی دین ہے ایمان پیمانے میں ہے — راغب

میں نہیں کہتا مگر میں نے سنا ایک رند سے — جنت الفردوس کی اک راہ میخانے میں ہے — شوکت

چاند نکلا عید کا اک دھوم رندوں میں مچی — کوئی مے خانے کی چھت پر کوئی مے خانہ میں ہے

مے کشی رات کو کی صبح کو توبہ کر لی — رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

رونا

تھمتے تھمتے تھمیں گے آنسو — رونا ہے یہ دل لگی نہیں ہے — میر

آہ بے کسی عشق پہ رونا غالبؔ — کس کے گھر جائے گا سیلاب بلا میرے بعد — غالب

سرہانے میرؔ کے آہستہ بولو — ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے — میر

قسمت میں خوشی جتنی تھی ہوئی اور غم بھی ہے جتنا ہونا ہے — گھر پھونک تماشہ دیکھ چکے اب جنگل جنگل رونا ہے — رضا

نہ ہنسیے میرے رونے پر یہ وہ آفت کا رونا ہے — کہ جس کو دیکھ کر رویا کیے روح الامیں برسوں — ناظم

آہ و زاری پر ہماری طعنہ زن ہے اک جہاں — لوگ ہنستے ہیں ہمیں رونا بھی مشکل ہو گیا — منظر

ہنستے جو دیکھتے ہیں کسی سے کسی کو ہم — منھ دیکھ دیکھ روتے ہیں کس بے کسی سے ہم — مومن

جب آئے تھے روتے ہوئے آپ آئے تھے — اب جائیں گے اوروں کو رلا جائیں گے — ذوق

چشم پر آب مری دیکھ کے ہنس کر بولے — یہ تو اک نوح کا طوفاں ہے رونا کیا ہے — مجروح

اس کو کہنے کا ڈھب نہیں آتا — جس کو رونا بھی اب نہیں آتا — آرزو

روز و شب رو دیا کیے شام و سحر رو دیا کیے — تیرے رونے والے تجھ کو عمر بھر رویا کیے — سحر بوہانی

طپش لکھنوی: دل جل رہا ہے سینے میں روتی ہے چشم تر — باہر ہے پانی آگ ہے اندر لگی ہوئی

کلیم: شفق کے رنگ نے یہ رازِ سربستہ کیا افشا — لہو رویا کیا کشتوں پہ تیرے آسماں برسوں

میر: میر صاحب رلا گئے سب کو — کل وہ تشریف یاں بھی لائے تھے

رموزِ عشق و محبت سے آشنا ہوں میں — کسی کو غم نے ستایا ہے رو دیا ہوں میں

عالم بدل نہ جائے کہیں میں نہ جی اٹھوں — رونے بھی جائیے مرے ماتم کے ساتھ ساتھ

غالب: اک روز کا رونا ہو تو رو کر صبر آئے — ہر روز کے رونے کو کہاں سے جگر آئے

ذوق: ہم رونے پہ آجائیں تو دریا ہی بہائیں — شبنم کی طرح سے ہمیں رونا نہیں آتا

طپش امروہوی: گر شبِ ہجر میں روؤں تو مرے رونے پر — گر پڑے نجمِ سحر خاک پہ قطرا ہو کر

〃: میں ہوں تر دامن اگر روؤں گا فرطِ خوف سے — اشک سے دامن میں انبارِ گہر ہو جائیگا

اثر: اسی کا نام ہے تکمیلِ حسن و الفت کی — وہ ہنس رہے ہیں اثر رو رہا ہوں میں

زیبا اکبرآبادی: صحرا میں مرے حال پہ کوئی بھی نہ رویا — گر پھوٹ کے رویا تو مرے پاؤں کا چھالا

تم تو ہنس بول کے غیروں میں گذارو اپنی — میری تقدیر کا رونا مری تقدیر کے ساتھ

شاعر لکھنوی: صبح تھی تنہا تھے وہ مسرور تھے برہم نہ تھے — تو تو روتا یہ ہے شاعر کہ ہائے ہم نہ تھے

زبان

توفیق: جیسا کہو گے ویسا سنو گے یہ ریت ہے — تم چاہتے ہو منہ میں کسی کے زباں نہ ہو

طپش امروہوی: دل ہو شگفتہ سن لے وہ باتوں میں ہے اثر — گویا کہ گل رخوں کی زبانوں میں پھول ہیں

اظہارِ گفتگو کے سوچے بہت طریقے — اک حرفِ آرزو بھی نکلا نہیں زباں سے

عابد: دروغ گوئی سے مجھ کو نفرت جو سچ کہو تو اماں نہیں ہے — وہ اپنے دل میں سمجھ رہے ہیں کہ میرے منہ میں زباں نہیں ہے

اختر: مری بربادیوں کا راز اختر — وہ سن لیتے اگر میری زباں سے

ذوق: بجا کہے جسے دنیا اسے بجا سمجھو — زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

شاداب: کیا غم اٹھا رہا ہوں مجال بیاں نہیں — اہلِ وفا کو دل تو ملا ہے زباں نہیں

بہر اوصاف تڑپنے لگی ماہیٔ زباں	اے صنم ہم نے جو آبِ دُرِ دنداں دیکھا	طپش امروہوی
میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں	کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے	غالب
اشک کہتے ہیں ماجرا دل کا	جب زباں سے کہا نہیں جاتا	ذکیہ مرادآبادی
رفتہ رفتہ حالِ دل اُن پر عیاں ہو جائیگا	میرا چُپ رہنا زمانے کی زباں ہو جائیگا	
نہیں دل لگی داغ یاروں سے کہہ دو	کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے	داغ
تذکرہ سوزِ محبت کا کیا تھا اک بار	تا دمِ مرگ زباں سے مرے چھالے نہ گئے	
گفتگو ریختہ میں ہم سے نہ کر	یہ ہماری زبان ہے پیارے	میر
کسی کا ذکر اور میری زباں سے	زمیں ٹکرا رہی ہے آسماں سے	محزوں دہلوی
وہ چاہتے ہیں ان کا کوئی رازداں نہ ہو	ہو رازداں تو اس کے دہن میں زباں نہ ہو	شاہین بیگم
اے زبانِ خلق تو نے کیا کیا	ساتھ میرے ان کو بھی رسوا کیا	
مزہ نہ آئیگا تم کو جو قصہ خواں سے سُنو	یہ سرگزشت ہے میری مری زباں سے سنو	
بات پر واں زبان کٹتی ہے	وہ کہیں اور سُنا کرے کوئی	غالب
ہم عرضِ وفا بھی کر نہ سکے کچھ کہہ نہ سکے کچھ سن نہ سکے	یاں ہم نے زباں ہی کھولی تھی واں آنکھ جھکی شرما بھی گئے	ابن رؤف
زباں سے کیا دعویٰ محبت عمل کرو تو کھلے حقیقت	نقاب اٹھاؤ نظر ملاؤ قریب آؤ تو ہم بھی جانیں	حامد
بیانِ اشک اگر تم سمجھ لیا کرتے	زباں سے ہم نہ کبھی عرضِ مدعا کرتے	بیدی سحر

زحمت

اس لئے میت پہ آئے تاکہ دنیا دیکھ لے	آپ نے زحمت تو کی لیکن برائے نام کی	اکمال لکھنوی
تمہارے سامنے دم نکلے یہ تمنا ہے	خطا معاف ہو زحمت تو ہو گی دم بھر کی	صفی
لے اپنے آشیاں کو خود پھونک ڈالتے ہیں	بیکار بجلیاں کیوں یہ زحمتیں اٹھائیں	حزیں
معلوم ہے کہ دل کی ضرورت ہے آپ کو	اظہارِ التفات کی زحمت نہ کیجئے	احمق
جمع ہیں اپنے پرائے نزع کا ہنگام ہے	دو گھڑی کے واسطے تم کو بھی زحمت چاہیئے	جدید

زلف

شاعر		
طپش امروہوی	جس دم شمیم زلف سنگھا کر صبا چلی	اہل خطا تھے وجد میں ایسی ہوا چلی
"	دل پُر داغ کیا پھنستا ہے اس کی زلف پیچاں میں	میان دام طاؤس چمن آباد ہوتا ہے
"	افشاں ہے تری زلف پہ حیران ہوں میں لیکن	یہ پھول ہیں سنبل میں کہ تاروں میں گھٹا ہے
"	شانوں پہ زلف۔ زلف میں گل۔ تیغ بر میں ہے	تازہ یہ بانکپن۔ مرے رشک قمر میں ہے
"	کس طور زلف سے دل مضطر جدا ہے	دیکھو کہ مرغ قبلہ نما کے ہیں پر بندھے
"	زلف آگئی اُڑ کر خم ابرو پہ دم دید	بچھو جسے سمجھے تھے وہ اژدر نکل آیا
جگر	ذرا اُن کی شوخی تو دیکھئے لیے زلف خم شدہ ہاتھ میں	مرے پیچھے آئے دبے دبے مجھے سانپ کہکے ڈرا دیا
سودا	نہ اندیشہ کرو پیارے کہ شب وصل ہے تھوڑی	تم اپنی زلف کو کھولو سحر ہولے تو میں جانوں
محسن	تری زلف مشکیں بلا در بلا	ہر اک طرہ ہنگامۂ کربلا
میر	دم نہ لے اس کی زلفوں کا مارا	مہر کاٹا جیئے نہ کالوں کا
کیفی	دم گھٹا جاتا ہے چہرے سے ہٹا لو زلفیں	ختم بیمار ہجر شام ہوا جاتا ہے
حامد	غیروں سے زلف و رخ کی تمنا چاہئے ہے آج	جن کو نہیں تمیز سفید و سیاہ کی
طپش امروہوی	لب جاناں کے بوسے لے رہی ہے	عجب تقدیر ہے زلف رسا کی
"	جلوۂ زلف سیہ اُس بُت کے چہرے پہ نہیں	حافظ قرآں خدا کی شان ہندو ہو گیا
شمیم	اُٹھائیں جو زلفیں تو بولے منجم	وہ دیکھو نکل آیا سورج گہن سے
فنا	تری زلف و رخ میں پنہاں ہے فنا بقا کی منزل	جہاں صبح کی سفیدی وہیں شام کی سیاہی
ادیب مالیگانوی	تیری زلفوں سے جن کو نسبت ہے	ظلمت شام سے نہیں ڈرتے
محسن بھوپالی	آنکھ اُٹھی دور میں جام آگیا	زلف بکھری شام ہو کر رہ گئی
"	سنوارو سنوار دو یہ زلف پریشاں	کہ دنیا پریشاں ہوئی جا رہی ہے
"	تیری زلفوں سے اس کو نسبت ہے	ورنہ اتنی حسیں نہیں بدلی

زلف سے رنگِ رُخ نکھرتا ہے / صبح کو شام کی ضرورت ہے

رُخ پہ بکھری ہوئی زلفوں کو ہٹادو جلدی / نظر آنے لگے دنیا نہ سیہ پوش مجھے

نیند اس کی ہے دماغ اس کا ہے راتیں اس کی ہیں / جس کے شانوں پر تری زلفیں پریشاں ہو گئیں — غالب

سانپ تو یوں ہی دل پہ لوٹتے ہیں / اب یہ زلفوں کو کیوں سنوارا ہے — مؤلف

ان کے ماتم کی ادائیں حشر ساماں ہو گئیں / مرنے والے اُٹھ کہ وہ زلفیں پریشاں ہو گئیں

نکلنا زلف کے پھندے سے کوئی آسان تھا / مرے خدا نے بچایا ہے بال بال مجھے

دل میں اُٹھتی ہیں شوق کی لہریں / اس طرح زلف کو نہ بکھراؤ — نافع ایم۔اے

دیکھنے میں تو بھلی معلوم ہوتی ہے مگر / سانپ بن جاتی ہے اس کی زُلف بل کھانے کے بعد — اعظم

زلف آئی ہو لٹک کر روئے جاناں کی طرف / پاؤں پھیلائے ہیں اس کافر نے قرآں کی طرف — ؍؍

وہ بکھری ہی سہی ہم زلفِ جاناں دیکھ لیتے ہیں / پریشاں حال ہیں خوابِ پریشاں دیکھ لیتے ہیں — فنا بنارسی

کر دیجئے دل میرا رہا زلفِ دوتا سے / یوسف کو چھڑا دیجئے زندانِ بلا سے — طپش امروہوی

ہم کو جو محبت ہے تری زلفِ دوتا سے / یہ دیدۂ تر رونے میں بڑھ کر ہیں گھٹا سے — ؍؍

رہتی ہیں پریشانیاں کیوں دل کو ہمارے / سودا تری زلفوں کا اگر ہم نہیں رکھتے — ؍؍

سیدھی ہوئی تو خوبیٔ تقدیر ہو گئی / بل کھا گئی وہ زلف تو زنجیر ہو گئی — رؤف

پتہ لگا دلِ عاشق کا زلفِ پُرخم میں / اُسی کے پاس سے نکلا گمان جس پر تھا — میکش

حضرتِ زاہد نہ بھاگو اتنی دور / زلفِ جاناں ہے کوئی کالا نہیں — ؍؍

خود ہی دل نے ربط زلفوں سے کیا / ہم نے مارِ آستیں پالا نہیں — ؍؍

آئینہ دیکھ دیکھ کے یہ کہہ رہے ہیں وہ / لوں زلف سے وہ کام کہ زنجیر سے نہ ہو — نسّاخ

جو بل کھا کر رُخِ پُرنور پہ زلفِ دوتا ٹھہرے / سوادِ چین میں ملکِ حبش کا قافلہ ٹھہرے — حسن آرہ

بن کر وہ زلف عنبر کی تدبیر ہو گئی / بگڑی ہی تو دفعتاً مری تقدیر ہو گئی — عیاں

بلا تیری زلفوں کے کالے ہوئے ہیں / یہ دو سانپ چوٹی کے پالے ہوئے ہیں — وزیر

زلیخا

کون تم سے چھین سکتا ہے مجھے کیا وہم ہے — خود زلیخا سے بھی تو دامن بچا سکتا ہوں میں — طپش امروہوی

چاہ سے چاہیئے ہر اک کو کنارا کرنا — عشق یوسف سے ہوئی دیکھو زلیخا برباد

چاک دامانی ہوئی خود بڑھ کے عصمت کی دلیل — اے زلیخا حضرتِ یوسف کا یہ اعجاز تھا — اصغر لکھنوی

زلیخا کیا کیا تو نے کہ دامن چاک کر ڈالا — نمازِ شکر پڑھنی تھی تجھے یوسف کے داماں پر

گیا ہے ایک دست آرزو نے تار دو جانب — زلیخا کے جگر تک چاک ہے یوسف کے داماں پر

نہ چلتی کچھ بھی یوسف کی نہ ہوتی کچھ بھی رسوائی — پکڑ لیتی اگر دامن زلیخا دل کے ہاتھوں سے — تآمل دہلوی

مقام عشق میں شاہ و گدا کا ایک رتبہ ہے — زلیخا ہر گلی کوچے میں بے توقیر پھرتی ہے — غافل

ہو سکے آلودہ دامن پاک دامن کس طرح — اے زلیخا چھوڑ دامن یوسف کنعان کا — ذوق

ممکن نہیں ہاتھ آئے نہ جو دامنِ یوسف — ہر دست مگر دستِ زلیخا نہیں ہوتا — میکش

اے زلیخا برتر از انسانیت کا ذکر چھوڑ — درد سے بیگانہ رہنا کار انسانی کہاں — مانی

ہوئی عشاق میں مشہور یوسف سا جواں تاکا — ہُوا ہم عورتوں میں تھا بڑا دیدہ زلیخا کا — نازنیں

زخم

دوست غمخواری میں میری سعی فرمائینگے کیا — زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ آئینگے کیا — غالب

نظر لگے نہ کہیں ان کے دست و بازو کو — یہ لوگ کیوں مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں — ″

وہی سمجھے میرے زخم دل کو — جگر پر جس کے اک ناسور ہوگا — جرأت

پڑ گئی جس کی نظر بے ساختہ وہ رو دیا — میرے زخموں سے پتہ چلنے لگا بیداد کا — بلیغ

دل مرا تیغ اداے یار سے مجروح ہے — کیا مجھے ہو اندمالِ زخم تن کی احتیاج — طپش امروہوی

بے وجہ دہن زخموں کے خنداں نہیں اے گل — شاید کہ کبھی تھی تری شمشیر نمک میں — ″

تو دست حنائی سے جو شمشیر لگائے — اے گل مجھے ہو جائے ہر اک زخم بدن پھول — ″

اب تو ناسور ہوئے زخم پرانے پڑ کر — پہلے اک داغ تھا اس کا کوئی درماں نہ ہوا — بدبیاہی

کیا قیامت تیرِ الفت کی خلش باقی رہے — یا الٰہی حشر تک زخمِ جگر اچھا نہ ہو — صولت

کچھ ایسی درد میں لذت ملی چھوڑا نہیں جاتا — میں خود نشتر لگاتا ہوں جو کوئی زخم بھرتا ہے — امیر

نہ پوچھو کیفیت زخمِ جگر کی — نشانی ہے کسی بیداد گر کی — محشر لکھنوی

سمجھ لو آگئی منزل حیاتِ جاودانی کی — کہ جب محسوس ہو راحت جگر پر زخم کھانے میں — شفیق

زخم میرے دلِ سوزاں کے سئے جاتے ہیں — جلتے جاتے ہیں وہ ٹانکے جو دئے جاتے ہیں — جدید

ہاتھوں سے دل سنبھال کے پھر بیٹھنا پڑا — وہ اس طرح سے دیکھ کے زخمِ جگر اُٹھے — دانش

جو بے آگ جل جائے وہ دل یہی ہے — لئے زخم تیرے وہ بسمل یہی ہے — داغ

بات کا زخم ہے تلوار کے زخموں سے سوا — کیجئے قتل مگر منہ سے کچھ ارشاد نہ ہو — ؍؍

زمانہ

تھی زمانے میں روشنی جس کی — ہائے اس گھر میں اب چراغ نہیں — داغ

لوگ کہتے ہیں بھلائی کا زمانہ نہ رہا — یہ بھی کہہ دیں کہ بُرائی کا مآل اچھا ہے — ؍؍

کہتے سب ہیں جنون ہے ان کو — ناموافق جو اب زمانہ ہے — حامد

ایسی بدلی ہوا زمانے کی — کوئی اپنا نظر نہیں آتا

زمانہ ہو گیا باغِ محبت کی تباہی کو — ابھی تک ہیں وہی گلکاریاں خونِ شہیداں کی — صفی

بہ فیضِ مصلحت ایسا بھی ہوتا ہے زمانہ میں — کہ رہزن کو امیرِ کارواں کہنا ہی پڑتا ہے — جگن ناتھ

مری جانب سے آنکھیں پھیر کر وہ ناز سے بولے — اِدھر دیکھو زمانہ اس طرح کروٹ بدلتا ہے — رؤف

کہیں عام دردِ نہاں ہو نہ جائے — زمانہ مرا ہم زباں ہو نہ جائے

کوئی آزمانے والا نہیں آزما رہا ہے — غمِ گردشِ زمانہ تو فقط ہے اک بہانہ

ممکن نہیں کہ ظلم ترا کوئی بھول جائے — ماتم بپا رہے گا ترا ہر زمانے میں

محفل میں کوئی اب مجھے پہچانتا نہیں — تم کیا بدل گئے ہو زمانہ بدل گیا — مہر چند کوثر

ہم آنسوؤں کو پی کر بیٹھے تھے مسکرائے — دیکھا گیا نہ تجھ سے اتنا بھی او زمانے

فانی: زمانہ بر سرِ آزار تھا مگر فانی ۔ تڑپ کے ہم نے بھی تڑپا دیا زمانے کو

چھٹے اسیر تو بدلا ہوا زمانہ تھا ۔ نہ پھول تھے نہ چمن تھا نہ آشیانہ تھا

صفی: ہماری قیدِ قفس کو بس ایک سال ہوا ۔ یہی بہار کے دن تھے یہی زمانہ تھا

یہاں تو اپنی بھی مرضی پہ اختیار نہیں ۔ جو چاہیں آپ کریں آپ کا زمانہ ہی

افسر: قسم جو کھائی ہے اس بے وفا کے آنے کی ۔ تو جیسے رک گئی رفتار ہی زمانے کی

محمد ابراہیم: دل تھا کبھی پہلو میں یہ قصہ پرانا ہے ۔ وہ اور زمانہ تھا یہ اور زمانہ ہے

جوش: مطلع نظر آتا ہے مکدر مجھے اے جوش ۔ بگڑے گی ابھی اور زمانے کی ہوا کیا

محبت کے مارے ہوؤں کا فسانہ ۔ کہانی بنا کر سنے گا زمانہ

بدلتے ہی اُن کی نظر بدلی دنیا ۔ اسی کو تو کہتے ہیں دورِ زمانہ

مؤلف: دوستی کا کہیں ٹھکانا ہے ۔ یہ زمانہ نیا زمانہ ہے

〃: دل لگی اب تو چھوڑیے ظالم ۔ کچھ خبر ہے یہ کیا زمانہ ہے

〃: تمھارے عشق میں بدنام ہو کے نام ہوا ۔ نگاہیں پڑتی ہیں ہم پر بھی اک زمانے کی

〃: ہماری شومیٔ قسمت کہ ہم رہے محروم ۔ بر آئی در سے ترے آرزو زمانے کی

〃: شبِ وصال ہے بھولا ہوں ہجر کے صدمے ۔ اب اِس زمانے میں کیا یاد اس زمانے کی

〃: شناخت بھی نہیں بیگانہ و یگانے کی ۔ ہوا بگڑ گئی اب اس قدر زمانے کی

اختر: کبھی کبھی جو قفس پر مرے چمکتی ہیں ۔ یہ بجلیاں ہیں شناسا کبھی زمانے کی

آتش: طبل و علم ہے پاس ہمارے نہ ملک و مال ۔ ہم سے خلاف ہو کے کرے گا زمانہ کیا

حالی: ان کی سب ہاں میں ہاں ملاتے ہیں ۔ وہ جدھر ہیں اُدھر زمانہ ہے

یوں تو سب کچھ ہوا زمانے میں ۔ اپنا چاہا مگر ذرا نہ ہوا

آزاد تھا کبھی میں دل شاد تھا کبھی میں ۔ تھے وہ بھی دن الٰہی تھا وہ بھی اک زمانہ

اقبال: سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں ۔ ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

پھر اک تجدیدِ الفت کا فسانہ لیکے آیا ہوں
میں کیا آیا ہوں اک گزرا زمانہ لیکے آیا ہوں

زنجیر

فصلِ گل اب کی نہ خالی جائیگی	پاؤں میں زنجیر ڈالی جائے گی	مہر
کانپ اُٹھے نگہباں بھی دیوانے کی حالت پر	بیٹھی ہوئی زخموں میں زنجیر نظر آئی	رزم ردولوی
کچھ موج ہوا پیچاں اے میر نظر آئی	شاید کہ بہار آئی زنجیر نظر آئی	میر
غُل سدا وادیٔ وحشت میں رکھوں گا برپا	اے جنوں دیکھ مرے پاؤں کی زنجیر نہ توڑ	ظفر
سلسلہ جنبانِ وحشت ہے نئی تدبیر سے	طوقِ منت کے بدلتے ہیں مری زنجیر سے	رشید
عاشقوں کے دل پہ گرتی ہیں ہزاروں بجلیاں	دیکھ کر سینے پہ زنجیرِ طلائی آپ کی	رئیس
چہرے پہ اُن کے زلف مسلسل ہی جلوہ گر	زنجیر ہو رہی ہے گلو گیر آفتاب	طپش امروہوی
جلوہ کب پستاں پہ ہے یہ موتیوں کے ہار کا	گردنِ مہتاب میں ہی حلقۂ زنجیرِ صبح	〃
پڑگئی ہے ورقِ مہر پہ اے ماہ شکن	تیرے سینے پہ نہیں ہے یہ طلائی زنجیر	〃
ہم نے بھی زنجیریاں پہنی ہیں ای جوشِ جنوں	واں اُلجھتی ہے اگر زلفِ معنبر پاؤں میں	〃
یہ کیا دانائی ہی گُل دام کے مضموں میں پھنس جانا	تم سمجھے اسے ہم اور اسے زنجیرِ پا سمجھے	〃
سب سے منھ موڑ چکا ہوں مگر اُف اے دنیا	اب بھی جکڑے ہے یہ ٹوٹی ہوئی زنجیر مجھے	〃
ہر قدم پر دستِ وحشت نے بیداد کی	چپ ہوا تو پاؤں کی زنجیر نے فریاد کی	〃
وحشئ زلف کو کیا اور سزا دینی ہے	قید تو کر لیا پہنا چکے زنجیریں دو	شوق
ہر اک اعلےٰ ہے اپنے حفظ میں محتاج ادنیٰ کا	درِ گنجینۂ زر میں لگے زنجیر لوہے کی	ناسخ
ساری دنیا سے نرالا عشق کا ہے سلسلہ	قید اک عالم کے دیوانے ہیں اس زنجیر میں	میکش
حشر تک جن میں اسیری کا رہے اِک سلسلہ	قبر میں رکھ دیجئے ٹکڑا کوئی زنجیر کا	بادید
تم نے خود قیدی بنایا تھا مجھے یہ پاس تھا	پاؤں سے اُتری تو سر پر رکھ لیا زنجیر کو	〃
درِ زنداں اگر کُھلا بھی تو کیا	ہم سے ٹوٹی نہ پاؤں کی زنجیر	بیدی سحر

فصلِ گُل کے اثر سے دیوانو
ٹوٹ جاتی ہے خود بخود زنجیر — مجروح

زنداں

ساری رونق ہے یہ دیوانوں کے دم سے آتش
طوق و زنجیر سے ہوتے نہیں زنداں آباد — آتش

دیکھ کر ہر در و دیوار کو حیراں ہونا
وہ مرا پہلے پہل داخلِ زنداں ہونا — عزیز

ان کے دیوانے پہ کیا گذری الٰہی خیر ہو
آج پچھلی رات سے زنداں میں اک کہرام تھا — بقا

خدا جانے یہ کس نے لکھ دیا ہے بابِ زنداں پر
یہاں تو صرف وہ جیتے ہیں جو مر کر نکلتے ہیں — رئیس

اسیروں میں بھی ہو جائیں جو کچھ آشفتہ سر پیدا
ابھی دیوارِ زنداں میں ہوئے جاتا ہے در پیدا — سہیل

صبر یارب مری وحشت کا پڑیگا کہ نہیں
چارہ فرما بھی کبھی قیدیٔ زنداں ہونگے — مومن

دل اپنا اس کی زلفِ پریشاں میں رہ گیا
اک غم گسار تھا سو وہ زنداں میں رہ گیا — طپش مرادآبادی

زندگی

زندگی کا کوئی مفہوم تو باقی نہ رہا
جینے والوں پہ ابھی جینے کی تہمت ہے ابھی

میر کب تک بحالِ مرگ جئیں
کچھ بھی اس زندگی کا حاصل ہے — میر

ناکامیوں میں حوصلہ کامیاب تھا
لے دیکے زندگی کا مزا اضطراب تھا — رزم

راحتِ کنجِ قفس سے زندگی کو کام کیا
بجلیوں سے کھیلتا ہے آشیانِ زندگی — سہیل

زندگی نام اسی کا ہے اگر غور کریں
مشکلیں پیش جو آئیں انہیں آساں کرنا — صفی

شبِ فراق میں اکثر یہ سوچتا ہوں نظیر
کہیں یہ دردِ محبت ہی زندگی تو نہیں — نظیر بنارسی

خود کو کر دوں گا سپردِ اجل
یا تجھے زندگی بنا لوں گا — درد سعیدی

یقیناً زندگی ہے نام ان لمحاتِ رنگیں کا
جو ہم نے ساری دنیا سے الگ ہو کر گذارے ہیں — مجید لاہوری

زندگی غم میں بھی بسر نہ ہوئی
شام اگر ہو گئی سحر نہ ہوئی — شاد

زندگی کیا بسر ہوئی بلبل
شاخِ گل پر اگر بسر نہ ہوئی — "

رہروِ الفت کبھی ہمت نہ ہار
زندگی ناکامیوں کا نام ہے — سحر عبادی

مصرعِ اول	مصرعِ ثانی	شاعر
عجیب راز ہے دیدارِ دوست کا عالم	بہت ہے ایک گھڑی ساری زندگی کم ہے	
زندگی نام ہے محبت کا	کوئی یہ بات ان کو سمجھائے	دیسراج یکتا
تم تو ہر غم سے ہو آزاد تمہیں کیا معلوم	زندگی کس کی ہے برباد تمہیں کیا معلوم	حیاؔ
جب نوازش حضور کی ہوگی	زندگی پھر یہ زندگی ہوگی	
گذاری تھیں خوشی کی چند گھڑیاں	ان ہی کی یاد میری زندگی ہے	شاربؔ
تجھ سے وابستہ اب ہر نفس ہو گیا	اب مری زندگی معتبر ہوگی	حزیں
مجھے رنج و غم کا خوگر تو بنا رہے ہو لیکن	کہیں تم بدل نہ جانا مری زندگی بدل کر	
خدا کرے مجھے دم بھر کو بھی نصیب نہ ہو	وہ زندگی جسے تیری خوشی نصیب نہ ہو	
اصل میں زندگی ہے نام اس کا	جو غموں میں بھی مسکرائی ہے	شاہین
ظفر جو کام کسی دوسرے کے آ نہ سکے	وہ زندگی بھی کسی کام کی نہیں ہوتی	ظفر
غمِ عشق نے گو جلایا بہت	مگر زندگی کچھ سنور ہی گئی	
زندگی ہے ازل سے تا بہ ابد	زندگی کی کوئی صبح ہے نہ شام	
یقیں جانئے جب سے پیدا ہوا ہوں	مری زندگی پر خوشی زد رہی ہے	مخزوں امروہوی
محبت کرنے والے مجھ کو ہر دم یاد کرتے ہیں	کچھ اس انداز سے برباد کی ہے زندگی میں نے	
آ کہ اک راز بتا دوں میں اسیرِ تقدیر	زندگی کوششِ پیہم کے سوا کچھ بھی نہیں	
ہر نفس عمرِ گزشتہ کی ہی میت فانیؔ	زندگی نام ہے مر مر کے جئے جانے کا	فانیؔ
بہت حسین سہی صحبتیں گلوں کی مگر	وہ زندگی ہے جو کانٹوں کے درمیاں گذرے	جگرؔ
پھر اسی بے وفا پہ مرتے ہیں	پھر وہی زندگی ہماری ہے	غالبؔ
بے وفا سے نباہ کرتا ہوں	زندگی کو تباہ کرتا ہوں	
اک نفس پر ہے بس مدارِ حیات	کون سمجھے کہ زندگی کیا ہے	
یوں تو زندہ ہوں مگر بیکار ہے یہ زندگی	زندگی میں جب ہمیں کچھ سکونِ دل نہیں	

شاعر	مصرعِ اول	مصرعِ ثانی
مؤلف	زندگی کا سلام ہو اُن پر	زندگی بھر جنہیں پکارا ہے
اشک	ہوتے ہیں جدا کسی سے افسوس	جاتا رہا لطف زندگی کا
جگر	مناسب ہو تو ظالم ایک دم کے واسطے آجا	بجھائی ہے ترے دامن سے شمع زندگی اپنی
حباب لکھنوی	اب اس کو موت نہ سمجھوں تو اور کیا سمجھوں	ترے بغیر جو گذرے وہ زندگی کیا ہے
	تم پہ مرنا جنہیں نہیں آتا	زندگی کا انہیں شعور نہیں
ثاقب لکھنوی	دو دن کی زندگی ہیں ہزاروں مصیبتیں	ثاقب جہاں میں کیسے کوئی شادماں رہے
حباب "	ایک خاموشی شکست ساز ہے	زندگی آواز ہی آواز ہے
غالب	زندگی اپنی جب اس رنگ سے گذری غالب	ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے
"	خوشی جینے کی کیا مرنے کا غم کیا	ہماری زندگی کیا اور ہم کیا
سودا	فکرِ معاش عشقِ بُتاں یادِ رفتگاں	دو دن کی زندگی میں بھلا کوئی کیا کرے
"	اے اجل آچک خدا کے واسطے	زندگی سے اب تو گھبراتے ہیں ہم
	زندگی اک چراغ سحر ہے	ہے فسانہ مگر مختصر ہے
فانی	اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا	زندگی کاہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا
حسن	بہار زندگی ہے چار دن کی	سنا ہے میں نے پھولوں کی زبانی
	چمن اُداس کلی چُپ ہے باغباں مغموم	جدھر بھی دیکھئے اک زندگی کا ماتم ہے
اقبال	پختہ ہے گردشِ پیہم سے جامِ زندگی	ہے یہی اے بے خبر رازِ دوامِ زندگی
"	عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی	یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے
مجنوں	یہ حُسن تیرا دل کش اور اس پہ نوجوانی	مٹ جائے کیوں نہ تیرے عاشق کی زندگانی
"	آنکھوں کے آگے روز و شب ہے لالہ زار زندگی	اللہ عاقل ہو کے بھی ہیں یوں نثارِ زندگی
"	آکر نہ جائے تو فنا جا کر نہ آئے تو فنا	اِس اک نفس پر ہے فقط دار و مدارِ زندگی
میکش	زندگی بھر ہماری کیا ہوتی	نہ دوا دی نہ دی دعا ہم کو

وہ اپنے بھی چمن اپنا بہار اپنی خوشی اپنی
کبھی گزری ہے ایسے دور سے بھی زندگی اپنی — شفیق جونپوری

شفیق آرام سے تنہا اگر گذری تو کیا خوبی
ضرورت ہے کسی کے کام آئے زندگی اپنی

فکر و تدبیر کی طاقت پہ نہ اترائے دوست
زندگی جبرِ مشیت کے سوا کچھ بھی نہیں — رئیس امروہوی

تا بہ کے شکوۂ فراقِ سحر
زندگی مستقل جدائی ہے — بید سحر

جہد ہے رازِ بقا سعی ہے تصدیقِ حیات
زندگی کیا جو کوئی مطلبِ مشکل نہ رہا — بانی

یوں زندگی گذار رہا ہوں ترے بغیر
جیسے کوئی گناہ کئے جا رہا ہوں میں — جگر

زلیست

ہے بہ بانی کا بلبلا شاعر
زلیست کا اعتبار کون کرے — شاعر

دل گیا رسوا ہوئے آخر کو سودا ہو گیا
اس دو روزہ زلیست میں ہم پر بھی کیا کیا ہو گیا — ہیبر

دستِ قدرت کا انتخاب ہے زلیست
ایک تصویرِ اضطراب ہے زلیست — امین حزیں

یا غمِ دوراں یا غمِ جاناں
اس کے سوا کیا زلیست کا حاصل — جوہر بجنوری

رونقِ زلیست کسی کی یاد
حاصلِ زلیست کسی کا غم

ہجر میں طرفہ ماجرا دیکھا
زلیست میں موت کا مزا دیکھا — مجروح

ساحل

نہ گیا ہیرا اپنی کشتی سے
ایک بھی تختہ پار ساحل سے — ہیبر

ساحل کی تمناؤں میں کیوں ڈوب رہے ہو
دریائے محبت کا تو ساحل نہیں ہوتا — جوش ملسیانی

اسی کو بحرِ محبت سمجھتے ہیں عاشق
پتہ ملے نہ زمانے میں جس کے ساحل کا — رضا لکھنوی

کوئی اے ناخدا یہ ڈوبنے والوں کو بتلا دے
کہ جو طوفاں میں کھو جاتے ہیں ساحل پر نکلتے ہیں — رئیس امروہوی

ساغر

مجھے سنبھال میں ہوتا ہوں ساقیا بے ہوش
وہ چشمِ مست نظر آ رہی ہے ساغر میں

اللہ رے مایوسی۔ قسمت کے لکھے کو کیا کہئے
ساقی نے نظر بھر کر دیکھا یاں ہاتھ سے ساغر چھوٹ گیا — محبوب

محزوں
خون کھولے تری الفت میں تو بن جائے شراب — دل کا ساغر جو شکستہ ہو تو پیمانہ بنے

ہو گئی صبح موذن نے اذاں دی اطہر — اور تو بادۂ و ساغر لئے بیٹھا ہے ابھی

فلک کی طرح میں بھی رات دن چکر میں رہتا ہوں — فلاطوں خم میں رہتا تھا تو میں ساغر میں رہتا ہوں

ندرت
ساقی نہ دکھا مجھ کو چھلکتا ہوا ساغر — پینے کے لئے دے کہ یہ پینے کے لئے ہے

ساغر مے جو نگاہوں سے عطا ہوتی ہے — پینے والا ہی بتا سکتا ہے کیا ہوتی ہے

سودا
کیفیت چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا — ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

والعف
کوئی ترتیب بھی ساقی ابھی یاں تھا وہاں پہنچا — یہ ساغر مس ہوا ہے کیا کسی سودائی کے سر سے

صولت
حلق سے ساقی جو قلب جان تک آئی شراب — یوں تو شیشہ تھا چھلک جانے پہ ساغر ہو گیا

نظام
دینا کسی کا ساغر مے یاد ہے نظام — منھ پھیر کر اُدھر کو ادھر کو بڑھا کے ہاتھ

اختر
جب سے دیکھی ہے کسی شوخ کی مستی بھری آنکھ — میرا ہر ساغر سرشار ہے جی ڈرتا ہے

اکمل
اکمل میں اُن کے ہاتھ سے ساغر نہ کیوں پیوں — سرشار جن کی آنکھوں سے سارا جہاں ہے

مائل
لڑتے ہیں جا کے باہر یہ شیخ اور برہمن — پیتے ہیں مے کدے میں ساغر بدل بدل کر

نگاہ مست ساقی نے بنا رکھا ہے متوالا — گرا پڑتا ہے ساغر حضرت مائل کے ہاتھوں سے

ظفر
خاطر جناب شیخ کی ہاں کچھ تو چاہئے — ساقی انہیں جو دینا تو ساغر کھنگال کے

غالب
گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے — رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

میکش
کسی دن نہ یہ ساغر مے چھٹا — تمہارا ہی مے کش نہ بدلا مزاج

"
وہ بزم غیر میں دینا نہ یوں ساغر — سمجھتا ہوں کہ ملایا گیا شراب میں زہر

"
خوف کر محشر کہ ہے ماہ صیام — اب بھی ساغر ہاتھ سے چھٹتا نہیں

مصحفی
اس کا پینا نہیں مقدور ہر اک کا ساقی — عشق کا ساغر سرشار بُرا ہوتا ہے

ساقی

دانا ہی سمجھتے ہیں ساقی کے جو احساں ہیں — کیا قدر ہو محسن کی نادانوں کی دنیا میں

کچھ ان کی کرامت بھی دکھائے ساقی — جو کھول دے آنکھیں وہ پلائے ساقی — جوش ملسیانی

پڑ گئی کیا نگہِ مست تری اے ساقی — لڑکھڑاتے ہوئے مے خوار چلے آتے ہیں

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے — مزا تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

بجائے مے دیا پانی کا اک گلاس مجھے — سمجھ لیا مرے ساقی نے بدحواس مجھے

ارے جنت کے طالب پی جو لینا دستِ ساقی سے — فسانہ اور ہو جاتا حقیقت اور ہو جاتی — بیدی سحر

مے کا پینا حرام ہو کہ نہ ہو — نہ پلانا حرام ہے ساقی — 〃

اس در سے جو ٹھکرا دیا تو نے مجھے ساقی — واللہ ٹھکانا ہی نہیں اور کہیں تو

ایک ساغر کے لئے حیلے حوالے اس قدر — اللہ اللہ ساقیٔ مے خانہ تیرے یہ چلن

ساقی نے خم کا خم ترے منھ سے لگا دیا — جھ تشنہ لب کی پیاس تو پھر بھی بجھی نہیں

تیرے پائے نازنیں پر گر سکیں — ساقیا اک دور تو ایسا چلے

رہنے کو نہیں آئے اے ساقیٔ میخانہ — ہم پی کے چلے جاتے منظور اگر ہوتا

ساقی تجھے قسم ہے ایسے میں تو بھی آجا — وہ چھا گئیں فلک پر توبہ شکن گھٹائیں

پی لے دو گھونٹ کہ ساقی کی رہے بات حفیظ — صاف انکار سے خاطر شکنی ہوتی ہے — حفیظ جونپوری

محتسب کا ہمیں کیا ڈر ساقی — تو پلاتا ہے پئے جاتے ہیں — رؤف

جام چلنے کو ہے سب اہل نظر بیٹھے ہیں — آنکھ ساقی نہ چرانا ہم ادھر بیٹھے ہیں — رشید

نزع میں تیری محبت کا دم بھریں ساقی — غیر کچھ کھا کے مرے پی کے مریں ہم ساقی

کٹی ہے رات تو ہنگامہ گستری میں تری — سحر قریب ہے اللہ کا نام لے ساقی — اقبال

نظامِ مے کدہ بدلا فضا بدلی ہوا بدلی — مگر ہم تو وہی مزدور کے مزدور ہیں ساقی

ایک چلّو ادھر بھی اے ساقی — در پہ اک خانماں خراب بھی ہے

چھوڑ دو مینا و خم اور توڑ دو جام و سبو — کام کیا ان کا بھلا جب ساقیٔ محفل نہیں — حافظ سہارنپوری

ہو چکی چشم گردش یہ بے ہوشی دو عالم کی — بھلا دیکھو تو پھر وہ ساقیٔ گلفام کیا ہر گا — سودا

ظفر

نہ ہو جب تو ہی اے ساقی بھلا پھر کیا کرے کوئی
ہوا کو باد کو گل کو چمن کو صحن بستاں کو

ساقی ترا مستی سے کیا حال ہوا ہوگا
جب تو نے یہ اے ظالم شیشے میں بھری ہوگی

سبزہ

وہ توڑتے ہیں تو کلیاں شگفتہ ہوتی ہیں
وہ روندتے ہیں تو سبزہ نہال ہوتا ہے

رضا

رنج میں آتا نہیں نیکوں کی پیشانی پہ بل
دھوپ کی تیزی سے سبزہ کی لہک جاتی نہیں

طپش امروہوی

نہیں ہے سبزۂ خط کی نمو یہ روئے روشن پر
لکھی قدرت نے رنگ سبز سے تفسیر قرآں کی

خط گلزار سے جس طور سفیدی ہو عیاں
اس طرح سبزۂ خط میں ہے غبارِ عارض

״

سبزۂ خط کے نکل آنے سے اب تو اے گل
خضر آباد ہوا نامِ دیارِ عارض

״

سبزۂ خط سے اس آئینہ کو کیوں ہو نہ فروغ
طوطیٔ حسن کا ہے اب تو نشیمن عارض

״

گیسو تمہارے خطِ عرقناک پر نہیں
شبنم کی چاٹ سبزہ میں لائی ہے مار کو

״

سبزۂ خط میں نہاں کب عارض جاناں ہوا
رکھ لیا طوطی نے گویا زیرِ شہپر آئینہ

״

یہ عارضِ انور پہ ہوا سبزہ نمودار
یا نور کا دریا ہے زمرد کی پری ہے

״

خط کا ذقن پہ یار کی نشو و نما ہوا
سبزے میں سیب باغ جناں ہے چھپا ہوا

״

سبزۂ خط پہ نہ لٹکائیے گیسو اپنے
طوطیٔ حسن کو اے جان یہ شہپر ہوگا

״

خط میں پوشیدہ ہوا ہے خال روئے یار کا
گم نہ ہو سبزہ میں نافہ آہوئے تاتار کا

میکش

ہے زمانے سے نرالی خطِ عارض کی بہار
خضر کو تڑپاتا ہے سبزہ ترے گلزار کا

غالب

سبزہ کو جب کہیں جگہ نہ ملی
بن گیا سطحِ آب پر کائی

״

سبزہ و گل کے دیکھنے کے لئے
چشمِ نرگس کو دی ہے بینائی

״

سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں
ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے

״

اُگ رہا ہے در و دیوار پہ سبزہ غالبؔ
ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے

ستارا

مجھے کیا غرض فلک سے تری انکھڑیوں کے صدقے ‏— یہ چمک رہی ہیں بن کر مرے بخت کا ستارا

ڈوبتا جھلملاتا مدھم سا — میری قسمت کا یہ ستارا ہے — مؤلف

جب ستارے نظر ملاتے ہیں — دل میں جذبات جاگ جاتے ہیں — بشیر

ہو بھڑک جتنی زیادہ۔ جلد ہے اتنا زوال — سب ستاروں سے ہے روشن تر ستارا صبح کا — ناسخ

زلفِ شبگوں میں جو تعویذِ زری باندھو گے — دن کو چمکے گا وہ بدلی میں ستارا ہو کر — طپش

چُننے پھول اس نے جو زلفِ دوتا میں — ستاروں کا جلوہ ہے کالی گھٹا میں — ”

جمائی آپ نے افشاں نہ آج ابرو پر — یہ وجہ کیا جو ستاروں سے ہے ہلال جدا — ”

تو حسینوں میں جو اے گل جلوہ گر ہو جائیگا — ہر ذرّوں میں ستاروں میں قمر ہو جائیگا — ”

میرے قمر کو شوق ہوا سیرِ آب کا — چمکے گا عکسِ رُخ سے ستارا حباب کا — ”

ستم

میں نے کب جور و تغافل کا بُرا مانا ہے — یہ ستم بھی مجھے پیارا ہے قریب آ جاؤ — کشور

راحت ملی ہے دل کو ستم جھیلنے میں بھی — ہاں آگ سے بجھی آگ بجھی ہے کبھی کبھی — نوح دہلوی

مری وفا کا نہیں ہے اُنہیں یقیں اشرف — یہ روز تازہ ستم ہے جو آزمانے کو — اشرف

ہر روز نیا رنگِ وفا دیکھنا میرا — ہر روز نئے تو ستم ایجاد کیے جا

لطف حاصل ہے دردِ پیہم میں — ہر ستم آپ کا گوارا ہے — مؤلف

ضبطِ گریہ سے الم و رنج و ستم بھی نہ رہا — کثرتِ غم سے اب اندازۂ غم بھی نہ رہا — محروم دہلوی

شکایتیں کر چکے بہت ہم کیا ہے اب عہد تنگ آ کر — خموش رہ کر یہ دیکھنا ہے کہ آپ کب تک ستم کریں گے — احسن مارہروی

سرِ محفل مجھ ہی سے تجھ کو ظالم پردا کرنا تھا — پھر اس پر یہ ستم ہے غیر کے دامن سے منہ ڈھانکا — جگر

ستم دیکھ کر یا کرم دیکھ کر — غرض مر لیے کچھ تو ہم دیکھ کر — بینظیر

بدلا ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے — اپنا ہی تو فریفتہ ہوئے خدا کرے — سودا

عارف
اس نے اس حسن سے ستم ڈھائے
دل کو اندازۂ ستم نہ ہوا

شاہ ظفر
یہ کیا ستم ہے ہم کہیں رو رو کے حالِ دل
منہ پھیر پھیر کے وہ ادھر بے وفا ہنسے

محمد علی جوہر
ہم تو سمجھے تھے کہ ہوں گے اور بھی ظلم و ستم
حوصلہ کچھ بھی نہ نکلا آپ کی بیداد کا

مجبور ہیں وہ اپنی معصومی فطرت سے
کرتے ہیں ستم لیکن ہوتا ہے کرم ساقی

عیش امروہوی
ملے گا خوگرِ جور و جفا مجھ سا نہ عالم میں
ستم جی بھر کے ڈھا لو پھر یہ موقعہ نہ حسرت کا

افسر امروہوی
مری لحد پہ رقیبوں کو ساتھ لائے ہو
بنا یہ طرزِ ستم تم نے اختیار کیا

شفیق جونپوری
پیدا ہوا نہ دل میں شعورِ کرم ابھی
ناداں سمجھ رہا ہے ستم کو ستم ابھی

کس قدر مجھ پر نگاہِ لطف فرماتے ہیں آپ
نت نئے انداز سے تازہ ستم ڈھاتے ہیں آپ

فریدی ایم اے
زباں کھلتی نہیں رودادِ غمِ ہجر کہہ نہیں سکتے
ستم یہ ہے کہ اپنے غم کو بھی غم کہہ نہیں سکتے

ذوق
بہتر ہیں لاکھ لطف و کرم سے ترے ستم
اپنے زہے نصیب کہ ہوں یہ ستم نصیب

،،
وہ دن ہے کون سا کہ ستم پر ستم نہیں
گر یہ ستم ہیں روز تو اک روز ہم نہیں

سحر

حامد
ہجومِ یاس ہی کو زندگی کی رات کہتے ہیں
کبھی مایوس کی خواہش بر آنا ہے سحر ہونا

جو ستارے تراش لیتے ہیں
ہائے ان کی سحر نہیں ہوتی

تشنہ دہلوی
مَے ہے گلزار ہے ساقی ہے گھٹا چھائی ہے
رات کی رات یہ سب کچھ ہے سحر کچھ بھی نہیں

نہال
جس نے سورج کا منہ نہ دیکھا ہو
وہ سحر ہے ہمارے عالم کی

دل میں تم ہو نزع کا ہنگام ہے
کچھ سحر کا وقت ہے کچھ شام ہے

مؤلف
زندگی اپنی ہر طور گذر جائے گی
شامِ غربت بھی تو آخر کو سحر رکھتی ہے

رات کس کی بسر نہیں ہوتی
اک ہماری سحر نہیں ہوتی

حمید میرٹھی
جس سحر کو مجھ سے وہ رخصت ہوئے تھے اے حمید
وہ سحر تھی کس قیامت کی سحر میرے لئے

کٹ گئی شام مصیبت میں اسیری اپنی
رات ہی رات رہی غم کی سحر ہو نہ سکی

الٰہی شبِ غم میں اتنا تو ہو	کوئی جھوٹ کہدے سحر ہو گئی	امیر مینائی
معاذ اللہ شامِ غم کی تاریکی معاذ اللہ	چمک جاتا ہے جب جگنو سحر معلوم ہوتی ہے	ضیا بدایونی
جھگڑا ہی چکا میں بھی چلا دردِ جگر بھی	اب کیا ہے اگر ہو شبِ فرقت کی سحر بھی	بانیؔ
کن مشکلوں سے وصل کی اک شب بسر ہوئی	سو بار رُخ سے زلف ہٹی اور سحر ہوئی	عزیز
دنیا میں کوئی چیز ہمیشہ نہیں رہتی	شب آئی ہے آنے دو کبھی ہوگی سحر بھی	حامدؔ
کبھی گیسو کبھی رُخ کا تصوّر	وہ میری شام یہ میری سحر ہو	رؤف
وہ آنکھیں ملتے اور انگڑائیاں لیتے ہوئے اٹھے	یہ دیکھا ہم نے کہتے تھے قیامت کی سحر ہو گی	حامدؔ
زمانے نے ستایا اس قدر حامدؔ مبارک ہو	سرِ شام جوانی تم کو پیری کی سحر ہونا	حامدؔ
ترا تذکرہ لے کے آئی ہے شام	مرا حال لے کر سحر جائے گی	شبنمؔ رومانی
یہ شام ہی سے دھوم ہے رخصت کی کس لئے	میں روکتا نہیں تمہیں جانا سحر تو ہو	بیخودؔ
ازل میں ہر انجام لکھا گیا	شبِ غم کی لیکن سحر رہ گئی	بےنظیرؔ
تیرگیِ فراقِ دوست آہ نہ پوچھ اے شفیق	شام تو پھر بھی شام ہے اپنی سحر کو کیا کہوں	شفیقؔ جونپوری
جیسا روشن ترا تبسّم ہے	ایسی روشن سحر نہیں ہوتی	بانیؔ
الحذر اے درازیِ شبِ غم	آئی موت اور سحر نہ ہوئی	رضاؔ
بہلے نہ کیوں کہ صبح سے اُٹھ بیٹھے شیخ شہر	پائی ہے اس نے لذتِ خوابِ سحر کہاں	مجرمؔ
طولِ شبِ فراق سے گھبرا نہ اے جگر	ایسی بھی کوئی شام ہے جس کی سحر نہیں	جگرؔ
کوئی پیش آتا ہے روزِ سیاہ	شبِ ہجر کی جو سحر ہو گئی	مجروحؔ
دونوں راتوں میں عیش و غم کی مجھے	آرزوئے سحر نہیں ہوتی	بانیؔ
شمع ہے گل بھی ہے بلبل بھی ہے پروانہ بھی	رات کی رات یہ سب کچھ ہے سحر کچھ بھی نہیں	تشنہ
آپ کے گیسو کا سایہ ہے جسے کہتے ہیں شام	روئے نورانی کا پرتو ہے سحر کچھ بھی نہیں	کلیمؔ امروہوی
ظلمتِ گیسوئے شب رنگ کے پاس	رُخِ روشن ہے سحر کی صورت	„

سر

درد سعیدی — منکرِ بندگی ہوں میں لیکن
تیرے قدموں پہ سر جھکا لوں گا

فضل — فضلؔ ہم کو عشق کی خودداریوں پر ناز تھا
حسن کے قدموں پہ لیکن سر جھکانا ہی پڑا

الگزنڈر آزاد — جب سے پایا دشمنوں نے پاؤں کا میرے سراغ
سر کے بل جاتا ہوں تب سے کوئے جاناں کی طرف

حسرت — خدا کے سامنے سجدہ تو سب ہی کرتے ہیں
ہمارا سر ہے فقط تیری بندگی کیلئے

ناصر کلد — آسماں پر ابر جب چھانے لگے
ہم قفس سے سر کو ٹکرانے لگے

قیامت آئی مردے قبر سے باہر نکلتے ہیں
شہیدانِ وفا ہاتھوں پہ لے کر سر نکلتے ہیں

رضا — جدا ہوا تھا جو سجدے میں صبر و شکر کیا تھا
اُسی نے سجدہ سکھایا قسم اُسی سر کی

ناصری — وہ دیارِ حسن کا آستاں وہ رواج رسم کہ الاماں
وہی سر ہمیشہ قلم ہوئے جو جھکے سجود و نیاز میں

ناظم — ترا نام لب پہ جب آگیا وہیں سر کو میں نے جھکا دیا
ترا سنگِ در نہ ہوا تو کیا ترا آستاں نہ ہوا تو کیا

بیخود — بیخودؔ ہوا نہ وصل تو کچھ اس کا غم نہیں
وقتِ اخیر یار کے زانو پہ سر تو ہے

مصحفی — میں ہوں وہ خاکِ راہ کہ کوچے میں یار کے
میرا ہی سر شکستہ ہے اور پائے خلق ہے

نصیر — جائے عبرت ہے یہ دنیا غافلو ڈرتے رہو
تاج تھا جس سر پہ ہے وہ کاسۂ سر زیر پا

برق — سر کا رتبہ پاؤں کو ہرگز کبھی ملتا نہیں
اس سے کیا ہوتا ہے زر دوزی اگر پوشاک ہے

میکش — کہوں میں کیا مجھے کیا خواب میں میسّر تھا
جہاں قدم تھے کسی کے وہاں مرا سر تھا

دانش — ہمارے سامنے رکھتے ہو سر زانو پہ دشمن کا
کسی پہ رحم کرتے ہو کسی پر جور کرتے ہو

میکش — کبھی نہ یار کے آغوشِ ناز تک پہنچا
الٰہی ٹھوکریں کھانے کو کیا مرا سر تھا

مشتاق — ایسا بھی کوئی تابعِ فرماں نہ ہوئیگا
تلوار کھینچیں آپ جھکائے ہیں سر کو ہم

دبیر — سر مرا لٹکا کے قاتل نے کہا
پھل لگا ہے آج نخلِ دار میں

اقبال مظفر — میں بندگیٔ اہلِ ریا کا نہیں قائل
سودا ہو ترا جس میں وہ سر ڈھونڈ رہا ہوں

قوی امروہوی — ہم زمانہ کی ہیں اتنی ٹھوکریں کھائے ہوئے
کاسۂ سر میں ہیں لاکھوں بال تک آئے ہوئے

سراپا

ہمنشیں مجھ سے نہ پوچھ ان کا سراپائے جمال	شوخ ہیں ان کی ادائیں تو نگاہیں معصوم
دیکھنے کا تو مزا یہ ہے سراپا دیکھے	دیکھ کر پاؤں ترا منہ نہ کسی کا دیکھے

سرمہ

سرمہ لگا کے یار نے ترچھی نگاہ کی	موت آئی پھر کسی نہ کسی بے گناہ کی	آتش
خدا نے جس کو زینت دی مٹانے سے نہیں مٹتی	نہیں ممکن ازالہ سرمۂ چشمِ غزالاں کا	طپش امروہوی
نہیں آنکھوں میں یہ سرمے کی تحریر	عصا ٹیکے ہوئے پتلی کھڑی ہے	صفی امروہوی
چشم میگوں میں نہ سرمہ تو لگا کر دینا	مست کے ہاتھ میں اچھا نہیں خنجر دینا	طپش امروہوی
آنکھوں میں کیا یہ سرمۂ دُنبالہ دار ہے	منھ سے زباں نکالے ہوئے ہیں غزالِ دوست	״
جو کورِ سیہ دل تھے وہ سرمہ ہوئے جل کر	آیا جو نظر شعلۂ طورِ شبِ معراج	״
تمہارے تیرِ نظر سے ہے اک جہاں بسمل	نہ سُرمہ دو بُتِ یوسف جمال آنکھوں میں	״
شمشیرِ سرشگاف پہ دھوکا ہے باڑھ کا	آنکھوں میں اس کی سُرمۂ جادو اثر نہیں	״

سرور

زہرِ غم کا سرور کیا کم ہے	ہاں سلیقہ ہو پینے والوں میں	
اے نشۂ ہستی تجھے کچھ یہ بھی خبر ہے	سرکار کی الفت کا سرور اور ہی کچھ ہے	
بلا کی ہوتی ہے وحشت کی بھی غزلخوانی	کہ اک سرور سا ہوتا ہے اہلِ محفل کو	وحشت
جو لذتیں ہیں قناعت میں حرص میں کب ہیں	نشہ جو کم ہو اُسی کو سرور کہتے ہیں	
چھپاؤ لاکھ تم لیکن سرور آنکھوں میں ہے غافل	نہ پی ہوگی مگر نکلے تو ہو اس کے قریں ہو کر	غافل امروہوی
دیکھو سرورِ بادۂ ہستی کا خاتمہ	اب دیکھیں رنگ لائے اجل کا خمار کیا	
جدا ہے بلبلو جس دن سے وہ گلِ خنداں	نہیں ہے طبعِ حزیں کو مری سرور پسند	طپش امروہوی
سرور آتا ہے ساقی کا نام سننے سے	مجھ ایسے رند سے ترکِ شراب کیا ہوگا	مجذوب امروہوی

سزا

رضا — اور بھی لاکھ بہانے تمہیں مل سکتے ہیں / اس خطا پر نہ سزا دو کہ تمہیں یاد کیا

شفیق — سزا کا خوف ہی جاتا رہا شوقِ حضوری میں / اسی حسرت میں ہے مجرم کہ کب ہوگی پکارا ہی

آخر وہ خطا کیا تھی کیوں ہم نے سزا پائی / کیوں پھینکا یگانوں نے بیگانوں کی دنیا میں

محمور سعیدی — ایک الجھن اک خلش اک بے قراری روز و شب / آہ یہ جرمِ محبت کی سزائیں کیا کروں

تو ہاتھ ظلم سے نہ اٹھا تو حسیں ہے / الٹی سزا ملے گی ترے داد خواہ کو

صدیقی ہاربری — یہ تو کس منہ سے کہوں میں کہ خطاوار نہیں / ہاں مگر اتنی سزاؤں کا سزاوار نہیں

وفا — گناہ گار تو رحمت کے مستحق ٹھہرے / الٰہی حشر میں زاہد ہے کیا سزا کے لئے

شاعر — ہم انہیں پیار کریں وہ ہمیں شاعر سمجھیں / واہ کیا دل کے لگانے کی سزا پائی ہے

حامد — جانتے ہو خوب دل پر کچھ بھی قابو تھا مرا / جرم تو اس نے کیا مجھ کو سزا دینے لگے

ریحان — بڑی تکلیف تیرے ہجر میں اور بے وفا پائی / خدا شاہد ہے ہم نے دل لگانے کی سزا پائی

اکبر — سو جان سے ہو جاؤں گا راضی میں سزا پر / پہلے وہ مجھے اپنا گناہ گار تو کر لیں

آصف — بے خوف ہو کے پھر تو خطا پر خطا کریں / بڑھ جائیں حوصلے جو سزا پر سزا ملے

اقبال — بھری بزم میں راز کی بات کہہ دی / بڑا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں

جاوید — خنجر گلے پہ رکھ کے ہٹاتے ہو بار بار / یہ دیر ہے جو مجھ کو سزا کس قصور کی

فہمی ہوتی — خوب پائی میں نے اپنے جذبۂ الفت کی سزا / آدمی آخر سنبھلتا ہے سزا پانے کے بعد

سوال

صمد — مجھ کو گلے لگا کے یہ ان کا سوال تھا / ہاں سچ کہو اسی لئے اتنا ملال تھا

انشا — سوالِ وصل پر خنجر یہ بولا / کہ اب تیرا گلو ہے اور میں ہوں

غالب — بے طلب دیں تو مزا اس میں سوا ملتا ہے / وہ گدا جس کو نہ ہو خوئے سوال اچھا ہے

جلیل — درِ محبت کا اک گدا ہوں پری کا طالب نہ حور کا ہوں / تجھی کو تجھ سے میں چاہتا ہوں اور میرا سوال کیا ہے

تم خوب جانتے ہو مرے دل کا مدعا — صورت سوال ہوں میں کروں گا سوال کیا — میکش

خاموش سن کے ہو گئے سر کو جھکا لیا — گویا جواب ہی نہیں میرے سوال کا — نساخ

وہ میرا سوال اور آنکھوں میں آنسو — وہ گھبرا کے منظور کہنا کسی کا — بینظیر

دل سے نکلی نہ تمنائے جواب شیریں — گفتگو اپنی سوالات سے آگے نہ بڑھی — فہمی امروہوی

سن کر سوال بوسہ وہ دیتے نہیں جواب — دل تنگ ان کا شکل دہن ہو گیا نہ ہو — طپش "

سونا

کہاں کا زر برے وقت اہل جوہر کام آتے ہیں — کوئی زردار بنواتا نہیں تلوار سونے کی — ناسخ

سہارا

جھلملائی تو گھٹاؤں میں روپہلی سی لکیر — ڈوبتی ناؤ کو تنکے کا سہارا تو ملا

ادائیں کنائے نگاہیں اشارے — دئے جا رہے ہیں وہ غم کو سہارے — مہدی سحر

سہارا ہے کہاں یارب ترے کشتی شکستوں کا — نکل آتی ہے موج آخر جسے ساحل سمجھتے ہیں

توڑ ڈالے ہیں جہاں بھر کے سہارے میں نے — اب تمہارا ہی سہارا ہے قریب آ جاؤ — کشور

مایوس کے سہارے چشم کرم ادھر بھی — بندے سے یہ تغافل بندہ نواز ہو کر

اک تصور کے سہارے یہ کہاں تک جیتے — ڈوبنے والے کو تنکے کا سہارا کب تک — کاظم

کچے دھاگے ٹوٹ چکے کتنے ساتھی چھوٹ چکے — جانے کیوں دل اب تک تم کو اپنا سہارا جانے ہے

دم لبوں پہ ہے اور در پہ نظر — دید کا آخری سہارا ہے — مؤلف

کسی کی یاد تنہائی ستارے — یہی دو چار ہیں دل کے سہارے

ہم کو کاظم کسی سے کیا امید — صرف اللہ کا سہارا ہے

تارا ٹوٹتے دیکھا سب نے یہ نہیں دیکھا ایک نے بھی — کس کی آنکھ سے آنسو ٹپکا کس کا سہارا ٹوٹا ہے — آرزو

ہے شب ہجر میں اتنا ہی سہارا کافی — بدلے کھانے کے نہ کھانے کی قسم کھائی ہے — مجروح

کرم جو مسیحا تمہارا ہوا ہے — مری زندگی کا سہارا ہوا ہے — طپش امروہوی

شاعری

جمیل مظہری
میری نظر میں شاعری روح کی ایک کیفیت
تیری نظر میں شاعری لفظ کے کچھ تکلفات

فراق
ہے فنِ شاعری بھی وجد میں آج
ذکر تیرا مری زبانی ہے

صادق
صادق اسی کو کہتے ہوں شاعری کہیں
جذبات میرے لفظوں کے سانچے میں ڈھل گئے

صفی
شاعری کیا ہے دلی جذبات کا اظہار ہے
دل اگر بے کار ہے تو شاعری بیکار ہے

شاعری انسان کی ناکامیوں کا راز ہے
ساز ہے لیکن شکستِ ساز کی آواز ہے

حشر
ہماری شاعری دنیا میں شرحِ دردِ الفت ہے
وہی سمجھیں گے اس کو جو زبانِ دل سمجھتے ہیں

ماہرالقادری
وہ پشیماں سے ہو گئے ماہر
آپ کی شاعری کو کیا کہیے

مصحفی
میں لکھنؤ میں زمزمہ سنجانِ شعر کو
برسوں دکھا چکا ہوں تماشائے شاعری

ویدابھی
خاص انداز جب سخن کا نہ ہو
شاعری شاعری نہیں ہوتی

شاعری کیا ہے فقط تصویرِ جذبات نہاں
قوتِ تخئیل کے ہمراہ تاثیرِ زباں

ثمر
ثمر افکارِ دنیا سے ہمیں مہلت کہاں ممکن
انہیں کو شاعری زیبا ہے جو بیکار رہتے ہیں

بسمل
جسے سمجھ نہ سکیں گے جز اہلِ دل بسمل
وہ اختیار کیا رنگ شاعری میں نے

شام

میری خاموشی مری گفتار کا انجام ہے
یہ طلوعِ صبحِ عشرت کی مبارک شام ہے

سراج
وہی اشکوں کا تسلسل وہی بھیگا دامن
دن ہی لیکن ہے وہی سلسلۂ شام ابھی

نخشب
کوئی پرسانِ غم نہیں نخشب
زندگی ہے کہ شامِ تنہائی

شوق
ہیبت وہی ہے ہول وہی سختیاں وہی
شامِ فراق صبحِ قیامت سے کم نہیں

فہدی
صبحِ محشر آنکھ کھلتے ہی مجھے یاد آ گیا
تم نے جب زلفیں سنواری تھیں تو وقتِ شام تھا

مانوس ہو گیا ہوں میں شامِ فراق سے
اب دل ترے وصال کا خواہاں نہیں رہا

بیدی سحر
ہم چراغِ سحر سہی لیکن
مے کدے کی تو شام ہے ساقی

چھپا کے زلفوں میں منھ مرے گھر چلے آؤ — تمہیں تو صبح کو آنا ہے شام کر لینا — ناز

جس نے دیا ہے صبح کو شب کو بھی دیگا وہ — ناداں ہیں فکر کرتے ہیں جو شام کیلئے — سیکش

آج لیتی جا مرے غم کا سلام آخری — کس کے گھر جائے گی تو شام جدائی میرے بعد

ابھی کل صبح جس کی مل گئی صبح محشر سے — الٰہی خیر کرنا پھر وہ وقت شام آتا ہے — جاوید

شب

دعویٰ بہت بڑا ہے ریاضی میں آپ کو — طول شب فراق ذرا ناپ دیجئے — اکبر

وہ فراق اور وہ وصال کہاں — وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں

شب وصل کیا مختصر ہو گئی — کہ آتے ہی آتے سحر ہو گئی — امیر مینائی

کس کام کی بھلا شب فرقت میں چاندنی — اوڑھے بچھائے کوئی اسے کہیئے کہ کیا کرے — ساحر

تو کہاں جائے گی کچھ اپنا ٹھکانا کرلے — ہم تو کل خواب عدم میں شب ہجراں ہونگے — مومن

گیسوئے یار کا تصور ہے — شب ہجراں دراز ہو جائے

تیرے عارض پہ اگر گیسوئے خمدار نہ ہو — روز روشن مری آنکھوں میں شب تار نہ ہو — طپش

وصل کی شب ہے کہیں ظاہر نہ ہو تنویر صبح — پنجۂ ظلمت الٰہی ہو گریباں گیر صبح — ،،

ہوتی ہے دنیا سدا روشن دلوں سے فیضیاب — تیرگیٔ شب کو دیتی ہے ضیاء تنویر صبح — ،،

مے کشی نے کوئے گیسو سے نکالا دل مرا — ہو گیا گویا شب یلدا میں رہبر آفتاب — ،،

ہر روز بولتا ہے شب وصل یار میں — اللہ بند ہوں کہیں مرغ سحر کے لب — ،،

شباب

یہ عمر اور عشق ہے آزردہ جائے شرم — حضرت یہ باتیں پھبتی ہیں عہد شباب میں — آزاد دہلوی

وقت پیری شباب کی باتیں — ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں

حسینوں میں تھے انتخاب اول اول — غضب تھا تمہارا شباب اول اول — رشک رامپوری

دل میں اک اضطراب باقی ہے — یہ نشان شباب باقی ہے

گیا شباب مگر رہ گیا تعلق عشق
دل و جگر میں چمک گاہ گاہ ہوتی ہے

بعدِ شباب وہ بت نا آشنا ملا
جب پیاس بجھ گئی ہمیں آبِ بقا ملا

حامد
کشتۂ زمیں کے ہیں نہ ہم آسماں کے ہیں
مارے ہوئے شباب ہیں اک مہرباں کے ہیں

غرورِ حسن دو روزہ ہے تمہیں ناحق
شباب کس کا رہا ہے سدا کہو تو سہی

اقبال
مقامِ امن ہے جنت مجھے کلام نہیں
شباب کے لئے موزوں ترا پیام نہیں

راز
ضعیفی آتی ہے رخصت شباب ہوتا ہے
غروب صبح کو یہ آفتاب ہوتا ہے

طپش
پیری کو اے طپش میں سمجھتا ہوں صبحِ گور
آخر ہوا شباب ہوا موئے سر سفید

شمیم
پیری خزاں کی طرح سے آئے گی اے گلو
مثلِ بہار جائے گا عالم شباب کا

انیس
نہ جانے برق کی چشمک تھی یا شرر کی لپک
ذرا جو آنکھ جھپک کر کھلی شباب نہ تھا

جاوید
بری شے ہے یہ پیری ساتھ ہے جس کا قیامت تک
شباب اچھا ہے جو تھوڑے دنوں تک کام آتا ہے

قلق
ہزار فصلِ گل آئی جنوں میں جوش کہاں
گیا شباب کے ہمراہ ولولہ دل کا

جاوید
جب سے گیا شباب عجب رنگ ہو گیا
ایسے بدل گئے ہیں کہ گویا وہ ہم نہیں

طپش
آخر ہے اب شباب ہوا شیب کا ظہور
آئی خزاں چمن میں گئے دن بہار کے

شراب

غالب
پلا دے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے
پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے

مجھ تک کب ان کی بزم میں آتا تھا دورِ جام
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

بیدی سحر
سحر کو توبہ سے انکار تو نہیں لیکن
نگاہِ مست اگر مائل شراب کرے

بہت سہی غمِ گیتی شراب کم کیا ہے
غلامِ ساقیِ کوثر ہوں مجھ کو غم کیا ہے

رعنا بی اے
زندگی کی شراب ارے توبہ
تلخ بے حد سرور کچھ بھی نہیں

چند لوگوں نے پی شراب تو کیا
بخششِ عام کی ضرورت ہے

الگزنڈر آزاد
شراب روز تو ہم مانگتے نہیں ساقی
کوئی پیالہ دمِ ریزشِ سحاب تو دے

مری غرض ہے کہ جب تک جیوں ۔۔۔ شرابِ محبت کو تیری پیوں

چکھی کبھی نہ دیکھی مگر واہ واعظو ۔۔۔ تعریف کر رہے ہو شرابِ طہور کی ۔۔۔ حامد

کسی کے بس کی نہیں بس یہ عیب ہے ورنہ ۔۔۔ شرابِ عشق سے بہتر کوئی شراب نہیں ۔۔۔ رؤف

سجدے میں کیوں پڑا ہے ارے اُٹھ شراب پی ۔۔۔ اے جوش میکدہ ہے خدا کا یہ گھر نہیں ۔۔۔ جوش

میرے لئے شراب یہاں بھی ہو گیا حرام ۔۔۔ اس شہر میں تو کوئی مجھے جانتا نہیں ۔۔۔ اکبر

نہ چھیڑ زاہد ناداں شراب پینے دے ۔۔۔ شراب پینے دے خانہ خراب پینے دے ۔۔۔ اختر شیرانی

نیت کا جواب ہو گئی ہے ۔۔۔ ہر چیز شراب ہو گئی ہے ۔۔۔ نازش

کس درجہ تلخ و تیز تھی کوثر شرابِ عشق ۔۔۔ میرا ہی حوصلہ تھا کہ پی کر سنبھل گیا ۔۔۔ ہر چند کوثر

لکھا ہوا ہے پیرِ مغاں کی دوکان پر ۔۔۔ کم ظرف کو حرام ہے پینا شراب کا ۔۔۔ حسن دہلوی

ساقیا جام میں شراب نہیں ۔۔۔ ماہ میں نورِ آفتاب نہیں ۔۔۔ طپش امروہوی

پئے بیٹھا ہوں تیری یاد میں مدت سے اے ساقی ۔۔۔ شرابِ عشق جو نکلی تھی کھنچ کر شیشۂ دل سے ۔۔۔ ذاقی امروہوی

حاصل نہیں ہے خضر کو آبِ حیات سے ۔۔۔ پایا ہے جو مزا تری جھوٹی شراب میں ۔۔۔ نساخ

توبہ تو ہم نے کی ہے پر اب تک یہ حال ہے ۔۔۔ پانی بھر آئے منھ میں دکھا دیں اگر شراب ۔۔۔ مجروح

رال ٹپکے گی شیخ صاحب کی ۔۔۔ نہ دکھاؤ شراب کی صورت

تھی سامنے شراب مگر پی سکا نہ میں ۔۔۔ اب کیا کہوں کہ جبر تھا یا اختیار تھا ۔۔۔ تجمل الہ آبادی

اے محتسب نہ پھینک مرے محتسب نہ پھینک ۔۔۔ ظالم شراب ہے ارے ظالم شراب ہے ۔۔۔ جگر

غالب چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی ۔۔۔ پیتا ہوں روزِ ابر و شبِ ماہتاب میں ۔۔۔ غالب

شرم

بتوں نے کہہ دیا چل ہٹ تجھے ہندی نہیں آتی ۔۔۔ مِسوں نے کہہ دیا جا تجھ کو انگریزی نہیں آتی

مگر اکبر کہ اب تک مر رہا ہے ان حسینوں پر ۔۔۔ قیامت ہے کہ بے غیرت کو شرم اب بھی نہیں آتی ۔۔۔ اکبر ۔۔۔ ق

دونوں جہان دیکے وہ سمجھے کہ خوش رہا ۔۔۔ یاں آپڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں

کعبے کس منہ سے جاؤ گے غالبؔ — شرم تم کو مگر نہیں آتی (غالب)

مجھ کو اپنے دل کی بے تابی پہ شرم آنے لگی — میں نے جب دیکھا کہ تیرا درد عالمگیر ہے (عبدالحی)

منہ پھیر کر وہ کہتے ہیں بس ہاں نہ جائیے — اِس شرم اس لحاظ کے قربان جائیے (بیخود)

آگ دوزخ کی بھی ہو جائے گی پانی پانی — جب یہ عاصی عرقِ شرم سے تر جائیں گے (ذوق)

رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم — بارا دیارِ غیر میں مجھ کو وطن سے دور (غالب)

شکار

لے کے جب تیر و کماں جاتے ہیں وہ بہرِ شکار — قاف سے آتے ہیں جن آہوئے صحرا بن کر (طپش رامپوری)

دام کی شکل خطِ سبز ہے رخساروں پر — طائرِ حُسن ہو کیوں کر نہ شکارِ عارض (″)

دل کو مرغوب جو ہے طائرِ مضموں کا شکار — کام خامے کا لیا کرتے ہیں اب تیر سے ہم (″)

آپ تیرِ نگاہ سے اے گل — مُرغِ دل کا شکار کرتے ہیں (″)

وہ قندِ لب جو کبھی ہم کنار ہوتے ہیں — تو کس مزے سے مذاقِ شکار ہوتے ہیں (″)

اسیرِ زلف نہ کیوں کر ہوں اے دلِ ناداں — یہ دام وہ ہے کہ دانا شکار ہوتے ہیں (″)

دکھاؤ ڈوری نہ آنکھوں کی اے بتِ خوش چشم — یہ جال وہ ہے کہ آہو شکار ہوتے ہیں (″)

قریبِ خالِ ذقن دامِ زلف بچھا ہے — کنارے چاہ کے زنگی شکار ہوتے ہیں (″)

صیادِ خلق بازِ نگہ کو تو چھوڑ دے — کچھ شوق ہے جو طائرِ دل کو شکار کا (درا امرتسری)

پھنساتے ہیں مرا دل دامِ عشق میں صیاد — یہ خوب سوجھی ہے ان کو شکار کی صورت (ظہیر)

اک اور تیر کی حسرت دلِ فگار میں ہے — تڑپ رہا ہے ابھی دم ترے شکار میں ہے (عالی امروہوی)

جو بچ کے نظروں سے بچ کر چلا دلِ وحشی — تو بڑھ کے زلفِ گرہ گیر نے شکار کیا (یکتا امروہوی)

پھنسا ہے دامِ محبت میں اس کے دل یکتاؔ — کہ جس نے طائرِ سدرہ کو بھی شکار کیا

شکایت

زندگی ہے تو دیکھ ہی لیں گے — کیا شکایت کریں نہ ملنے کی

دل میں رکھیں تو کدورت کہلائے
منہ سے نکلے تو شکایت ہوگی — صفی

بے جا یہ شکایت کرتے ہو کیوں آپ نے ہم کو چھوڑ دیا
ہو دل میں مے الفت کیونکر جب شیشۂ دل ہی توڑ دیا — نفیس

یا مجھ کو چھیڑیے نہ رقیبوں کے سامنے
یا پھر کسی سے میری شکایت نہ کیجئے — احمق

دل اُن کے نہ آنے تک مصروفِ شکایت تھا
وہ آئے تو اپنی ہی تقصیر نظر آئی — فانی

کبھی کہہ دیا تھا کہ مرتا ہوں میں
شکایت انہیں عمر بھر رہ گئی — بے نظیر

آپ بھی اپنے تغافل پہ ذرا غور کریں
میں اگر عرض کروں گا تو شکایت ہوگی

میرا ہے یہ عالم کہ تری یاد میں گم ہوں
اور تجھ کو شکایت کہ تجھے بھول گیا ہوں

چلو بھی کس لئے آنسو بہاؤ قبرِ عاشق پر
وہی تو ہے جسے تم سے تغافل کی شکایت تھی — مانی

فرقت میں زندگی یہ عنایت خدا کی ہے
آگے جو کچھ کہو تو شکایت خدا کی ہے — امیر مینائی

بیداد اور اس پہ یہ تاکید الحذر
آجائے دم لبوں پہ شکایت نہ کیجئے — عزیز

قسمت بُری سہی پہ طبیعت بُری نہیں
ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے — غالب

مرے سر پر عدو نے جھوٹ موٹ الزام رکھا ہے
قسم لے لو جو مُنہ تک حرف آیا ہو شکایت کا — تقی احمد مہوی

شکایت بے وفائی کی جو کرتا ہوں تو کہتے ہیں
کوئی اب باوفا ڈھونڈو اگر ہم بے وفا ٹھہرے — خادم اکبرآبادی

شکریہ

مجھ کو جینے کا قرینہ آگیا
آپ کے ظلم و ستم کا شکریہ — حباب ہاشمی

مجھ سے ہمدم میری پامالی نہ پوچھ
ایک اپنے محترم کا شکریہ — "

یہ تغزل جس نے بخشا اے حباب
اس کے الطاف و کرم کا شکریہ — "

شکوہ

کیا شکوہ جو غیروں کا تو بولے
یوں ہی تم جلتے رہتے ہو سدا سے — مجروح

وہ کریں بھی تو کس الفاظ میں تیرا شکوہ
جن کو تیری نگہِ لطف نے برباد کیا

یہ میری سادگی دیکھو ان ہی سے
ان ہی کا شکوۂ غم ہو رہا ہے

شکوہ نہ ابر کا نہ گلہ بادِ تند کا
تھی کیا بساط ہی مرے مشتِ غبار کی

کیا جو شکوہ الفت بگڑ کے کہنے لگے
بھلا میں دیکھوں تو کیا آپ میرا کر لینگے
سجاد

خط آنے لگے شکوہ آمیز ان کے
ملاپ ان سے گویا ہوا چاہتا ہے
حالی

شکوۂ جور و ظلم پر بولے
کیوں کسی سے وفا کرے کوئی
اختر لکھنوی

مجھ کو شکوہ تجھ سے یہ اے گردشِ ایام ہے
میری صبح زندگی میں کیوں نمودِ شام ہے
اظہر فیض آبادی

کس ظلم کی حیدر کرے اب ان کی شکایت
وہ شین بھی شکوہ کا نکلنے نہیں دیتے
حیدر امروہوی

جسے جان تمنا جان کر پہلو میں رکھا تھا
اسی سے آج اے دل شکوۂ بیداد ہوتا ہے
تمنا مارہروی

قفس میں رہ کے کروں کیوں میں شکوۂ صیاد
یہ بات ہے مری قسمت کے آب و دانے کی
جری امروہوی

ہم ان سے بیاں کرتے ہیں قصہ شبِ غم کا
پھر بھی یہ کہے جاتے ہیں شکوہ نہیں کرتے
رضا لکھنوی

شکوے کئے نہ تم سے یہ الفت کی بات ہے
ورنہ ہزار بار شکایت ہوئی تو ہے
فہمی امروہوی

شمشیر

نکالیں گے نہ شمشیرِ براں حوصلہ دل کا
دہانِ زخم سے ہم چوم لیں گے ہاتھ قاتل کا

نئے بانکے بنے ہو تم نئی شمشیر ڈالی ہے
نگاہِ حسرت آلودہ نہیں دیکھی ہے بسمل کی

چلے آتے ہیں جھونکے نیند کے گو وقت مشکل ہے
بہت ٹھنڈی ہوا ہے دامنِ شمشیرِ قاتل کی

فانی کفِ قاتل میں شمشیر نظر آئی
لے خوابِ محبت کی تعبیر نظر آئی
فانی

وہ آئے اجل آئی شمشیر نظر آئی
یہ جرمِ محبت کی تعزیر نظر آئی
مختار بدایونی

وقت پر صاحب جو ہر نہ دے نامرد کا ساتھ
جنگ میں میان سے ہو جاتی ہے شمشیر جدا
نساخ

کٹ چکے اس سے گلے عشاق کے
گھر سے لے آکر یہ شمشیر خوب
میکش

چین سے عمر اپنی اے صیاد زنداں میں کٹے
ہتکڑی لادے بنا کر یار کی شمشیر سے
نساخ

کیونکر ضرر ہو ان سے جو روشن مزاج ہیں
دیکھی نہیں بے رحمی شمشیرِ آفتاب
طپش امروہوی

بے وجہ دہن زخموں کے خنداں نہیں اے گل
شاید کہ کبھی تھی تری شمشیر نمک میں

شمع

پروانہ جل کے خاک کا اک ڈھیر ہو گیا
کیا روشنی میں شمع کی اندھیر ہو گیا

تنہا نہ شمع روئی ہے سودا کی خاک پر
گل بھی تو لوٹتا ہے گریباں کو پھاڑ پھاڑ — سودا

خاموش ہے محفل میں اب شمع بھی گھل گھل کر
کچھ خاک نہیں باقی پروانوں کی دنیا میں — ؃

بیخود اتنا کیا خوفِ شبِ تنہائی نے
صبح سے شمع جلادی ترے سودائی نے

جلتی ہے سدا شب بھر اور اُف بھی نہیں کرتی
جب شمع کا یہ دل ہے پروانہ کو کیا کہیے — قاسم لکھنوی

صبح تک شمع سر کو دھنتی رہی
کیا پتنگے نے التماس کیا — میر

رکھیں گے اپنے خون سے روشن تمام رات
بجھنے نہ دیں گے شمعِ شبستاں کسی طرح — بشیر

یہ دنیا ہے دیوانوں سے بزم سجی پروانوں سے
شمع ہو تم یہ بات نہ مانو دل تو تمہارا مانے ہے — نیر

میرے آنے کی مسرت کو مجھ ہی سے نہ چھپا
کون سی شمع نہیں منتظرِ پروانہ

تمہیں کہدو تمہارے در سے دیوانے کہاں جائیں
یہاں جب شمع روشن ہے تو پروانے کہاں جائیں — دلپراج یکتا

جلا کرتے ہیں شب بھر آتشِ فرقت میں جو خود بھی
وہی کچھ جانتے ہیں حال اے شمعِ سحر تیرا — امداد

رات کو آتی ہے یہ گورِ غریباں سے صدا
کوئی اک شمع جلا دے شبِ تنہائی میں — ذاخر

ہر عیش کی محفل میں پروانے کا ماتم تھا
جو شمع نظر آئی دل گیر نظر آئی — فانی

شمع نے آگ رکھی سر پہ قسم کھانے کو
بخدا میں نے جلایا نہیں پروانے کو — بیان یزدانی

غمِ ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک — غالب

باوفا کی گھلتے گھلتے ہو گئی آخر تمام
سوزِ دل کا حال کہتی شمع پروانے سے کیا — قتیل

لے آ ستم شعار تری بزمِ ناز سے
جاتے ہیں آج شمعِ تمنا بجھا کے ہم — ہادی

شمع سر دھنتی رہی بر سرِ لاشِ عاشق
ہائے کیا جذبہ تھا اس سننے سے پروانے میں — ثاقب امروہوی

شمع روشن نہ بجھاتا کبھی شامِ وعدہ
اتنی ہی عقل جو ہوتی ترے سودائی میں — ذاخر

مائل لکھنوی
اے اہل عالم کن آنکھوں سے وہ منظر دیکھا تم نے
جب شمع اکیلی روشن تھی اور کوئی نہ تھا پروانوں میں

جاوید
وہ دل جلانے والا تربت پہ شمع لایا
لی بھی خبر اسی نے جس بے خبر نے مارا

حسرت موہانی
کیوں نہ ہوں تیری محبت سے منور جان و دل
شمع جب روشن ہوئی گھر میں اجالا ہو گیا

رؤف امروہوی
تعجب کچھ نہ کرتے آپ پروانے کے جلنے پر
اگر سوز جگر کو پوچھ لیتے شمع محفل سے

نسیم دہلوی
کسی کو بھی گوارا صحبت مفلس نہیں ہوتی
نہ دیکھا شمع نے منھ ایک شب گور غریباں کا

جالب دہلوی
اس کو کہتے ہیں محبت ایسی ہوتی ہے وفا
شمع سحر دھنتی رہی پروانہ جل جانے کے بعد

رضا لکھنوی
شمع یہ کہہ کے جلائی نہ مری تربت پر
مجھ کو منظور نہیں خون ہو پروانے کا

مجروح
شاید وہ اپنے حسن کی دکھلائے گا نمود
کہتا ہے گھر میں شب کو نہ کوئی جلائے شمع

ذوق
اے شمع تیری عمر طبعی ہے ایک رات
رو کر گزار یا اسے ہنس کر گزار دے

شیخ

جوش ملسیانی
پی لو گے تو اے شیخ ذرا گرم رہو گے
ٹھنڈا ہی نہ کر دیں کہیں جنت کی ہوائیں

بیدی سحر
ہم نے دل میں خدا کو ڈھونڈ لیا
شیخ کعبے سے شرمسار آئے

اکبر
رات کو شیخ جی مسجد میں نہیں آتے ہیں
یعنی ڈرتے ہیں کہ بیٹھا نہ ہو اللہ کہیں

جناب شیخ سمجھتے ہیں خوب رندوں کو
جناب شیخ کو ہم بھی مگر سمجھتے ہیں

شیخ جو کچھ کہے کرو بے شک
شیخ جو کچھ کرے کبھی نہ کرو

شیخ اللہ رے تیری عیاری
کس توجہ سے پڑھ رہا ہے نماز

جناب شیخ نے کچھ اس طرح بدلا ہے ایماں کو
کہ اب ایمان پر ایمان لایا جا نہیں سکتا

مرعوب ہو گئے ہیں ولایت سے شیخ جی
اب صرف منع کرتے ہیں دیسی شراب کو

داغ
جناب شیخ نہیں آداب عرض کرتا ہوں
اندھیری رات میں تنہا کہاں چلے استاد

حامد
جتنے بیٹھے ہیں وہ سب ہیں پاک باطن شیخ جی
بزم میں رندوں کی تم سا بدگماں کوئی نہیں

اکبر
جناب شیخ پھر آخر بسر کروں کیوں کر
جدھر اٹھاتا ہوں آنکھیں ادھر معاذ اللہ

ایک ہے شیخ و برہمن کا حال — کون ہے راہ پر نہیں معلوم — صادق

باقی ہے شیخ کو ابھی حسرت گناہ کی — کالا کرے گا منہ بھی جو داڑھی سیاہ کی — ذوق

شیخ دوزخ سے ڈرانے کی ضرورت کیا ہے — ہم تو صورت ہی تری دیکھ کے ڈر جاتے ہیں — رنجور

جب نظر شیخ کو وہ شوخ پری زاد آیا — پھر نہ تسبیح نہ توبہ نہ خدا یاد آیا — جگر

خلافِ شرع کبھی شیخ تھوکتا بھی نہیں — مگر اندھیرے اجالے پہ چوکتا بھی نہیں — اکبر

اُتر گئی سر بازار شیخ کی پگڑی — گرہ میں دام نہ ہوں گے ادھار پی ہوگی — ریاض خیرآبادی

کیا جانے شیخ کعبہ گیا یا بسوئے دیر — اتنا تو جانتے ہیں کہ پیمانہ لے گیا

ہماری نظر حشر میں شیخ پر تھی — وہ سر پر لئے حوض کوثر نہ نکلے — ریاض خیرآبادی

شیخ صاحب زمانہ نازک ہے — دونوں ہاتھوں سے تھامیے دستار — میر

ایک برہمن ہے ایک شیخِ حرم — دو بزرگوں میں ہاتھاپائی ہے — بسمل

یہ بزم بزمِ مغاں ہے ادب سے بیٹھئے شیخ — جو ناچتا ہے تو جا کر کسی مزار پہ ناچ — الگزنڈر آزاد

خدمتِ مے خانہ کر لے ورنہ شیخ — رائیگاں یہ زندگانی جائے گی — ریاض

شیخ کی دیکھی بزرگی آپ فرماتے تھے کل — ہم نے دیکھا ہے جوانا اس آسمانِ پیر کو — ،،

لا بھی دے سوڈے کی بوتل جا کے اے شیخ حرم — آبِ زمزم کیا ملاؤں بدمزہ ہو جائے گی — ،،

مے سے انہیں گریز ہے فصلِ بہار میں — کیا جانے شیخ آدمی ہیں کس خیال کے — ظفر

موسم گل کا یہ اے پشناتھ ادنیٰ ہے اثر — شیخ مسجد میں ہے لیکن جان پیمانے میں ہے — پشناتھ ٹنڈن

جو ہے کلام شیخ وہی قولِ برہمن — مطلب ہے ایک فرق فقط ہے لغات کا — ناسخ

مومن دیندار نے کی بُت پرستی اختیار — ایک شیخ وقت تھا وہ بھی برہمن ہو گیا — مومن

بوقتِ وعظ دوزخ کا حوالہ مستند دیں گے — جنابِ شیخ بھی گویا وہیں کے رہنے والے ہیں — گلزار دہلوی

ذکرِ شراب کر کے زباں دھو رہا ہے شیخ — ہو لیکن اس قدر بھی کوئی پارسا نہ ہو — رضا لکھنوی

شیخ صاحب دیکھ کر اس بُت کو ساکت ہو گئے — ماسٹر صاحب بہت کمزور تھے چت ہو گئے — اکبر

مجھ پر تہمت صنم پرستی کی — شیخ صاحب خدا خدا کیجئے
(مجروح)

شیخ تو رندِ خرابات سمجھتا ہے مجھے — اور رندوں کی نگاہوں میں فرشتہ ہوں میں
(کلیم الٰہ آبادی)

شیون

کلیجہ تھام لوگے جب سنو گے — نہ سنوائے خدا شیون کسی کا
(کیفی)

نالۂ دل کیوں نہیں ہوتے رسا کیا بات ہے — کیوں اثر فریادیوں کا آہ و شیون میں نہیں

فغاں ہیں آہ میں فریاد میں نالے میں شیون میں — سناؤں دردِ دل طاقت اگر ہو سننے والے میں

صبا

چمن کی یہ کیسی ہوا ہو گئی — کہ صرصر سے بد تر صبا ہو گئی

گل ہوا کوئی چراغِ سحری اور بلبل — ہاتھ ملتی ہوئی پتوں سے صبا آتی ہے

اس ہی گلزار سے تو کیا اُڑا لے جائیگی — یاں سوائے خاک و خاشاک اے صبا کچھ بھی نہیں
(بیان)

گزر ہے اور تیرے گھر میں کس کا — بنی ہے بات اک بادِ صبا کی
(نساخ)

منھ پہ رکھ دامنِ گل روئیں گے مرغانِ چمن — باغ میں خاک اڑائے گی صبا میرے بعد

ہے خواب ناز میں وہ رشکِ گل وہ جانِ بہار — چمن میں کہہ دو دبے پاؤں اب صبا آئے
(وفا ملک پوری)

سوزِ دل کر چکا ہے جسم کو خاک — اب ترا منتظر صبا ہوں میں
(مجروح)

جس دم شمیم زلف سنگھا کر صبا چلی — اہلِ خطا تھے وجد میں ایسی ہوا چلی
(طپش)

اس غیرتِ چمن کا نہ اصلا پتہ چلا — باغوں میں ڈھونڈھتی ہوئی بادِ صبا پھری
(،،)

کیا اُن کو گردوں نے کانٹوں سے بدتر — صبا گل جو تھے سر چڑھانے کے قابل
(،،)

نکہتِ گیسوئے مشکیں سے معطر ہے دماغ — جائے لے کر جو صبا اہلِ ختن کے نزدیک
(،،)

سر و قد میں ہوں وہ قمری ہے کہ مرے مرنے سے — خاک اڑائے گی گلستاں میں صبا میرے بعد
(،،)

صبح

ساحل گنگا ہے اب اک چشم نم میرے لئے — اور یہ صبح بنارس شام غم میرے لئے
(ادیب مرادآبادی)

ہاں شبِ ہجر آج صبح نہ ہو / ہاں چلی جائے یادِ زلفِ دراز — فانی

آ میرے آفتاب مرے دل کی روشنی / آ اور صبح کر دے شبِ انتظار کی

نامرادی محفلِ گل میں مری مشہور تھی / صبح میری آئینہ دارِ شبِ دیجور تھی — اقبال

کس ادا سے وصل کی شب کہتے ہیں وہ بار بار / یا الٰہی دیر کتنی صبح ہو جانے میں ہے — راغب

کوچۂ یار میں پھر صبح کے ہوتے ہی چلا / شب کی ذلت تجھے نساخ مگر یاد نہیں — نساخ

نسیمِ صبح تو کیا سونے والوں کو جگائے گی / ابھی تو صبح خود سوئی ہوئی معلوم ہوتی ہے — شفیق

ہوئی یہ کیفیت شب کو تمہارے روئے روشن سے / سمجھ کر صبح سب طائر نکل آئے نشیمن سے — جدید لکھنوی

گردِ ملال دل پہ نمایاں ہے آج کل / ہر ایک صبح شامِ غریباں ہے آج کل — جوش

صبحِ نو ہم تو ترے ساتھ درخشاں ہوں گے / اور ہوں گے جو ہلاکِ غمِ ہجراں ہوں گے — رئیس امروہوی

یہ کون آ رہا ہے سرِ شام اے سحر / چہرہ پہ نورِ صبحِ بہاراں لیے ہوئے — بیدی سحر

فریبِ وعدۂ فردا کی جس سے شان قائم تھی / وہی صبحِ قیامت آ گئی کیا تم نہ آؤ گے — رام

جہاں دنیا میں دیکھا سچ کے اوپر جھوٹ فائق ہے / کہ پہلے صبحِ کاذب ہے تو پیچھے صبحِ صادق ہے — ذوق

صبر

نہ حواس و ہوش قائم نہ شکیب و صبر باقی / ترے حسن کی دہائی مرا لٹ گیا خزانہ

لاکھ چاہا تجھے بھلا دینا / صبر پر اختیار ہو نہ سکا

عرضِ مطلب پہ وہ کہتے ہیں ابھی صبر کرو / ہائے کیا سہل سی تدبیر بتا دیتے ہیں — بیان

صبر رخصت ہو تو جانے دیجئے / بیقراری آئے تو ٹھہرائیے — نسیم

ہزار جبر کروں دل پہ جبر ہو بھی سکے / ہزار صبر کروں صبر اختیار میں ہے — ظہیر

ایک دن ہو تو کوئی صبر کرے / روز کے انتظار نے مارا — بیباک

نہ ہونے سے ترے سب کام بگڑے / تجھے اے صبر میں لاؤں کہاں سے — مجروح

نہ ستم کی ہے شکایت نہ کرم کی خواہش / دیکھ تو ہم بھی ہیں کیا صبر و قناعت والے — ذوق

صبر والوں کا بھی دن آئے گا
ایک دن روزِ جزا بھی ہو گا

صدا

کہتے ہیں بوندیاں پڑتی ہیں کہیں شام کو روز — میرے اشکوں کے ٹپکنے کی صدا آتی ہے

جوش ملسیانی: قمری کی ہو فریاد کہ بلبل کا ہو نغمہ — دونوں ہیں مرے سازِ محبت کی صدائیں

اکمل: دل ہیں شکوؤں کا حوصلہ ہی نہیں — ساز تو ہے مگر صدا ہی نہیں

ہجر کی راتوں کے سناٹے ہیں اُف ری بیخودی — ہم اُس کھوئے ہوئے دل کو صدا دینے لگے

جاوید لکھنوی: اب کہاں تھا ہیں کہ دنیا اس محبت کا جواب — جس کی تربت دیکھ لی مجھ کو صدا دینے لگے

دل سے ہر دم ہمیں آواز بکا آتی ہے — بند کانوں کو بھی گریے کی صدا آتی ہے

غالب: سُن اے غارت گرِ جنسِ وفا سُن — شکستِ قیمتِ دل کی صدا کیا

ہاں بھلا کر ترا بھلا ہو گا — اور درویش کی صدا کیا ہے

طپش امروہوی: آسیا کی نہیں آتی ہے صدا وقت سحر — شکرِ حق کے لیے کھلتے ہیں دہن پتھر کے

غنی: دل سا متحمل نہیں دیکھا نہیں دیکھا — سو مرتبہ ٹوٹے تو صدا ہی نہیں آتی

جگر: کس طرح کہہ دوں لبِ بام نہیں ہے کوئی — جب میں روتا ہوں تو ہنسنے کی صدا آتی ہے

رنگیں: آپ کی باتوں کا رہتا ہے مجھے ہر دم خیال — جب کوئی بولا صدا کانوں میں آئی آپ کی

حامد: اک چیز ہے سنتے اسے اے کاش کبھی تم — بے کس کی صدا درد بھری پچھلے پہر کی

مؤلف: اے عدم کے قافلے والو جہاں ٹھہرے ہو تم — کیا صدا جاتی نہیں واں تک مری فریاد کی

نیاز: یہ خوشی ہے تری بھیک دے یا نہ دے — تیرے در پر بھکاری صدا کر چلے

ذوق: بد نہ بولے زیرِ گردوں گر کوئی میری سُنے — ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

دبیر: کرتا ہے تہی دست ثنا آپ ہی اپنی — جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

جاوید: پکارتا ہوا پھرتا ہوں سارے عالم میں — کدھر ہیں آپ کہ سنتے نہیں صدا میری

جالب امروہوی: شکستِ سازِ رگِ جاں کی بار بار صدا — یہ میرے دل سے تو اے چارہ گر نہیں آتی

صدمہ

مجھے مرنے کا اپنے غم نہیں لیکن یہ صدمہ ہے — کہ اُن پر بن گئی اکھڑا ہوا دیکھا جو دم میرا

وہی صدمہ رہا فرقت کا دل پر — بہت رو دئے مگر اس سے ہوا کیا — غالبؔ

صدمہ یہ ہے کہ آتشِ احساسِ ہجر کا — چند آنسوؤں سے کوئی مداوا نہ کر سکے — جالبؔ دہلوی

جو گزرے ہیں داغؔ پر صدمے — آپ بندہ نواز کیا جانیں — داغؔ

صورت

اچھی صورت بھی کیا بُری شے ہے — جس نے ڈالی بُری نظر ڈالی

الٰہی کیسی کیسی صورتیں تو نے بنائی ہیں — کہ ہر صورت کلیجے سے لگا لینے کے قابل ہے

یہ ثابت کر دیا تجھ کو بنا کر دستِ قدرت نے — کہ ہو سکتی ہیں اتنی خوبیاں صورت میں انساں کی

شرم بے جا ہے بُرا کرتے ہو — اچھی صورت کو چھپایا نہ کرو — رندؔ

رات شیطاں کو خواب میں دیکھا — ساری صورت جناب کی سی تھی — انشاؔ

شکل و صورت دیکھ لی کبر و رعونت دیکھ لی — نام پہلے بھی سُنا تھا آج صورت دیکھ لی — آغا حشرؔ

یاد کر کے تم کو اے جاں رو دیئے — سامنے جب اچھی صورت آ گئی

کچھ ایسی دل کشی ہے صورت میں آدمی کی — گویا بنانے والا بیٹھا ہے آدمی میں — رزیؔ امروہوی

ہنگامِ ذبح صورتِ قاتل تو دیکھئے — تصویر کھنچ گئی مرے حالِ تباہ کی — عابدؔ

تری اس چاند سی صورت میں اتنا عیب ہے ظالم — نکما اس کو کر دیتی ہے جس کے دل میں بستی ہے

بدل کے رہ گئی برق و شرار کی صورت — جو دیکھی میرے دلِ بے قرار کی صورت — شرارؔ امرتسری

اپنی صورت کو کیوں چھپاتے ہو — یہ بھی چوری کا مال ہے شاید — نازؔ

کہاں گردش فلک کی چین دیتی ہے بھلا انشاؔ — غنیمت ہے کہ ہم صورت یہاں دو چار بیٹھے ہیں — انشاؔ

ہزار رنگ کے جلوے ہیں بزمِ عالم میں — نگاہ میں تری صورت نہیں تو کچھ بھی نہیں

اور اک صورت اسی صورت کی ہے — آئینہ تم نے ابھی دیکھا نہیں — میکشؔ

شاعر	مصرع اول	مصرع ثانی
میکش	تمہاری دیکھ کر صورت کو کس کس سے بچے کوئی	نگاہِ ناز برچھی تیغ ابرو خال گولی ہے
رضا	یہ سچ ہے دل لگانا حضرتِ ناصح نہیں اچھا	مگر کیا کیجئے جب سامنا ہو اچھی صورت کا
"	بھولی صورت بھی عجب شے ہے کہ چھپ جاتے ہیں عیب	کوئی باور نہیں کرتا وہ ستم کرتے ہیں
مجروح	شیخ رندوں کو حشر میں بھی خدا	نہ دکھائے جناب کی صورت
مصحفی	نازاں تھا اپنے حسن و صفائی پہ آئینہ	صورت کو تیری دیکھ کے حیران رہ گیا

صیاد

شاعر	مصرع اول	مصرع ثانی
رند	نکلا ہو نہ قدم آشیاں سے اے بلبل	لگائے بیٹھے ہیں پھندے جہاں تہاں صیاد
رسوا	حسرت اے ذوقِ اسیری کہ خفا ہے صیاد	آج ہم با دلِ ناشاد رہا ہوتے ہیں
مومن	الجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں	لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا
مولف	یا تو دے حکم رہائی یا پروں کو کاٹ دے	ہر طرح راضی ہوں جو مرضی ہے صیاد کی
مانی	وہ سنگ دل نہیں صورت یہ ہے کہ قصۂ درد	شروع کیا ہی تھا میں نے کہ سو گیا صیاد
حامد	قفس میں بے مشقت آب و دانہ ہم کو دیتا ہے	تری مدح و ثنا ہر وقت اے صیاد کرتے ہیں
آرزو	ظلم سے اندھیر اک ایجاد ہے صیاد کا	توڑ کر بلبل کے پر بازو اسی سے کس دئے
ثاقب لکھنوی	قید کرتا مجھ کو لیکن جب گذر جاتی بہار	کیا بگڑ جاتا ذرا سی دیر میں صیاد کا
رند	اجاڑا موسمِ گل ہی میں آشیاں صیاد	الٰہی ٹوٹ پڑے تجھ پہ آسماں صیاد
"	مرا بیان وہ سن سن کے کانپ اٹھتا ہے	غضب یہ ہے کہ سمجھتا نہیں زباں صیاد
مانی	یہ بند و بست بھی کچھ تو نے کر لیا صیاد	قفس میں آنہ سکے باغ کی ہوا صیاد
عزیز	نو گرفتارِ قفس ہوں میں ابھی وحشت ہے	کچھ دنوں سامنے میرے مرا صیاد رہے
میکش	ذبح کر دیگا کہیں یا چھوڑ دے گا ایک دن	ہمصفیرو گفتگو بھی کچھ سنی صیاد کی
جدید	رات بھر سنتا ہے احوالِ اسیرِ دامِ زلف	گر کسی دن دم الجھتا ہے مرے صیاد کا
	قفس صیاد کا خالی پڑا ہے	نہ ہوں بے چین کیونکر آشیاں میں

ہے قفس سے شور اک گلشن تلک فریاد کا
خوب طوطی بولتا ہے ان دنوں صیاد کا — ذوقؔ

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
گھٹ کے مر جاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے — داغؔ

ضد

ضد کی ہے اور بات مگر خو بری نہیں
بھولے سے اس نے سینکڑوں وعدے وفا کیے — غالبؔ

وہ تارا صبح کا چمکا وہ آوازِ اذاں آئی
نہ چھوڑوگے تم اپنی ضد نہ چھوڑوں گا میں اماں کو — عیاںؔ

ضد تو جب ہے کہ ابھی میری بغل میں آؤ
کہہ رہا ہوں کہ مرے پاس نہ آئے کوئی — حیرتؔ

وہ اپنی ضد پہ قائم ہیں ہم اپنے شوق پر قائم
مگر اب دیکھنا یہ ہے کہ منظور خدا کیا ہے — ساغرؔ

جانے کی جو ضد ہے تو مجھے زہر دئے جا
اتنا تو کہا مان لے اتنا تو کیے جا — سیاؔ

واعظ ثبوت لائے جو مے کے جواز میں
اقبال کو یہ ضد ہے کہ پینا بھی چھوڑ دے — اقبالؔ

تری ضد سے کرینگے بے وفائی
قسم ہے بے وفا اپنی وفا کی — نساخؔ

یہ ضد ہے کہ کٹ جائے کہیں جلد یہ موسم
بچپن ہی سے تلوار لگائی ہے کمر میں — جاویدؔ

ابھی بچپنا ہے کرو ضد نہ اتنی
ذرا لاش اٹھانے کی طاقت تو آئے

ضعف

منزلِ مقصود تک پہنچے بڑی مشکل سے ہم
ضعف نے اکثر بٹھایا شوق اکثر لے چلا — داغؔ

ضعف اس درجہ بڑھا ہے کہ الٰہی توبہ
درد بھی اب تو بدلتا نہیں پہلوئے دل میں — ″

آپ نے طاقت کی تو جولانیاں دیکھیں بہت
ضعف کے ہیجان کا بھی اب تماشا دیکھیے

ضعف سے اٹھتے نہیں دست دعا
اب ہماری شرم اس کے ہاتھ ہے — داغؔ

تڑپا میں بہت تو ضعف بولا
اللہ اب تک یہ حوصلے ہیں — امیر مینائی

کیا ضعف نے یہ نکما کہ اب ہم
نہ آنے کے قابل نہ جانے کے قابل — مجروحؔ

ضعف ایسا ہے ہجر دلبر میں
بند خط بھی نہ کھل سکا قاصد — طپش امروہوی

جسم ضعیف صورتِ فانوس ہے مجھے
مثل چراغ سینے میں ہیں میرے یار داغ

طبیعت

برق
آپ انکار کریں وصل سے میں درگزرا — کچھ تو ہو جس سے طبیعت مری یکسو ہو جائے
قبر میں رکھ کر مجھے کہنے لگے — کیوں طبیعت اب تو گھبراتی نہیں

رئیس
مجھے جب سے محبت ہو گئی ہے — بہت نازک طبیعت ہو گئی ہے

عالم
وہ بہلانے چلے ہیں آج مجھ ناشاد عالم کو — طبیعت اور بہلانے سے گھبرائی تو کیا ہوگا

جگر
بہت حسین مناظر بھی حسن فطرت کے — نہ جانے آج طبیعت پہ کیوں گراں گزرے
دل بہلنے کو پی لیا اک جام — جب طبیعت ذرا بھی گھبرائی

غالب
جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد — پر طبیعت ادھر نہیں آتی

شاعر
سونگھ لیتا ہوں ہر اک پھول کی خوشبو شاعر — یہ طبیعت کبھی الجھی ہے نہ الجھائی ہے
ان سے مل کر جو طبیعت کا ہوا حال نہ پوچھ — ہم نے ہر چند سنبھالا یہ سنبھالی نہ گئی

داغ
طبیعت کوئی دن میں بھر جائے گی — چڑھی ہے یہ آندھی اُتر جائے گی

"
چھیڑ ہر وقت کی اچھی نہیں یہ یاد رہے — کبھی کیسی ہے کبھی اپنی طبیعت کیسی

سالک
کہاں تک تذکرے جام و سبو کے چھوڑ بھی سالک — طبیعت اس فسانے سے کہاں بہلی کہاں ٹھہری

عالی امروہوی
جو پوچھا غیر کی باتوں کو کیوں تسلیم کرتے ہو — کہا ہنس کر ہمیں ہے اختیار اپنی طبیعت کا

میکش
طبیعت اس ستم گر کی مکدر ہوتی جاتی ہے — خدا جانے مری جانب سے کہتے ہیں عدو کیا کیا

"
پسند آئے کیوں کر نہ ان کا مزاج — طبیعت ہے سادی ہے سیدھا مزاج

"
کچھ طبیعت ہی نہ بدلی اس ستم ایجاد کی — نالے پر نالے کئے فریاد پر فریاد کی
نہ ہم گل ہیں نہ بلبل ہیں فقط رنگیں طبیعت ہیں — نہ ہم صحن چمن میں ہیں نہ دیوارِ گلستاں پر

مفتون دہلوی
دل تو دل جان بھی دیدیں گے طبیعت والے — چاہنے والے ہوا کرتے ہیں ہمت والے

مجروح
جھوٹے وعدوں پہ ہی بہلاتا ہے — جانتا ہے وہ طبیعت میری

ظلم

تمہارے حسن کی جب تک بہار باقی ہے
جو چاہو ظلم کرو اختیار باقی ہے

ظلم کی انتہا نہ ہو جب تک
رحم کی ابتدا نہیں ہوتی

معشوق اور بھی ہیں بتا دے جہان میں
کرتا ہے کون ظلم کسی پر بری طرح — مومن

ممکن نہیں کہ ظلم ترا کوئی بھول جائے
ماتم بپا رہے گا مرا ہر زمانے میں

ہمارے بعد دنیائے ستم پھلنے نہیں پاتی
مٹے ہم ظلم سے یا ظلم کو ہم نے مٹا ڈالا — منظر لکھنوی

سہارا ہے خدا کے رحم کا مظلوم بندے کو
بڑا محسن وہ میرا ہے جو مجھ پر ظلم کرتا ہے — ضامن

جو تم نے ظلم سیکھے ہیں مجھ ہی پر آزما لو گے
مجھ ہی پر ختم ہوں گے سب کوئی باقی رہیگا بھی — مفتون

ظلم ہی ہے خانہ بربادئ ظالم کا سبب
پھونکتے ہیں آگ سے مظلوم گھر زنبور کا — نساخ

رو نہیں سکتے وہاں پر آہ کر سکتے نہیں
ظلم یہ بھی تو نیا ظالم تری محفل میں ہے — بیکش

تمہارے ظلم کے خوگر ہوئے ہیں
نکالو اور صورت امتحاں کی — نساخ

ظلم پر ظلم وہ کرتے ہیں یہ کہہ کہہ کے مجھے
شرط ہم بدتے ہیں تم کو جو ذرا یاد رہے — ر

عادت

یہ بتا دو کہ وہ روٹھیں تو منائیں کیونکر
جن کی عادت ہے خوشامد سے خفا ہو جانا — صفی

ذرا دل دکھا اور نکل آئے آنسو
بگاڑی طبیعت نے عادت کچھ ایسی — میر

بیگانگی اور اس قدر اک بدنصیب سے
اب خواب میں بھی آنے کی عادت نہیں رہی

جو ان کی خو ہے ہمیشہ سے دل دکھانے کی
ازل سے ہے مری عادت بھی غم اٹھانے کی

اے صیاد برسوں کی جو عادت ہے نہیں جاتی
قفس میں چھوڑ دوں کیونکر چمن کی گفتگو کرنا — عباس

تم جو کہتے ہو کہ غیر آپ کو کیا کہتے ہیں
اپنی عادت سے ہیں لاچار بجا کہتے ہیں — حیا

کھاتے کھاتے غم کسی کے عشق میں
ہم کو غم کھانے کی عادت ہو گئی — بیدم

غالب — صادق ہوں اپنے قول میں غالب خدا گواہ
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

فنا — دل کو عادت ہے تڑپنے کی وہ تڑپے گا ضرور
اب سکوں بھی نہیں مل جائے تو کیا ہوتا ہے

عشق — ملو گے رقیبوں سے بگڑے گی عادت
دکھائے گی صحبت اثر رفتہ رفتہ

ظلم بے جا کا شکوہ جو کیا
ہنس کے بولے کہ ہے عادت میری

عاشق

عاشق ہے وہی عشق میں ہستی جو مٹادے
مصرع یہ لکھا ہے سر دیوان محبت

میر — وصیت میر نے مجھ کو یہی کی تھی
کہ سب کچھ ہونا تو عاشق نہ ہونا

سودا — سودا ہوئے جو عاشق کیا پاس آبرو کا
سنتا ہے اے دوانے جب دل دیا تو پھر کیا

جس طرح چاہتا ہے دنیا میں زندگی کر
لیکن تو یاد رکھیو عاشق کہیں نہ ہونا

اکبر آبادی — کثرت سے عاشقوں کی وہ گھبرائے اس قدر
قرآں اٹھا رہے ہیں کہ بندہ حسیں نہیں

اقبال — انوکھی وضع ہے سارے زمانے سے نرالے ہیں
یہ عاشق کون سی بستی کے یا رب رہنے والے ہیں

گویا امروہوی — بسر یوں زندگانی عاشق ناشاد کرتے ہیں
کبھی آہیں کبھی نالے کبھی فریاد کرتے ہیں

میکش — اپنی محفل سے اسے اٹھوا دیا
تم نے عاشق کی یہ کی توقیر خوب

نساخ — چھوڑ کر شہر کو کیوں کوہ و بیاباں میں پھروں
تیرا عاشق ہوں میں مجنوں نہیں فرہاد نہیں

جاوید — یوں ہی کہنے کو بن گئے عاشق
امتحاں آج تک ہوا بھی نہیں

فراق — زندگی کے عذاب خانے میں
عاشقوں کا وجود رحمت ہے

مصحفی — مصحفی عاشق ناچار برا ہوتا ہے

ہاشمی دہلوی — اس ہی وجہ سے میں آہ و فغاں نہیں کرتا
یہ سوچتا ہوں کہ توہین عاشقی ہوگی

عجیب

جعفر شیرازی — ٹھہرے ان کے معاملے باہم
کیا کہوں کچھ عجیب رہتے ہیں
وہ گئے ہیں تو آسماں و زمیں
نظر آتے ہیں کچھ عجیب سے آج

رات دن بھی وہی ہیں ہیں کبھی وہی — تم نہیں تو عجیب عالم ہے
چشم عبرت سے ہم نے دیکھا خوب — اس جہاں کا عجیب عالم ہے — تراب علی

عشق

مجھے عشق اس پاس یوں لے گیا — کوئی جیسے لادے گناہ گار کو — میرؔ
ہم نے کیا کیا نہ ترے عشق میں محبوب کیا — صبر ایوب کیا گریۂ یعقوب کیا
بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق — عقل ہے محوِ تماشائے لب بام ابھی — اقبال
یہ مانا عشق بجلی ہے مگر بجلی ہے یہ ایسی — کہ جس خرمن پہ گرتی ہو وہاں حاصل نہیں ملتا — جگن ناتھ آزاد
کیا غمِ دنیا کیا غمِ دیں — عشق نے دیدی سب سے نجات
مختصر سی ہے عشق کی تفسیر — شومیٔ بخت گردش تقدیر — مہدی سحر
حُسن کو مطلقاً نہیں ہے ثبات — عشق آیا ہے پی کے آبِ حیات — ''
جسے بھی دیکھو وہ حیرت سے تک رہا ہے مجھے — یہ کس مقام پہ چھوڑا ہے عشق نے لاکر
آج اک مرد خدا دار تک آپہنچا ہے — عشق اب اس قدر ایثار تک آپہنچا ہے
جس قدر بے خبر ہے گا حسن — عشق کو اور آگہی ہوگی
دونوں کے دل پہ ضرب پڑی عشق کی مگر — اک ہم ہیں جو سنبھل نہ سکے وہ سنبھل گئے — صادق
آنکھ میں آنسو جگر میں درد دل برباد ہے — کتنی وحشت خیز میرے عشق کی افتاد ہے — حسرت
حسن والو تمہیں مبارک ہو — عشق کی سرزمیں نہیں بدلی
بدظنی زلف کے سائے سے بھی ہوتی ہے مجھے — اعتبار عشق میں ہوتا ہے تو کم ہوتا ہے
مرے جذبۂ عشق کو دیکھتے ہیں — کبھی پاس آکر کبھی دور ہوکر
اب اس پر بھی ہے غیرت عشق راضی — ہمارا نہ بن ہم کو اپنا بنالے
دامن کی دھجیاں ہی اڑائی ہیں اور کیا — حدِ ادب سے عشق تو آگے بڑھا نہیں

کوکب
دل بھی دو جان بھی دو سر بھی دو ایمان بھی دو
ایک جنجال ہوا عشق حسیناں نہ ہوا

حالی
عشق سنتے تھے جسے ہم وہ یہی ہے شاید
خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا

مجروح
بھولے بھولے سے جو رہتے ہو کہو خیر تو ہے
یہ تو کچھ عشق کا اندازہ ہے پایا جاتا

فہمی امروہوی
تم ہی بتاؤ یہ سوچا بھی ہے کبھی تم نے
مریض عشق پہ کیسی گزر رہی ہوگی
دل میں لیکن مرے وہ جذبہ پنہانی ہے
عشق کہتے ہیں جسے سایۂ ربانی ہے

مومن
قہر ہے موت ہے قضا ہے عشق
سچ تو یہ ہے بُری بلا ہے عشق

میر
سخت کافر تھا جس نے پہلے میر
مذہب عشق اختیار کیا

عیاں
مطلب تو ایک ہی طرزِ ادا جدا تھا
تھا حسن اصل آیت عشق اُس کا ترجمہ تھا

جگر
اگر ہے عشق سلامت تو آپ کو اک دن
ہم اپنے پہلو میں بیٹھا ہوا دکھا دینگے
یہ عشق نہیں آساں اتنا ہی سمجھ لیجے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

سودا
ناصح تو نہیں چاشنیٔ درد سے آگاہ
بے عشق بتاں جینے کی لذت بخدا ہیچ

حیات
ایک افسانہ جسے کہتے ہیں عشق
عمر بھر آغاز ہی آغاز ہے

لئیق
عشق ہی دنیا میں لایا عشق ہی نے جان لی
عشق ہی انجام ہے اور عشق ہی آغاز تھا

میر
ہم طورِ عشق سے تو واقف نہیں ہیں لیکن
سینے میں جیسے کوئی دل کو ملا کرے ہے

جرأت
عشق کی سوزش سے اے ہمدم جلا جاتا ہوں میں
دم بدم سینے میں غم اک آگ سی بھڑکائے ہے

جلیل
عشق کہتے ہیں کسے ہم انہیں سمجھا دیں گے
وہ بھی دو روز میں ہشیار ہوئے جاتے ہیں

غالب
عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

اقبال
ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

میکش
عشق کچھ عاشق کے مرجانے سے مرجاتا نہیں
روح میں غم بن کے رہتا ہے مگر جاتا نہیں
دین وایمان کھو کے بیٹھے ہیں
عشق میں اور کیا ملا ہم کو

ریاض
نہ آیا ہمیں عشق کرنا نہ آیا
مرے عمر بھر اور مرنا نہ آیا

کوئی سمجھے یا نہ سمجھے اے سحر
عشق دنیا کے لئے پیغام ہے — سحر

عشق سے تو نہیں ہوں میں واقف
دل کو شعلہ سا کچھ لپٹتا ہے — سودا

شیخ تم جانتے ہو کیا ہے عشق
عشق بازوں کا پیشوا ہے عشق — مجروح

کہیں بلبل کہیں ہے پروانہ
الغرض یہ کہ جا بجا ہے عشق — "

جان انساں کی لینے والوں میں
ایک ہے موت دوسرا ہے عشق

مصحفِ روئے یار سے بہتر
مکتبِ عشق میں کتاب نہیں — طپش امروہوی

ہوا مسئلہ عشق کا حل نہ ان سے
ہوئے دم بخود یاں زمانے کے قابل

واہ اے عشق تیرا کیا کہنا
اور ظاہر ہوا چھپانے سے

عمر

اس کے ایفائے عہد تک نہ جیے
عمر نے ہم سے بے وفائی کی — مہر

اس رہروِ فنا کو ذرا ڈھونڈ لائیے
عمر گذشتہ کو کبھی مہماں بلائیے — احسن اللہ ثاقب

ہیں خوش مرا رسول بھی اور خدا بھی خوش
جی بھر کے ساری عمر مجھے اب ستائیے

کل ہم آئینہ میں رُخ کی جھریاں دیکھا کئے
کاروانِ عمر رفتہ کے نشاں دیکھا کئے — صفی

چمن سے مجھ کو نکالا بہارِ گل میں غضب
رہے گا داغ یہ سینے میں عمر بھر صیاد — طپش امروہوی

ملے گا مجھ سا تو ہرگز نہ بلبلِ سوز
چراغ لے کے جو ڈھونڈیگا عمر بھر صیاد

غزل اس نے چھیڑی مجھے ساز دینا
ذرا عمرِ رفتہ کو آواز دینا — صفی

ہوئے اس قدر مہذب کبھی گھر کا منھ نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے اسپتال جا کر — اکبر الہ آبادی

ترکِ مے کر کے پارسا بن کر
عمر برباد کی نہیں جاتی — مونس

ہم نے پہلے ہی کہہ دیا تھا نفیس
عشق میں رنج عمر بھر دیکھا — نفیس

گزری سیاہ کاری میں یارب تمام عمر
آدھی لٹی شباب میں آدھی خضاب میں — راسخ

عمر کٹنے کو کٹ گئی لیکن
چین سے ایک دن بسر نہ ہوئی

شفق
مرتے دم عبرت پکاری ہاتھ خالی دیکھ کر
عمر بھر کا ہے یہی حاصل کہ کچھ حاصل نہیں

حفیظ
وہ دل نہ وہ دماغ نہ وہ آرزو رہی
اے عمر رفتہ لائیں تجھے اب کہاں سے ہم

آنکھیں جدھر اُٹھائیے اک حشر زار ہی
لے آئی کس دیار میں عمر رواں مجھے

فراق
میسر جب کوئی کامرانی شادمانی ہے
ہمیں کس واسطے دنیا میں عمر بے وفا لائی

ریاض
شیخ نے مانگی ہے اپنی عمر کی
ے کدے سے اب پرانی جائے گی

صفی
وہ طول عمر جس میں نہ ہو لطفِ زندگی
ل جائے مثل خضر تو کیا فائدہ ہوا

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

جوش
تیسرا حصہ ہے بال رہے جب کالے
یں یہ سمجھا کہ گئی عمر گزر نے

شیون
یوں تو دامن کو نہ جھٹکا دیجیے
کس طرح عمر رواں گذرے گی

کلیم اثر دہلوی
عمر کم اور ذکر جاناں ہے بہت
وقت تھوڑا اور حکایت ہے لذیذ

ر
فصل گل کدھر ہے تو آ ذرا تماشہ کر
عمر بھر جو روئے ہیں اُن کو مسکرانا ہے

عیب

دلیر
ہم ہیں سو نقص سہی لیکن
ہو جو بے عیب سامنے آئے

اوروں کی عیب جوئی اپنا ہنر نہیں ہے
اپنی ہی عیب جوئی یہ ہے ہنر ہمارا

دست سوال لاکھوں ہی عیبوں کا عیب ہے
جس ہاتھ میں یہ عیب نہ ہو دستِ غیب ہے

ظفر
زندگی جب تک ہے کوئی عیب دیکھے یا ہنر
ورنہ زیر خاک سب عیب و ہنر چھپ جائیگا

جرأت
ہر بات کا بہتر ہے چھپانا ہی کہ یہ بھی
ہے عیب کرے گر کوئی جو ظاہر ہنر اپنا

موقعے پر اپنے عیب و ہنر دونوں ایک ہیں
تلوار صاف آرے کو دندانہ چاہیے

عید

واجد علیشاہ اختر
انتیسویں کو رُخ کی ترے دید ہو گئی
اب چاہے چاند ہو کہ نہ ہو عید ہو گئی

اندھیر ہے دن عید کا کاٹے نہیں کٹتا
یارب یہ ہماری شب فرقت تو نہیں ہے

بچھڑے ہوؤں سے مجھ کو ملایا تو نے
تجھ کو گلے سے میں لگا لوں اے عید

کوشش ناکام ہو رہی ہے آجا
امید تمام ہو رہی ہے آجا

ق
گزری سحرِ عید ڈھلا دن اے دوست
اب عید کی شام ہو رہی ہی آجا

اے دوست بتاؤ بہرِ خدا آنکھوں میں تمہارے آنسو کیوں
ہاں مجھ سے نہ دیکھا جائیگا یہ حال تمہارا عید کے دن
حافظ

کہیں ہے عید کی شادی کہیں ماتم ہے مقتل میں
کوئی قاتل سے ملتا ہے کوئی بسمل سے ملتا ہے

مجھ کو معلوم ہے آئین غم و عیش رئیس
آج تو عید ہے ڈرتا ہوں کہ کل کیا ہوگا
رئیس امروہوی

راہِ حق میں جان دینے کو سمجھتے ہیں خوشی
درحقیقت جان دینا عاشقوں کی عید ہے

ہمیں تو سیف وہی روز عید کا ہوگا
جو اپنے بچھڑے عزیزوں کی دید کا ہوگا
سیف

حشر بن کر امید آئی ہے
یہ مصیبت مزید آئی ہے

ق
میں پیام قضا سمجھتا ہوں
لوگ کہتے ہیں عید آئی ہے

عید ملتے ہیں اس طرح احباب
سینے ملتے ہیں دل نہیں ملتے

کاوشِ قلبِ مضطرب کی قسم
آج بھی ہائے کچھ خوشی نہ ہوئی

دل کے ارمان رہ گئے دل میں
تم نہ آئے تو عید ہی نہ ہوئی

یہ حق کہ دو جہاں کی زینت تمہارا حسن
تم ہی نہیں تو خاک یہ سامانِ عید ہے

عید دراصل عید ہے اس کی
جس سے وہ ہم کنار ہوتا ہے

گو خوشی بن کر زمانے کے لئے آئی تھی عید
درد و غم رنج و الم میرے لئے لائی تھی عید

ق
وہ اگر آکر گلے ملتا تو شاید جانتا
میری دنیائے محبت میں کبھی آئی تھی عید

ہائے یہ جو کچھ بیتی بیتی
پھولوں نے تو عید منالی
مسلم

دوبارہ محبت کی تجدید ہو
بچھڑ کر ملیں ہم تو پھر عید ہو

بندہ پرور کچھ کرم فرمائیے
عید کے دن تو نہ یوں تڑپائیے

اس قدر کھنچنے کی خو اچھی نہیں
آئیے اُٹھئے گلے لگ جائیے

تنگ دل والوں کو عشرت کی فراوانی ہے عید — ہر مبصر کے لئے اک درس قربانی ہے عید

بلبلا ہے موج ہے بہتا ہوا پانی ہے عید — دو گھڑی کی عید کوئی عید ہے فانی ہے عید

عید ہو اصلی تو عیشِ جاودانی عید ہے
دوسروں کے درد دل کی رازدانی عید ہے

شباب بریلوی
آؤ نزدیک تمہیں دل سے لگا لوں اپنے — عید میں دور سے ملنے کا تو دستور نہیں

عادل
خونِ دل کر کے بڑی شان سے ہولی کھیلی — ل کے غیروں سے گلے عید منانے والے

امانت
آج سینے سے لپٹ جائیے گا — عید ہے عذر نہ فرمائیے گا

بسر کرتا ہوں تیرے ہجر میں دن رات رو رو کر — گماں ہے عید کا بھی چاند پر ماہِ محرم کا

مصحفی
یہ عجیب رسم دیکھی کہ بروزِ عیدِ قرباں — وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا

رؤف
سنتے ہیں شورِ عید مبارک چہار سو — ل جاؤ تم تو ہم بھی کہیں آج عید ہے

رر
ہم دل جلوں سے عید کی بابت نہ پوچھئے — جس روز تم کو دیکھ لیا روز عید ہے

شہیدی
عید ہو جاتی ہے جس دم دیکھ لیتا ہوں اسے — ورنہ پھر بارہ مہینے تک محرم ہے مجھے

امیر مینائی
رہ گیا اپنے گلے میں ڈال کر باہیں غریب — عید کے دن جس کو غربت میں وطن یاد آ گیا

منالیں ہم بھی اپنی عید دم بھر شادماں ہو کر — لگا لو اپنے سینے سے اگر تم مہرباں ہو کر

اپنی تو وہی عید ہے جس روز کہ ہمدم — مکھڑا نظر آ جائے لبِ بام کسی کا

محمد علی جوہر
وہ ہی دن ہے ہماری عید کا دن — جو تری یاد میں گذرتا ہے

شاہد بی اے
خزاں میں مجھ کو رلاتی ہے یادِ فصلِ بہار — خوشی ہو عید کی کیونکر کہ سوگوار ہوں میں

شام غربت میں مجھے راس آئے صبح عید کیا — میں مسافر بے وطن ہوں بے وطن کی عید کیا

فرید ایم اے
بہت مجبور ہیں لیکن یہ پاسِ رسمِ دنیا ہے — کہ صبح عید کو شامِ محرم کہہ نہیں سکتے

مؤلف
تیری فرقت کا غم ارے توبہ — عید کی صبح بھی اندھیری ہے

ذوقی
وہ دن تو عید کا ہوتا ہے دن ہمارے لئے — تمہارا اٹھ کے جو منہ ہم سحر کو دیکھتے ہیں

دیکھا دمِ نزع دل آرام کو — عید ہوئی ذوق وے شام کو

کیا پوچھتے ہو صاحب رنج و محن کی عید — عاشورِ کربلا ہے غریب الوطن کی عید — ریاض خیرآبادی

کتنے ایسے ہیں کہ جن کی عید ہے دراصل عید — کتنے ایسے ہیں کہ جن پر عید کا الزام ہے — ر

غرور

عرش کی یہ بلندیاں فرش کی پستیوں سے ہیں — ان کا غرور دیکھ کر بن گئے خاکسار ہم

غرورِ حسن دو روزہ یہ آپ کو ہے عبث — تمام عمر یہ ممکن نہیں شباب رہے — حامد

یہ ناز یہ غرور لڑکپن میں تو نہ تھا — کیا تم جوان ہو کے بڑے آدمی ہوئے — سراج الدین آرزو

یہ راز اب تک غرورِ حسن نے سمجھا نہیں شاید — محبت بھی کسی عالم میں محو ناز ہوتی ہے

اے غرورِ حسن کے مالک رہے اتنا خیال — جو نہ تڑپا دے تڑپ کر وہ ہمارا دل نہیں

آئینہ دیکھ اپنا سا منھ لے کے رہ گئے — صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا — غالب

غرورِ حسن بھی کیا چیز ہے معاذ اللہ — کہ عشق کو بھی نظر سے گرا دیا تو نے — افق کاظمی

چار دن کے حسن پر اتنا غرور — چاندنی ہوتی ہے کئے دن کے لئے — قوی امروہوی

جتنی تھی عاجزی وہ مجھ ہی کو عطا ہوئی — بخشا خدا نے آپ کو جتنا غرور تھا — امیر مینائی

وہ میری شکل میں آکر بڑے غرور کے ساتھ — مجھ ہی سے پوچھ رہے ہیں بتا کہ کیا ہوں میں — فدا نیازی

یہ کس خیال میں ہیں آپ حضرت — بڑے بڑوں کا غرورِ شباب لٹ گیا

حیاتِ چند روزہ پر غرور اتنا نہ کر غافل — کہ مرغِ روح اڑ کر آشیاں تک پھر نہیں آیا — نسیم

کیوں رحم آگیا مرا احوال دیکھ کر — تم کو تو اپنی سنگ دلی پر غرور تھا — نساخ

بتوں کو ناز اگر ظلم اور جفا پر ہے — غرور ہم کو بھی تو مہر اور وفا پر ہے — ر

غرورِ حسن کی یہ مست رفتاری ارے توبہ
زمانے کو یہ دھوکہ ہے کہ ہم پی کر نکلتے ہیں

غم

کلیم امروہوی
مبتلائے دردِ الفت کے لیے
ہر الم ہر غم کی شدت ہے لذیذ

پوچھتے ہیں وہ بار بار مزاج
کیا ٹھکانا ہے اب غمِ دل کا

شبِ فرقت کے غم کی انتہا بس ہو گئی حامد
مری حالت کو سُن کر ان کے چہرے کا اُتر جانا

جگر
ہائے وہ کیوں کر جی بہلائے
غم بھی جس کو راس نہ آئے

کلیم امروہوی
زندگی سلسلۂ غم ہے کلیم
کاش یہ پاؤں کی بیڑی کٹ جائے

آدمی وہ بھی آدمی ہے کوئی
غم میں جو مبتلا نہیں ہوتا

مختار
ابھی چشمِ محبت نم نہیں ہے
جسے کہتے ہیں غم وہ غم نہیں ہے

ہماری بھی تباہی کم نہیں ہے
مگر پھر بھی ہمیں کچھ غم نہیں ہے

اطہر قادری
اے اہلِ عیش تم کو مبارک خوشی مگر
غم کے بغیر زیست میں کوئی مزا نہیں

مجید لاہوری
میں ان کو دیکے دنیا بھر کی خوشیاں بھی نہیں لوں گا
جو ترے عشق نے بخشے ہیں وہ غم مجھ کو پیارے ہیں

بھلا دیا ہے زمانے نے آدمیت کو
وہ ہنس رہے ہیں غمِ دل سنا رہا ہوں میں

فانی
کر غم کو اختیار کہ گزرے تو غم نہ ہو
غم بھی گذشتنی ہے خوشی بھی گذشتنی

بیدی سحر
زہے دردِ اُلفت خوشا لذتِ غم
میں اب مطمئن ہوں وہ آئیں نہ آئیں

عارف
میں نے مانا بے وفائی ہے زمانے کا چلن
آپ بھی شامل ہیں اس میں اور تو کچھ غم نہیں

مشتاق
موت بھی روٹھ گئی زیست کا یارا نہ رہا
اک ترے غم کے سوا کوئی ہمارا نہ رہا

راز الہ آبادی
ہائے یہ وقت محبت میں تری آ پہنچا
اب ترے غم کے سوا کوئی بھی غم خوار نہیں

حامد
زخمِ جگر پر ہنسنے والو
زیست کا حاصل غم ہوتا ہے

"
ہر راحت کے پیچھے اکثر
پوشیدہ اک غم ہوتا ہے

"
نکل آتے ہیں ذکرِ دل پہ آنسو
ابھی مجھ کو شعورِ غم نہیں ہے

پہلے نفرت تھی مگر اب دل میں ہی پہلو نشیں
غم بڑا تھا آپ کی خاطر سے اچھا ہو گیا

مجھ کو مری وفاؤں کا اچھا صلا دیا
غم اس قدر دیے کہ مجھے غم بنا دیا

جو بھلادے دوستوں کی یاد بھی
عرش ایسی راحتوں سے غم بھلے

جو زندگی کو حقیقت میں زندگی کر دے
خوشی سے بڑھ کے وہ غم خوشگوار ہوتا ہے — وزیر

ناداریاں مری کہ تمہیں کچھ نہ دے سکا
تم نے تو خیر سونپ دی مجھ کو متاعِ غم

کلیجے سے لگا رکھا ہے غم کو
دلِ مرحوم کی ہے یہ نشانی — حسن

لطف جتنا میرے دل کو آج غم کھانے میں ہے
وہ نہ جینے میں مزا ہے اور نہ مرجانے میں ہے — مؤلف

غم ایک ہی ایسا ہے کہ دنیا کو بھلا دے
غم کیا ہے وہ نعمت ہے مگر جس کو خدا دے — باقی

غم ایسا غم کہاں احساس باقی ہے ابھی مانی
ابھی بیخود نہیں ہوں ورنہ یہ بے تابیاں کیسی — مانی

مرے غم سے نہ ہو دل فگار نا ممکن
ہزار بار نہیں لاکھ بار نا ممکن — رئیس امروہوی

غم اٹھانے کے واسطے دم ہے
زندگی ہے اگر تو کیا غم ہے — داغ

آپ کو کیا پڑی تھی آپ نے بھی
غم کے ماروں سے دوستی کی ہے — جعفر شیرازی

دل کو محوِ غمِ دلدار کیے بیٹھے ہیں
رند بنتے ہیں مگر زہر پیے بیٹھے ہیں

غم جوانی کو جگا دیتا ہے لطفِ خواب سے
ساز یہ بیدار ہوتا ہے اسی مضراب سے — اقبال

یہ اور بات ہے کہ نظر چپ نہ رہ سکی
اظہارِ غم کا تم سے ارادہ نہ تھا کبھی — قرار لکھنوی

جتنی شکایتیں تھیں خوشی سے بدل گئیں
آپ آئے پوچھنے اب کوئی غم نہیں — جدید لکھنوی

فلک دیتا ہے جن کو عیش ان کو غم بھی ہوتے ہیں
جہاں بجتے ہیں نقارے وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں — داغ دہلوی

غم کھاتا ہوں جتنا مری نیت نہیں بھرتی
کیا غم ہے مزے کا کہ طبیعت نہیں بھرتی — مصحفی

غم اگر دل نواز ہو جائے
ہر حقیقت مجاز ہو جائے

ہر غم کو یوں تو ضبط کیے جا رہا ہوں میں
اس غم کو کیا کروں کہ جیے جا رہا ہوں میں — مانی

ہوتی ہے بعد رنج کے راحت بھی خلق میں
تو ابرِ غم کو دیکھ کے اے دل گھٹا عبث — طپش امروہوی

فتنہ

اختر — اختر یہ سن کے اور پریشاں ہوا ہوں میں / بے چین ہے وہ فتنۂ دوراں مرے لئے

غالب — کبھی جو یاد بھی آیا ہوں میں تو کہتے ہیں / کہ آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں

داغ — دیکھ لیں گے فتنۂ محشر کو بھی / اب تو چادر تان کر سوتے ہیں ہم

حالی — بہت چین سے دن گذرتے ہیں حالیؔ / کوئی فتنہ برپا ہوا چاہتا ہے

غالب — جب تک کہ نہ دیکھا تھا قدِ یار کا عالم / میں معتقد فتنۂ محشر نہ ہوا تھا

ناسخ — ہزاروں فتنے اٹھتے ہیں وہاں سے / مکانِ یار بھی اک آسماں ہے

جاوید — دھمکاتے ہیں مجھ کو کہ وہاں بھی نہ ملوں گا / اب ان کو کبھی فتنۂ محشر نہ کہوں گا

غالب — یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے / ہوئے تم دوست جس کے اس کا دشمن آسماں کیوں ہو

〃 — ترے سرو قامت سے اک قدِ آدم / قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں

داغ — کوئی فتنہ تا قیامت نہ پھر آشکار ہوتا / ترے دل پہ کاش ظالم مجھے اختیار ہوتا

فرقت

ہادی — کٹتی نہیں ہے اب شب فرقت ترے بغیر / ہے مضطرب مریض محبت ترے بغیر

ذکی بدایونی — رنج فرقت سہا نہیں جاتا / ہائے مجھ سے رہا نہیں جاتا

اختر لکھنوی — جی کے فرقت میں کیا کرے کوئی / غم میں کب تک گھلا کرے کوئی

فاخر — زندگی یوں تری فرقت میں بسر ہوتی ہے / شام ہوتی ہے نظر میں نہ سحر ہوتی ہے

حدیدؔ — مختصر سا خط میں لکھا ہے شب فرقت کا حال / تین حرفوں میں شکایت درد کی تحریر ہے

اختر — کیا آئے نظر میں کسی بے کس کی مصیبت / ظالم کبھی تو نے شب فرقت نہیں دیکھی

مجروح — مرا خط دیکھ کے قاصد سے پوچھا / مری فرقت میں وہ چلتا رہا کیا

آپ کی جانے بلا کیوں کر کٹی فرقت کی رات — دل تڑپ کر رہ گیا جب یاد آئی آپ کی

شرکتِ غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری — غیر کی ہو کے رہے یا شبِ فرقت میری — داغ

تیری الفت سے ہے خالی چمنِ دہر میں کون — دلِ لالہ پہ بھی داغِ ہجراں دیکھا — طپش امروہوی

فرہاد

کیا ہوا مر گیا اگر فرہاد — رُوح پتھر سے سر پٹکتی ہے

ایک خسرو تو مل گیا تجھ کو — کوئی فرہاد مل نہیں سکتا

میرے گھر مثل تبرک کے یہ ساماں نکلا — آستیں قیس کی فرہاد کا داماں نکلا — ریاض

ہم سے پہلے بھی محبت کا یہی انجام تھا — قیس بھی ناشاد تھا۔ فرہاد بھی ناکام تھا

وصلِ شیریں کب بھلا صنعت گری سے ہاتھ آئے — یہ بھی اے فرہاد کچھ لانا ہے جوئے شیر کا — نساخ

چلو قبرِ فرہاد پر فاتحہ کو — مگر آبِ شیریں سے لازم وضو ہے — شفیق

پیشے میں عیب نہیں رکھئے نہ فرہاد کو نام — ہم ہی آشفتہ سروں میں وہ جواں میر بھی تھا — غالب

عشق و مزدوری عشرت گہِ خسرو کیا خوب — ہم کو تسلیم نکو نامئ فرہاد نہیں

فریاد

ان کی مرضی ہے سنیں یا نہ سنیں — ہم تو فریاد کئے جاتے ہیں — رؤف

ہماری داستانِ غم رُلاتی ہے زمانے کو — وہ ہم ہیں جو زبانِ غیر سے فریاد کرتے ہیں — ثاقب

نہیں معلوم میں کس حال میں ہوں باغِ عالم میں — قفس والے بھی مجھ کو دیکھ کر فریاد کرتے ہیں — "

مرے آنسو کا قطرہ ایک دفتر ہے مصائب کا — یہ تارا ٹوٹتا ہے جب کہ دل فریاد کرتا ہے — "

عجب انداز سے دل پر اثر انداز ہوتی ہے — نگاہوں میں جو اک فریاد بے آواز ہوتی ہے

فضول ہے ان کی بد دماغی کہاں ہے فریاد اب لبوں پر — یہ وار پر وار اب عبث ہیں کہاں بدن میں ہے جان باقی — اکبر

فریاد جو کی ہیں نے دل تھام کے ہو بیٹھے — عاشق کے ستانے کا، کچھ تم نے مزا دیکھا

(اختر جمیل) غم کی روداد سناتے ہوئے ڈر لگتا ہے — دل بھی پہلو سے نکل آئے نہ فریاد کے ساتھ

ترے فراق میں فریاد کر رہا ہوں ضرور — مگر نتیجہ آہ و فغاں نہیں معلوم

(عزیز صدیقی) توبہ وہ کرتے نہیں ہیں ظلم سے بیداد سے — باز میں آتا نہیں ہوں نالہ و فریاد سے

(〃) دل یہ کہتا ہے کہ ان کے کان تک جاتی نہیں — وہ یہ کہتے ہیں کلیجہ ہل گیا فریاد سے

(حسرت) جز مرے تیری توجہ سے زمانہ شاد ہے — اے محبت کے خدا فریاد ہے فریاد ہے

(صدر) مانا کہ اثر دل پہ کسی کے نہیں ہوتا — فریاد مگر اے دلِ ناشاد کئے جا

(مؤلف) آہ کا ظلم ناتوانی سے یہ حالت ہے مری — صورتِ تصویر ہوں طاقت نہیں فریاد کی

میں ہوں خاموش کہ برہم نہ ہو عالم کا نظام — وہ سمجھتے ہیں کہ اب طاقت نہیں فریاد کی

(کوکب) زباں روکی وفا نے شکوۂ بیداد کیا کرتا — بتوں کے ظلم کی اللہ سے فریاد کیا کرتا

(داغ) تم نہ فریاد کسی کی نہ فغاں سنتے ہو — اپنے مطلب کی ہی سنتے ہو جہاں سنتے ہو

(جلیل) ناز بھی ہوتا ہے ہوتی ہے بیداد بھی — سب گوارا ہے اگر سنتے رہو فریاد بھی

(نظر اکبر آبادی) ہم نے چاہا تھا کہ حاکم سے کریں گے فریاد — وہ بھی کم بخت ترا چاہنے والا نکلا

(سہیل) مجھ سے پوچھو نہ مزاجِ دلِ ناشاد ابھی — میرے نغموں میں ہے کچھ تلخیٔ فریاد ابھی

(نساخ) زمانہ اپنی آزادی کا شاید یاد کرتے ہیں — گرفتارِ قفس کس درد سے فریاد کرتے ہیں

(حامد) وہ آہیں دل میں گھر کرتی ہیں جو دل سے نکلتی ہیں — وہ دل کو تھام لیتے ہیں جو ہم فریاد کرتے ہیں

جتنا جی چاہے ستائے ستم ایجاد مجھے — مثل تصویر ہوں آتی نہیں فریاد مجھے

(داغ) ہر دل میں نئی طرح سے ہے یاد کسی کی — ملتی نہیں فریاد سے فریاد کسی کی

فریب

ہیں کمالِ غم کی نوازشیں کہ فریبِ حسن کی سازشیں — نہ تجلّی گاہ میں وہ ضیا نہ نگاہ ہی میں وہ روشنی

مصرع	مصرع	شاعر
کھاتے رہے فریبِ وفا جان بوجھ کر	ہر آستیں کے مار سے ہم کھیلتے رہے	
بارہا ان کو آزمایا ہے	ہم نے پھر بھی فریب کھایا ہے	اشک
اِن ہی کا نام محبت ان ہی کا نام جنوں	مری نگاہ کے دھوکے تری نظر کے فریب	
اے سحر عشق میں تمام فریب	کچھ سمجھ بوجھ کر ہی کھاتے ہیں	بیدی سحر
بے رُخی کے نہ دشمنی کے فریب	ہم نے کھائے ہیں دوستی کے فریب	منشا ایم اے
کتنے رنگین کس قدر دل کش	حسن کافر کی سادگی کے فریب	”
اُس سے پوچھو کہ زندگی کیا ہے	جس نے کھائے ہوں زندگی کے فریب	”
ہر اک شکستِ تمنا پہ مُسکراتے ہیں	وہ کیا کریں جو مسلسل فریب کھاتے ہیں	”
جذبۂ دوستی تری خاطر	ہم نے کیا کیا فریب کھائے ہیں	
جھوٹے وعدوں ہی سے ان کے دل کو بہلانا پڑا	یہ فریب ایسا تھا خوش ہو کر جسے کھانا پڑا	اظہر ایم اے
مجھ سے پوچھو نگاہِ لطف کا حال	میں نے اکثر فریب کھائے ہیں	
میں نے تو خضرِ راہ بنایا تھا آپ کو	مجھ کو فریب کس لئے پھر جا بجا دیا	
ہم کب آتے بھلا فریب میں ہیں	تم سے لاکھوں ہماری جیب میں ہیں	
یہ زندگیٔ عشق یہ ہنگامۂ جمال	دل کا فریب ہے کہ نظر کا فریب ہے	رئیس امروہوی
فریب تماشا ہے نیرنگِ عالم	نظر کے ہیں دھوکے جدھر دیکھتے ہیں	آشفتہ
جو منکرِ وفا ہو فریب اس پہ کیا چلے	کیوں بدگماں ہوں دوست سے دشمن کے باب میں	غالب
گرچہ ہوں دیوانہ پر کیوں دوست کا کھاؤں فریب	آستیں میں دشنہ پنہاں ہاتھ میں نشتر کھلا	”
تصویر اور تصورِ جاناں یہ سب فریب	تیرے بغیر ایسے اشاروں کو کیا کروں	نشتر

فسانہ

مصرع	مصرع	شاعر
جو کبھی حقیقت تھی اب وہی فسانہ ہے	وہ بھی اک زمانہ تھا یہ بھی اک زمانہ ہے	کلیم امروہوی

اس نے مجھ سے مرے فسانے کو
یوں سُنا جیسے کچھ سُنا ہی نہیں — اکمال

بدلتی رہتی ہے حالت یوں ہی زمانے کی
ہوا ان کو یاد بھلا کیا مرے فسانے کی — محزوںؔ

زباں ہلتے ہی آنسو ہیں ان کی آنکھوں میں
یہ ابتدا ہے تو کیا انتہا فسانے کی — احسان دہلوی

محبت کے صدقے ہیں سنتی ہے دنیا
ہمارا فسانہ تمہاری زبانی — محزوںؔ

کہے جا رہا ہوں ہنسے جا رہا ہوں
کچھ اپنا فسانہ کچھ اُن کی کہانی

زندگی اِک چراغ سحر ہے
ہے فسانہ مگر مختصر ہے — شاکرؔ

تم کو عشرت اک سوائے دردِ دل
اور بھی کوئی فسانہ یاد ہے — عشرتؔ

کہتے ہیں کیا ہی مزے کا ہے فسانہ فانی
آپ کی جان سے دور آپ کے مرجانے کا — فانی

آپ کو مجھ سے کچھ شکایت تھی
کس زمانے کا یہ فسانہ ہے — مؤلف

اک کہانی ہماری بھی سن لیں
یوں تو دل چسپ ہر فسانہ ہے

دیکھنا بے خودیٔ عشق کا اعجاز جگر
کہہ رہا ہوں وہ فسانہ جو مجھے یاد نہیں — جگرؔ

اک فسانہ سُن گئے اک کہہ گئے
میں جو رویا مسکرا کر رہ گئے — فانیؔ

سوؔدا خدا کے واسطے کر قصہ مختصر
اپنی تو نیند اڑ گئی تیرے فسانے میں — سودا

ہے ناز تجھ کو بہت طولِ حشر پر واعظ
فسانۂ شبِ فرقت کو چھیڑتا ہوں میں — اثرؔ

چھڑی تھی بات کہ بزم اُٹھ گئی سحر آئی
کہوں یہ کس سے کہ باقی ابھی فسانہ تھا — فضلؔ

کل تک تھا جہاں بستر ہے آج وہی تربت
بیمارِ محبت کا اتنا سا فسانہ ہے

شمع نے کھینچ کر اک آہِ سرد
مختصر کر دیا فسانے کو — شمعؔ

کیسی پُر لطف کہانی ہے ذرا سُن لیجئے
سب فسانوں سے نرالا ہے فسانہ دل کا — یوسفؔ

تاثیر نرالی ہے میرے بھی فسانے کی
سوتی ہے مری قسمت بیدار زمانہ ہے — سہیلؔ

اک ایک سن رہا تھا اک ایک کا فسانہ
جب میری باری آئی کیوں سو گیا زمانہ — یوسفؔ

ہوتا ہے زرد سُن کے جو نامرد مدعی
رستم کی داستاں ہے ہمارا فسانہ کیا — آتشؔ

آنکھوں میں نمی سی ہے چپ چپ سے وہ بیٹھے ہیں
نازک سی نگاہوں میں نازک سا فسانہ ہے — جگر

جب بھی کبھی سُنا ہے مجھ سے مرا فسانہ
ان کی بھی نیند اکثر راتوں کو اُڑ گئی ہے — سیفی

شبِ وصال میں سننا پڑا افسانۂ غیر
سمجھتے کاش نہ اپنا وہ رازدار مجھے — تسکین

فکر

فکرِ دنیا میں سر کھپاتا ہوں
میں کہاں اور یہ وبال کہاں — غالب

جن کو اللہ پر بھروسہ ہے
فکرِ فردا کیا نہیں کرتے

کس پہ مرتے ہو آپ پوچھتے ہیں
مجھ کو فکرِ جواب نے مارا — مومن

فکر غیروں کی تمہیں اور تمہاری مجھ کو
میں ہوں بے چین تو کچھ تم کو بھی آرام نہیں — مجروح

وہ بہر حال محبّوں کی مدد کرتے ہیں
کیوں تجھے فکر دم باز پسیں ہے اے دوست — کلیم امروہوی

فیصلہ

عرش اس بات پہ ہے فیصلہ غیرت عشق
ہم اُدھر جاتے ہیں یا خود وہ اِدھر آتا ہے — عرش

میں تو اشکوں کی زبانی حالِ دل سب کہہ چکا
اب تمہارے فیصلے کی منتظر تقدیر ہے

اُٹھو گلے سے لگا لو مٹے گلہ دل کا
ذرا سی بات میں ہوتا ہے فیصلہ دل کا — امیر مینائی

فیصلہ ہو آج میرا آپ کا
یہ اُٹھا رکھا ہے کس دن کے لئے

عدو سے ملو گے کہ مجھ سے بتاؤ
میں اس بات کا فیصلہ چاہتا ہوں — قمر امروہوی

ڈر ہے بول اٹھے کہیں ان کی طرف ہی نہ دل
سامنے اللہ کے جب فیصلہ ہونے لگے — تسلیم

نہ ملے کسی سے بھی ہو گا معاملہ دل کا
تمہیں کرو تو کرو گے فیصلہ دل کا — حامد

نہ چھٹا اُن کا ربط دشمن سے
نہ ہوا میرا فیصلہ نہ ہوا — میکش

کھڑی ہے سر پہ اجل سامنا ہے قاتل کا
اِسی دو عملی میں ہوتا ہے فیصلہ دل کا — رضا لکھنوی

حسرتؔ موہانی

کیا کہا میں نے جو ناحق تم خفا ہونے لگے
کچھ سُنا بھی یا کہ یوں ہی فیصلہ ہونے لگا

شادؔ

فیصلہ ہوتا ہے نیکی و بدی کا ہر دم
دل کو اس جسم میں چھوٹی سی عدالت سمجھو

قاتل

سادگی پر اس کی مر جانے کی حسرت دل میں ہے
بس نہیں چلتا کہ پھر خنجر کفِ قاتل میں ہے

جوشؔ

یہ حسن اور سادگی نیچی نگاہیں بات میں نرمی
مخاطب کون کر سکتا ہے تم کو لفظِ قاتل سے

حامدؔ

یہ بھولی سی صورت یہ پیاری ادائیں
یقیں کس کو آئے کہ قاتل یہی ہے

پکڑ کر قیامت میں دامن تمہارا
خدا سے کہوں گا کہ قاتل یہی ہے

مجھ میں طاقت ہے تڑپنے کی کہاں او قاتل
تیرے قربان کہیں وار نہ اوچھا کرنا

صفیؔ

صفیؔ جب خودکشی کی ہے تو مانگوں خوں بہا کس سے
سمجھ لو کشتۂ عبرت ہوں اپنا آپ قاتل ہوں

منظرؔ

نہیں معلوم کس مظلومیت سے دی گئیں جانیں
کہ خود قاتل کو بھی رونا پڑا حالِ شہیداں پر

غافلؔ

جو قتل کرنے سے ڈرتے ہو کیوں بنے قاتل
جو کام بس کا نہ تھا کیوں وہ اختیار کیا

حامدؔ

جادو بھری نظر وہ جوانی کی کیا ہوئی
قاتل وہی ہے حربۂ قاتل نہیں رہا

مجروحؔ

نہ ہو مجروح جب قاتل نمک پاش
تو پھر زخموں کے کھانے کا مزا کیا

؍؍

جو ہوا سامنے وہ قتل ہوا
میرے قاتل کی ہر طرف ہے دھاک

جلیلؔ

جو دل کو کھو چکے ہیں وہ دل کو ڈھونڈتے ہیں
ہم دل سے تنگ آ کر قاتل کو ڈھونڈتے ہیں

بیمارؔ الٰہ آبادی

کون پرساں ہے حالِ بسمل کا
خلق منہ دیکھتی ہے قاتل کا

مانیؔ

طلب تو میرے قاتل کی بھی شاید بزمِ محشر میں
تم آئے سامنے کیا تم خدا ناکردہ قاتل ہو

طپشؔ امروہوی

امتحاں گاہ میں وہ تیغ بکف تنہا ہے
غمِ مایوسیٔ قاتل لئے جاتا ہے مجھے

خمیدہ قامتِ لاغر ہمارا کیوں نہ ہو قاتل
کہ تیری تیغ ابرو پر ہمارا دم نکلتا ہے

؍؍

غیر کو پاس دیکھا قاتل کے
ٹکڑے یاں ہو گئے مرے دل کے

قبر

انہیں میرے مرنے کا کیونکر یقیں ہو — کہ جب قبر کی بھی نشانی نہیں ہے

پھرے دوست جب ہو گئی قبر بند — کھلا یہ کہ کوئی ہمارا نہیں — انیسؔ

ہے اندھیرا نگاہ میت میں — شمع کیوں قبر پر جلاتے ہیں — طپشؔ

شہید ناز ہیں شاید وہ دن بھی آ جائے — ہماری قبر پر آنچل کسی کا لہرائے

اک اور کرم بانیٔ بیداد کئے جا — ٹھوکر سے مری قبر کو برباد کئے جا — صدرؔ

چلے بھی آؤ وہ ہے قبرِ فانی دیکھتے جاؤ — تم اپنے مرنے والے کی نشانی دیکھتے جاؤ — فانیؔ

نظر کر جانے والے اِک ذرا گورِ غریباں پر — بجائے شامیانہ قبر پر مکڑی کے جالے ہیں — مؤلف

وہ آدھی رات وہ صحرا وہ تاریکی وہ سناٹا — وہ ان کا قبر عاشق ڈھونڈھنا جا کر مزاروں میں

نہ کر پامال میری قبر میں نے نقدِ جاں دیکر — بڑی مشکل سے یہ دو گز زمیں دنیا سے حاصل کی — منیرؔ

دل سنبھالے دیر تک روتے رہے وہ بھی جگرؔ — تیری ٹوٹی قبر پر کندہ جو تیرا نام تھا — جگر بسوانی

اپنا مطلب بھی نکالا اور ہمارا کام بھی — قبر تک لاشے کو لاتے ہیں وہ ٹھکراتے ہوئے — جاویدؔ

قاتل بجائے گل تو چڑھا دے حسین بند — یہ کربلائے عشق یہ قبر شہید ہے — خواجہ زیر

شبِ تربت شبِ غربت شبِ اعمالِ سیاہ — قبر کی چھوٹی سی دنیا میں کئی راتیں ہیں — شاعر لکھنوی

بستر کے پھول چاندنی راتیں تھیں نیند تھی — اے قبر تنگ جب میں وہاں تھا یہاں نہ تھا — ذاخرؔ

وہ خاکسار ہیں کہ پسِ مرگ بھی اسیرؔ — سڑتے ہماری قبر میں خاکِ شفا کے ہیں — اسیرؔ

کیوں کر نہ لپٹ کے تجھ سے سوؤں اے قبر — میں نے بھی تو جان دے کے پایا ہے تجھے — انیسؔ

مرمر کے پہنچتے ہیں مسافر واں تک — یہ قبر کی منزل بھی بہت بھاری ہے — مد

جن کے دم سے اِک جہانِ عیش کل آباد تھا — آج ان کی قبر کو دیکھا تو ویرانے میں ہے — حنیف لکھنوی

جائیں قبروں پہ دوستوں کی کیا — واں کوئی ہم سے بولتا ہی نہیں — عزیزؔ

نساخ
ڈرتے ہیں وہ جی نہ اُٹھیں ہم کہیں
قبر پر پھر زیارت آئیں کیا

جدید لکھنوی
نہ پڑھو فاتحہ مانگو نہ دعا
قبر عاشق کی زیارت ہی سہی

وہ مری قبر کو پہچانتے تو ہیں بارے
کہ اس طرف سے گزرتے ہیں سر جھکائے ہوئے

قرار

بیدی سحر
وہ آئیں بھی تو اب لے لذتِ غم
خدا جانے قرار آئے نہ آئے

دل کو اب کس طرح قرار آئے
ہم تمہیں یاد کرکے پچھتائے

سنائے جا ہاں سنائے جا تو اثر سے خود بے نیاز ہو کر
وہ کچھ دلوں کو خفا ہے گا مگر کبھی بے قرار ہو گا

نہ جب تک دیکھ لوں اک بار تم کو
مجھے دن بھر قرار آتا نہیں ہے

ملتفت پھر نگاہِ یار ہے آج
بے قراری میں کچھ قرار ہے آج

تم نہ آئے مری بالیں پہ تو کیا میں مر گیا
چند دن تڑپا کیا آخر قرار آ ہی گیا

جاوید
کوئی صورت قرار کی نہ رہی
آرزوئے قرار کون کرے

صادق
آوارگانِ عشق کو مانند گردِ آب
یک جا قرار ہو تو کوئی گفتگو کرے

جدید لکھنوی
نہ اُس گلی میں نہ گھر میں مجھے قرار آیا
ہزار بار گیا اور ہزار بار آیا

موت آ جائے الٰہی کہ وہ یار آ جائے
کسی پہلو دلِ مضطر کو قرار آ جائے

قریب

کشور
میں بھی قربان مرا دل بھی تصدق تم پر
کوئی جیتا ہے نہ ہارا ہے قریب آ جاؤ

〃
تم کو کشور سے یہ مانا کہ عداوت ہی سہی
وہ مگر اب بھی تمہارا ہے قریب آ جاؤ

حامد
پیری ہے قربِ گور ہے محشر قریب ہے
رہنا جہاں سدا ہے وہ اب گھر قریب ہے

جدید
رہا ہو کر بھی ہے شوق اسیری اس قدر باقی
بسر شب کو قریبِ خانۂ صیاد کرتے ہیں

ہمت نہ ہار پھر محبت کے غوطہ زن / غم کی نہیں ہے بات کہ ساحل قریب ہے — فہمی امروہوی

قسم

بدل جائے دنیا کہ بدلے زمانہ / خدا کی قسم ہم تمہارے رہیں گے — ضیا اسعدی

پوچھا جو میں نے غیر کے گھر کیوں گئے تھے آپ / بے اختیار پھر ہی قسم کھا کے رہ گئے

کچھ خبر ہے پاؤں میں زنجیر پہناتے ہیں لوگ / تیرے دیوانے کو دے کر تیرے سر کی قسم — مانی

سر مرا کاٹ کے پچھتائیے گا / جھوٹی پھر کس کی قسم کھائیے گا — امانت لکھنوی

تیرے سوا کسی سے محبت صنم نہیں / تیری قسم نہیں ہے خدا کی قسم نہیں — داغ

ہم تو دانستہ لُٹ گئے گوہر / اُن کی نظروں کی سادگی کی قسم — گوہر

نزع کے وقت ہو پھر وصل کا وعدہ جھوٹا / ابھی موقع ہے مرے سر کی قسم کھانے کا — جاوید لکھنوی

کل کھا کے قسم جس نے اٹھائی تھی بڑی چیز / لو آج وہ کہتا ہے کہ قرآں نہیں دیکھا — رضا لکھنوی

مشکل ہے مرے عہدِ محبت کا ٹوٹنا / اے بے وفا یہ تیری خدا کی قسم نہیں — ذوق

زہر ملتا ہی نہیں مجھ کو ستم گر ورنہ / کیا قسم ہے ترے ملنے کی کہ کھا بھی نہ سکوں — غالب

ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے / یاں تک مٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے — 〃

قسم جنازے پہ آنے کی میرے کھاتے ہیں غالب / ہمیشہ کھاتے تھے جو میری جاں کی قسم آگے — 〃

سر اُڑانے کے جو وعدہ کو مکرر چاہا / ہنس کے بولے کہ ترے سر کی قسم ہے ہم کو — 〃

قسمت

تم آ جاؤ سنور جائے چلے جاؤ بگڑ جائے / تمہارے ہاتھ ہے بننا بگڑنا میری قسمت کا — رؤف

چلے تھے غیر کے گھر جذبِ دل میرے یہاں لایا / اسے کہتے ہیں قسمت کا بگڑ کر پھر سنور جانا — حامد

خواب میں بھی تو نکلتی نہیں حسرت میری / جب وہ آتے ہیں جگا دیتی ہے قسمت میری

تعشق — تعشق آئیں ٹھکرانے کو وہ گورِ غریباں ہیں
بھلا ایسی کہاں قسمت ہمارے کاسۂ سر کی

شارق — خدا ان کی طبیعت کو نہ بدلے
مری قسمت بدل کر جو گئے ہیں

شاہین — بے وفائی کا کیا گلہ ان سے
ہم نے قسمت ہی ایسی پائی ہے

ماہر — ہم بھی ضرور کعبہ کو چلتے پر اب تو شیخ
قسمت سے بتکدے ہی میں دیدار ہو گیا

نگاہِ ناز کیوں اندوہ گیں ہے
مری قسمت میں کیا غم بھی نہیں ہے

روشن — تاج شاہی سر پہ تھا کل ہی کلاہِ فقر آج
واہ ری قسمت ابھی کیا تھا ابھی کیا ہو گیا

ملا ابراہیم — یہ ہوک جو اُٹھتی ہے یہ درد جو ہوتا ہے
تیرے ہی کرشمے ہیں قسمت کا بہانا ہے

ذوق — قسمت سے ہی لاچار ہوں اے ذوق وگرنہ
سب فن میں ہوں میں طاق مجھے کیا نہیں آتا

ناسخ — غیر کی قسمت میں لکھا وصل بدلے ہجر کے
ایسی بھی ہوتی ہے غلطی کاتبِ تقدیر سے

مجروح — کسی طرح سیدھی نہ ہم سے ہوئی
یہ قسمت بھی اس کی نظر ہو گئی

ذوق — خط لکھا مجھ کو تو اس میں نام بھی پورا نہ تھا
یہ کہوں قسمت کا لکھا آج پورا ہو گیا

" — قسمت اس بُت سے جا لڑی اپنی
دیکھو احمق خدا سے لڑتی ہے

" — بے نصیبوں کے نصیبوں میں کہاں یار کا وصل
ان کی قسمت میں ہے جو لوگ ہیں قسمت والے

قصور

نوح — وہ کریں گے مرا قصور معاف
کر چکے ہو چکا ضرور معاف

وہ ہنسی آ گئی ترے لب پر
ہو گیا وہ مرا قصور معاف

اور عادت بگاڑ دی میری
کاش کرتے نہ وہ قصور معاف

غالب — قاصد کی اپنے ہاتھ سے گردن نہ ماریے
اس کی خطا نہیں ہے یہ میرا قصور تھا

حامد — پورا سُنا نہ حال کہ ہم سے بگڑ گئے
اظہارِ مدعا کوئی ایسا قصور تھا

" — وہ بھی تو جان لیں کہ یہ کس کا قصور تھا
جو دل پہ بن گئی اسے کہنا ضرور تھا

میری تقدیر ہی کچھ ایسی تھی
آپ کا تو قصور کچھ بھی نہیں

جھگڑے کو اور طول نہ دو مختصر کرو
بس ہو چکا قصور چلو درگزر کرو

میں قصۂ تباہیٔ دل عرض تو کروں
تم ہنس کے کہہ دو کہ تمہارا قصور تھا
عابد

یہ خطا یہ قصور کچھ بھی نہیں
تیری رحمت سے دور کچھ بھی نہیں
رعنا

بے جرم تم نے قتل کیا ہم کو اے بُتو
اللہ جانتا ہے کہ میں بے قصور تھا
نساخ

جو چاہو دو سزا تمہیں گھورا ہے بزم میں
ہاں ہاں ہوا قصور خطا تو ضرور کی
رضا

کہتے ہیں درد ہجر سے کیوں مر گئے یہ تم
لو اور سنئے یہ بھی ہمارا قصور تھا
مجروح

قصّہ

نہیں سوزِ الفت سنانے کے قابل
یہ قصہ ہے آنسو بہانے کے قابل
طپش امروہوی

اگر بھولے سے قصۂ اپنے غم کا ہم سنا دیتے
جو روتوں کو ہنساتے ہیں ہم ان کو بھی رُلا دیتے

الفت کی کہانی تو سچی ہے مگر حضرت
ہر بار وہی قصہ دہرانے کو کیا کہئے
قاسم لکھنوی

سنا رہا ہوں انہیں جھوٹ موٹ اک قصہ
کہ ایک شخص محبت میں کامیاب رہا

کون سُنتا ہے کس کو ہم شاہد
قصۂ زندگی سناتے ہیں
شاہد

ہنس دیئے وہ خاتمہ میری وفا کا ہو گیا
داستاں مطلب پہ آئی ختم قصہ ہو گیا
ذاخر

اشک خونیں نالۂ رنگیں فغاں بیخودی
تین ٹکڑوں سے مکمل قصۂ دل ہو گیا
طلعت

قصۂ ہجر سنانے کی اجازت مل جائے
دیکھئے پھر میں سناتا ہوں یہ فرفر کیسا
قیصر دہلوی

ابھی تو غیر کی باتوں ہی سے تم کو نہیں فرصت
سنا دیں گے کبھی ہم بھی تمہیں قصہ محبت کا
عیش امروہوی

یہ کیا ہے ایک ہی گردن پہ خوں سارے زمانے کا
کوئی قصہ چھڑتے پہلے ہمارا نام آتا ہے
جاوید

جل اٹھے شمع کی مانند قصہ خواں کی زباں
ہمارا قصۂ پرسوز لحظہ بھر تو کہے
ذوق

میں کیا سناؤں تمہیں وصل و ہجر کا قصہ
تم آج آکے یہ قصہ تمام کر لینا
ناز

قضا

مخشر
احباب سے ہے نزع میں اتنی مری خواہش
وہ آتے ہیں پہلے کہ قضا دیکھتے رہنا

ریاض
دردِ فرقت کی اذیت کا نہ پوچھو کچھ حال
آج گھبرا کے کئی بار قضا بھی آئی

تنہا
تم نہ آؤ گے تو کیا موت بھی آنے کی نہیں
راستے روک دیئے ہوں گے قضا کے تم نے

محزوں
تڑپ رہا ہے مریضِ فرقت کھلائی جاتی ہی خاکِ تربت
مسیح پہلو میں چپ کھڑا ہے قضا سرہانے ٹہل رہی ہے

ضامن
دل کو ہمارے چاہ اب اپنی فنا کی ہے
دن رات جس کی چاہ میں خواہش قضا کی ہے

طپش
اس غیرتِ مسیح کو دیکھا جو میرے پاس
فوراً ہٹے سرہانے سے آکر قضا پھری

"
آپ کیا جاتے ہیں انداز و ادا دکھلا کر
جان اس عاشقِ شیدا کی قضا آتی ہے

اس ماہ کی فرقت کے تو صدمے نہیں اٹھتے
مشتاق ہوں اللہ میں اب پیکِ قضا کا

قفس

رندؔ
پروں کو کھول دے ظالم جو قید کرتا ہے
قفس کو لے کے میں اڑ جاؤں گا کہاں صیاد

منتظر
کچھ آب و دانے کی خوبی ہے کچھ زمانے کی
یہ مختصر سی ہی صورت قفس میں آنے کی

مری انجام اندیشی تو دیکھو
قفس کو دیکھتا ہوں آشیاں سے

الگزنڈر آزاد
جب مصیبت آپڑی جز صبر بن آتا نہیں
تو گرفتارِ قفس پھڑکا پھڑک کر رہ گیا

مانی
یہ عالم بے پر و بالی کا یہ پرواز کی ہمت
قفس کو لے کے جا بیٹھا ہوں دیوار گلستاں پر

آتش
دکھایا کنجِ قفس مجھ کو آب و دانہ نے
وگرنہ دام کہاں میں کہاں کہاں صیاد

محزوں
قفس میں رہ کے گلستاں کا ذکر کیا کرنا
صبا نہ چھیڑ کہ آزردہ بہار ہوں میں

ماجد الہ آبادی
بھلا کیا پوچھتے اس سے حقیقت شام ہجراں کی
قفس میں بیٹھ کر تصویر جو دیکھے گلستاں کی

آرزو
نکلی جو در ہلا کے قفس کا نسیمِ باغ
تا دیر تول تول کے پر دیکھتے رہے

گلستاں اُن کا قفس اُن کا نشیمن اُن کا — چاہے وہ قید کریں چاہے وہ آزاد کریں — ظہیر جونپوری

آشیاں سے ہے قفس میں بھی تعلق اتنا — دل سے بھی اُٹھتا ہے شعلہ جو شجر جلتے ہیں — آرزو

دل کی کشش کو اب بھی گلشن سے ہے تعلق — کچھ پتیاں قفس تک اُڑ اُڑ کے آ رہی ہیں — "

ہم کو قفس سے حکمِ رہائی تو مل گیا — اُڑنے کے واسطے ہیں مگر بال و پَر کہاں — عرش ملسیانی

خوش ہوا تھا توڑ کر اپنے قفس کی تیلیاں — ہائے کہہ کر رہ گیا ٹوٹے ہوئے پَر دیکھ کر — گستاخ رام

کُنج میں بیٹھا رہوں میں پَر کھلا — کاش کہ ہوتا قفس کا دَر کھُلا — غالب

قفس میں اہلِ قفس کا عجیب عالم ہے — نہ زندگی کی خوشی ہے نہ موت کا غم ہے

کہہ رہی ہے چمک یہ بجلی کی — اب قفس میں بھی رہ نہیں سکتے — مجذوب

قفس میں رَہ کے تمنا یہی مدام رہی — کہ اب رہا ہوئے اب موسم بہار آیا — کریم الدین سٹ

خزاں کیا فصلِ گل کہتے ہیں کس کو کوئی موسم ہو — وہی ہم ہیں قفس ہے اور ماتم بال و پَر کا ہے — غالب

یوں ہی گزرا بہار کا یہ برس — ہم اُسی طرح ہیں اسیرِ قفس — مجروح

گھر سے صیاد کے آتی نہیں آوازِ حزیں — کیا قفس میں کوئی اب تازہ گرفتار نہیں — جنت

طریقہ ہے نیا صیاد یہ دل کے دکھانے کا — قفس رکھا اُسی پر تھی جو شاخ آشیاں میری — فضا

نہ پوچھو شغل اسیری میں ہم غریبوں کا — کبھی قفس کو کبھی بال و پَر کو دیکھتے ہیں — ذوق

قفس کیا چیز ہے صیاد ڈر اس وقتِ نازک سے — کہ رنجِ قید بڑھ کر ہمتِ پرواز بن جائے — مانی

قیامت

چونکہ وہ ہے آپکی اک جلوہ گاہ — اس لئے ذکرِ قیامت ہے لذیذ — کلیم امروہوی

ہم سنتے تھے محشر میں تو ہو جائیگا دیدار — لیکن یہ قیامت ہے کہ محشر نہیں ہوتا — محزوں

روز اک تازہ قیامت سی گزر جاتی ہے — پھر بھی سنتا ہوں کوئی اور قیامت ہے ابھی — "

جینا تو تھا ہی ہجر میں آفت ترے بغیر — مرنا بھی ہو گیا ہے قیامت ترے بغیر — ہادی

انہیں کی محبت انہیں سے چھپانا　　قیامت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے
ان کا فرمانا قیامت ہی پہ ہو گا دیدار　　ہم یہ کہتے ہیں اجی آج قیامت ہو جائے
محبت کے مارے ہوؤں کا فسانہ　　قیامت ہوا مختصر ہوتے ہوتے　　محزوں
قیامت ہے اگر پہلے چمن پھر آشیاں اجڑے　　مرے اللہ جو ہونا ہے وہ اکبار ہو جائے　　امروہوی
دوست کرتے ہیں شکایت غیر کرتے ہیں گلہ　　کیا قیامت ہے مجھی کو سب برا کہنے کو ہیں　　ذوقی
جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے　　کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور　　غالب
حوالہ دے رہے ہو آج محشر میں بھی جنت کا　　قیامت آ گئی لیکن تمہاری کل نہیں ہوتی　　مجذوب
لحد پہ کوئی بے مروت تو آئے　　اٹھوں گا اٹھوں گا قیامت تو آئے　　جاوید
تم کہے جاؤ قیامت کی حقیقت کیا ہے　　یہ قیامت میں کھلے گا کہ قیامت کیا ہے　　قیصر دہلوی
جاتے ہوئے دیکھا نہیں کب تجھ کو سوئے غیر　　آتی ہوئی کس روز قیامت نہیں دیکھی
تمہیں پوچھونگا ہوں سے اداؤں سے جوانی سے　　نہیں تم میں اگر پنہاں قیامت پھر کہاں ٹھہری　　سالک لکھنوی
مزے سے اپنے گھر بیٹھے ہوئے باتیں بناتے ہیں　　قیامت ان کے وعدے ہیں نہ آنے ہیں نہ جانے ہیں　　واصف
تھا اگر روزِ قیامت تو بھی ہم شاداں رہے　　وہ جو اک دن اس کے ملنے کا مقرر ہو گیا　　مصحفی
کئے جاتے ہیں وہ غصے کی باتیں　　قیامت پاؤں باندھے چپ کھڑی ہے　　صفی امروہوی
قیامت کا تلاطم ہے ہماری چشم گریاں میں　　محبت کی یہ کشتی پھنس گئی اشکوں کے طوفاں میں　　فہمی امروہوی

کاکل

تیل پیتے سانپ کو ہم نے کبھی دیکھا نہیں　　کاکلِ جاناں میں کیسے جذب روغن ہو گیا
امشب کسی کاکل کی حکایات ہے واللہ　　کیا رات ہے کیا رات ہے کیا رات ہے اللہ　　جرأت
ان کی کاکل پر مری قسمت کا سایہ پڑ گیا　　یہ اگر کاکل تو اکمل وہ بھی بل کھانے میں ہے　　راغب
پھندے بنے ہیں اک دل ناکام کے لئے　　کاکل کے پیچ بڑھ گئے ہیں دام کے لئے　　میکش

تمہارے کاکل پیچاں کا مجھ کو جب سے سودا ہے — کوئی وحشی سمجھتا ہے کوئی کہتا ہے دیوانہ — مومن

شمیم کاکل جاناں سے میں جو اونگھ گیا — تو لوگ کہنے لگے مجھ کو سانپ سونگھ گیا

جس کو تم چاہو چڑھا لو سر پر — ورنہ یوں دوش پہ کاکل ٹھہرے — حالی

کچھ واسطے ہے کاکل ورخ سے حبیب کے — اس واسطے مجھے سحر و شام ہے پسند — رضا امروہوی

کالے

صنم تیری بلا پہنے الم سے پیرہن کالے — مگر ہاں زلف کے ماروں کو زیبا ہیں کفن کالے — فیض الحسن امروہوی

الٰہی وہ بھی دن ہوگا جو فرمائیں گے بوسوں کو — زباں کالے جبیں کالے ذقن کالے دہن کالے

یہ دیکھو گردش قسمت رہے مٹی خراب اپنی — عدو کی خاک ساغر بن کے بوسہ اُس دہن کالے

خدا کے گھر میں بھی شبیر کا سامان ماتم ہے — فنا کعبے کو جب دیکھا تو پہنے پیرہن کالے — فنا بنارسی

فیشن پہ اکڑ فوں ہی چہرہ پہ سیاہی ہے — کالے ہیں بنے گورے کیا شان خدائی ہے

کام

زہر غم کر چکا تھا اپنا کام — تجھ سے کس نے کہا کہ ہو بدنام

کیسی ہمدردی فقط مطلب کی یاری رہ گئی — کام سے ہے کام ہر کس کو کسی سے کام ہے — اثر لکھنوی

وفا و مہر و مروت میں نام کر گزرا — کسی سے جو نہ ہوا تھا وہ کام کر گزرا — بیدل

دل جہاں آنسو بہا کر بھی بہل سکتا نہیں — اس جگہ ہنس کر بسر کرنا ہمارا کام ہے — رئیس امروہوی

خوف کھاتے ہیں بات بات کا ہم — تم کسی کام سے نہیں ڈرتے — ادیب مالیگانوی

کیا تم کو بتائیں ہجر کی شب کس ضبط سے ہم نے کام لیا — کس طرح سے روکی دل کی دھڑک کس طرح کلیجہ تھام لیا — محزون امروہوی

مصحفی ہم تو یہ سمجھے تھے کہ ہوگا کوئی زخم — تیرے دل میں تو بہت کام رفو کا نکلا — مصحفی

شہر سے ترے عام ہو رہے ہیں — مرجانے کے کام ہو رہے ہیں — انیس

جاویدؔ — دل بھر کے نہ آیا نہ اجل آئی نہ وہ آئے / سچ ہے کہ مصیبت میں کوئی کام نہ آیا

راز یزدانی — مجھ میں اور ان میں زمین و آسماں کا فرق ہے / میرا مٹنا کام ہے اُن کا مٹانا کام ہے

غالبؔ — عشق نے غالبؔ نکما کر دیا / ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

سرورؔ — دردمندی آگئی درد آشنائی آگئی / دردِ فرقت سہتے سہتے کام کا دل ہو گیا

رضیؔ — گر پڑے اشکِ ندامت آگیا رحمت کو جوش / بخشوانا حشر میں چار آنسوؤں کا کام تھا

اسیرؔ — خداوندا فلک کو کیا یہی دو کام آتے ہیں / گھٹانا وصل کی شب کا بڑھانا روزِ ہجراں کا

گوہرؔ — میں بھی حاضر ہوں مرا قاتل بھی آج اے بے نیاز / خود اسی سے کیوں نہ پوچھا جائے جس کا کام تھا

برقؔ — ڈھونڈتی تھیں اپنی آنکھیں نزع کا ہنگام تھا / تم نہ تھے سارے زمانے سے ہمیں کیا کام تھا

سعیؔ — جہاں تک امکان دسترس ہو شکستہ حالوں کے کام آؤ / کسی کا دامن پھٹا جو دیکھو لگا دو پیوند آستیں کا

میکشؔ — عشق بازی میں ہیں لاکھوں ذلتیں / کام اچھا ہے مگر اچھا نہیں

نساخؔ — ہم سامنے دشمن کے ہٹ جائیں گے آج سے / کچھ کام کریں گے بھی تو مردانہ کریں گے

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا / دیکھا اس بیماری دل نے آخر کام تمام کیا

کلیمؔ امروہوی — تو بھڑک نہ اے وحشی تجھ سے ان کو کیا مطلب / کام بَن کے پتوں کا تالیاں بجانا ہے

کانٹا

صفیؔ — کاش کانٹے بھی راہ میں ہوتے / لطف کیا دے گی آبلہ پائی

پھول تو پھول سیرِ گلشن میں / کوئی کانٹا بھی ہم کچل نہ سکے

ہم اس لئے کرتے ہیں تری غم کی پرستش / کانٹوں کے خریدار تو سارے نہیں ہوتے

روز اک تازہ تمنا دل میں پاتی ہے جگہ / اپنا دامن آپ ہی کانٹوں میں الجھاتا ہوں میں

حیاتؔ لکھنوی — میں تو پھولوں کی تمنا میں ہوں لیکن تم نے / دامنِ شوق کو کانٹوں سے بھی بھرنے نہ دیا

نہ حیاتؔ تجھے کیف و رنگ و بو کی قسم / چمن میں رہ کے یہ کانٹوں سے برہمی کیا ہے

جس وقت نگاہوں میں کلی پھول رہی ہو | کانٹا سا کوئی دل میں کھٹک جائے تو کیا ہو — نشور واحدی

فرقت سے تری تارِ نفس سینے میں میرے | کانٹا سا کھٹکتا ہے نکل جائے تو اچھا — ذوق

اصلا نہ چھپا قبح شناسوں میں ہنر ہیں | کانٹے جو ہٹائے تو گل تر نکل آیا — طپش امروہوی

چلو وادیٔ عشق میں پا برہنہ | یہ جنگل وہ ہے جس میں کانٹا نہیں ہے — نائل

وہ اپنی بزم سے اُٹھوا کے بھولے اس طرح ہم کو | کوئی کانٹا اُٹھا کر پھینک دے جس طرح گلشن سے — جدید

اُف کرکے کیوں یہ بیٹھ گیا قیس دشت میں | دیکھو تو کوئی پاؤں میں کانٹا چبھا نہ ہو — رضا

آ رہے گا دشت میں لیلیٰ ترے ناقے کے کام | ہو گیا مجنوں جو کانٹا سوکھ کر اچھا ہوا — ذوق

تم خود اک نازک کلی ہو ساری کلیاں توڑ لو | سارے کانٹوں کو مری جاگیر ہونا چاہیئے — رضا امروہوی

ذرا اے رہروِ راہ محبت دیکھ کر چلنا | کہ ہیں چاروں طرف کانٹے ہی کانٹے اس بیاباں میں — ماہی امروہوی

کج ادائی

یہ عبث کہتے ہو موقع نہ تھا اور گھات نہ تھی | مہندی پاؤں میں تھی آپ کے برسات نہ تھی
دن کو آسکتے نہ تھے آپ تو کیا رات نہ تھی | بس یہ کہیے کہ منظور ملاقات نہ تھی
کج ادائی کے سوا اور کوئی بات نہ تھی — انیس

ہم فقیروں سے کج ادائی کیا | آن بیٹھے جو تم نے پیار کیا
دیکھ تو ہم سے راست بازوں سے | تو نے آخر یہ کج ادائی کی — درد
کج ادائی یہ سب ہمیں تک تھی | اب زمانے کو انقلاب کہاں — جرأت

کعبہ

کعبے کس منہ سے جاؤ گے غالب | شرم تم کو مگر نہیں آتی — غالب
گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں | کعبے سے اِن بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

کعبہ کہ صرف شکر کا سجدہ ادا کروں — اللہ آپ آئے ہیں میرے مکان پر — امیر مینائی

امیر جاتے ہو بت خانے کی زیارت کو — پڑے جو راہ میں کعبہ سلام کر لینا — ناسخ

دل اب محوِ ترسا ہوا چاہتا ہے — یہ کعبہ کلیسا ہوا چاہتا ہے

ہم تو کعبے کی طرف حرفِ مناجات یہ ہے — کعبۂ دل میں نہاں قبلۂ حاجات رہے — جلیس [illegible]

قتلگہ کوچہ ہے اور جائے اماں ہے دربار — کربلا اس کو ہیں سمجھا اُسے کعبہ سمجھا — 〃

تم آئے دوا برو پہ نہ زلفوں کو ہولتے — شامی ہوئے کعبہ چلے آتے ہیں گھٹا سے — 〃

تیرے رُخ سے گیسوئے مشکیں کہاں اُڑ کر چلے — جانبِ محراب کعبہ اے صنم کافر چلے — امیر مینائی

دیر کی تحقیر کر اتنی نہ اے شیخِ حرم — آج کعبہ بن گیا کل تک یہی بتخانہ تھا — مرزا احسن لکھنوی

ہم بھی ضرور کعبہ کو چلتے پر اب تو شیخ — قسمت سے بتکدے ہی میں دیدار ہو گیا — قدر بلگرامی

میرے ہرجائی جو کعبے میں پکاروں تجھ کو — آئے لبیک کی آواز صنم خانے سے — رسا رامپوری

دل ہمارا موردِ جور و جفا کیوں کر ہوا — ہے یہ حیرت اپنا کعبہ کربلا کیوں کر ہوا

کوچے میں ان بتوں نے آنے دیا نہ شاید — سنتے ہیں اب رسا بھی کعبہ کو جا رہا ہے

ہزاروں انقلاب آئے خدا کا گھر ہی کہلایا — بنا ہے خانۂ کعبہ کسی کامل کے ہاتھوں سے — سائل

زائرانِ کعبہ سے اقبال یہ پوچھے کوئی — کیا حرم کا تحفہ زمزم کے سوا کچھ بھی نہیں — اقبال

پہلے تو گردن جھکائی تو نے آ کے اے برہمن — آج جو کعبہ ہے میرا وہ ترا بت خانہ تھا — واثق حیدرآبادی

کفن

بہت خوب رو ہم نے دیکھے کہ جن کا — حریرِ تن بدن تھا معطر کفن تھا — نظیر

ق

جو قبرِ کہن ان کی اکھڑی تو دیکھا — نہ تارِ کفن تھا نہ عضوِ بدن تھا

نازک طفل جو مر جائے تو اچھا ہے امیر — دیتا ماں باپ کو پڑتا ہے کفن چھوٹا سا — امیر

نازاں نہ ہو رختِ نو پہن کر غافل — اک روز یہی جسم کفن میں ہو گا — انیس

ذرا دیکھ عبرت سے سوتے ہیں غافل | مزاروں میں پہنے کفن کیسے کیسے — زند
یاں عشق اگر روز بھی بدلی پوشاک | تربت میں کفن کون بدلوائے گا — عشق
بہت نفیس کفن ہم کو دوستو دینا | لباس چاہیئے دربار یار کے قابل — ''
سنے جاتے نہ تجھ سے تم سے مرے دل آت کے شکوے | کفن میرکا و میری بے زبانی دیکھتے جاؤ — فانی
اک خوں چکاں کفن میں ہزاروں بناؤ ہیں | پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی — غالب
زندگانی پہن چکی ہے کفن | چاندنی اب بھی جگمگاتی ہے — جوش
پہنا نیا لباس تو آئی کفن کی یاد | غربت میں بھی رہی ہمیں اپنے وطن کی یاد — محزوں امروہوی
عبرت کی ہے جگہ جنھیں کل تک عروج تھا | محتاج آج حیف وہ گور و کفن کے ہیں — ریاض
وہ تیرہ بخت ہوں کہ ہوئی موت روشنی | پائی رگِ چراغ نے تارِ کفن کی لو — طپش امروہوی
سینے میں داغِ عشق علی ہیں چمن چمن | بعدِ فنا کھلے گا میانِ کفن چمن — ''
دامنِ صحرا سے اُلفت ہے تجھے جوشِ جنوں | بعدِ مُردن کیا بھلا ہو گی کفن کی احتیاج — ''

کلکتہ

تیرا اے کلکتے دنیا میں ہے شہرہ چار سو | زینتِ دریائے ہگلی ساحلِ شرقی پہ تو
روز افزوں ہے تری ارضِ جنوبی میں نمو | تاجروں سے تیری تجھ سے تاجروں کی آبرو
تیری دن دونی ترقی لائقِ تعریف ہے
لفظ کلکتہ میں کالی گھاٹ کی تحریف ہے

کون کلکتہ جو گویا عالمِ اسباب ہے | کون کلکتہ جو عشرت گاہِ شیخ و شاب ہے
کون کلکتہ ہوا جس کی ترنم خیز ہے | کون کلکتہ جو مہدِ حسنِ عشق انگیز ہے

کلکتہ کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں ق | اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے
وہ سبزہ زار ہائے مُطرا ہے کہ ہے غضب | وہ نازنیں بتانِ خود آرا کہ ہائے ہائے

کمر

موسے باریک بتاتے ہیں کمر اس گل کی
نہیں معلوم کہ اس گل کے کمر ہے کہ نہیں

صنم سنتے ہیں تیرے بھی کمر ہے
کہاں ہے کس طرف کو ہے کدھر ہے

الگزنڈر آزاد
اغیار تو رگ رگ سے ہماری ہوئے واقف
ہم وہ ہیں کہ پاتے نہیں اس بت کی کمر بھی

نہ دہن تم کو میسر نہ کمر ہے پیدا
تم سے محتاج سے پھر کیا کوئی سائل ہوگا

جو معدوم ٹھہری کمر گل رخوں کی
تو پھر قتل عاشق پہ کیا باندھتے ہیں

قوی
بندھی ہی رہتی شب و روز قتل عاشق پر
خدا کا شکر بتوں کے کمر نہیں ہوتی

میکش
عقدہ نہیں کھلتا ہے دہن کیا ہے کمر کیا
اک عمر ہوئی حل یہ معما نہیں ہوتا

نساخ
عالم پہ حالِ زار ہمارا ہے آشکار
کچھ آپ کی کمر تو نہیں جو نہاں رہے

مجروح
زلف کے بار سے کمر لچکے
کس قدر نازک اے میاں ہو تم

غالب
ہے کیا جو کس کے باندھئے میری بلا ڈرے
کیا جانتا نہیں ہوں تمہاری کمر کو میں

طپش
اس نازنیں سے اٹھ نہ سکا بار خال کا
نقطہ گراں ہوا یہ نزاکت کمر میں ہے

"
پھولوں کے ہار سے جو تمہاری کمر بندھے
ملکِ عدم میں غل ہو کہ عنقا کے پر بندھے

"
آہستہ چلئے چلتی ہے اب تیز تر ہوا
لچکا نہ دے کمر کو بتِ مو کمر ہوا

"
تجھ پہ شیدا ہوں نہ کیوں صورتِ قمری چمن
سرو سا قد ہے ترا صاعقہ طور کمر

کوچہ

قدر
تیرے کوچے میں ہیں کشتوں کے پشتے
یہی کچھ ہو گی صورت کربلا کی

وفا
ترے کوچے میں لاکھوں بیگناہ مارے گئے ظالم
جسے سمجھے تھے کعبہ کربلا کی وہ زمیں نکلی

طپش
سینکڑوں ہوں گے وہاں چاک گریباں قاصد
اس کے کوچے کا یہ ہم تجھ کو پتا دیتے ہیں

دفن ہونے کی تمنا ہیں ہزاروں مر مٹے
تیرے کوچے میں خدا معلوم کیا آرام تھا

اب خبر ہے کہ لاش اُٹھتی ہی مجبور ہوں میں
سب مجھے آپ کے کوچے سے لئے جاتے ہیں
جدید

کعبے کو جائیں دیر کو جائیں کہیں کو جائیں
ہر پھر کے جائیں گے ترے کوچے کی راہ سے
گستاخ

حسرت سے اُس کے کوچہ کو کیوں کر نہ دیکھے
اپنا بھی اس چمن میں کبھی آشیانہ تھا
شیفتہ

ملنے کی نہ ملنے کی امیدوں کو نہ پوچھو
میں تو ابھی کوچے میں گزر ڈھونڈ رہا ہوں

آفت میں غم و رنج میں مشکل میں آ گئے
ہم کیا سمجھ کے کوچۂ قاتل میں آ گئے

زخمی ہوا شہید ہوا جو گیا اُدھر
کوچہ بھی ترا اب تو درِ دانیال ہے
مصحفی

تو جو ملتا نہیں تو دل کو ترے کوچے میں
در و دیوار سے بہلاتے چلے آتے ہیں

تقصیر ہوئی معاف کیجئے
کوچے میں ذرا ٹھہر گئے ہم
جدید

آدم کا حوصلہ تھا کہ چھوڑا بہشت کو
کوچے سے تیرے عاشق شیدا نہ جائے گا
دانش

نہ مجھ سے پوچھ میں کیا چُن رہا ہوں تیرے کوچہ میں
مجھے کچھ دل کے ٹکڑے پیش کرنے ہیں شہادت میں
"

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے تھے لیکن
بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے
غالب

جو کوچۂ قاتل میں گیا پھر وہ نہ آیا
کیا جانے مزا کیا ہے کہ جینا نہیں آتا
ذوق

وہ کہتے ہیں جھروکے کے تلے کیا میرے کوچے میں
فقط عاشق نہ ٹھہرے اور سب خلق خدا ٹھہرے
رسا اکبر آبادی

ترے کوچے ہر بہانے مجھے دن سے رات کرنا
کبھی ان سے بات کرنا کبھی ان سے بات کرنا
مصحفی

کہانی

کچھ ایسی ہے دل حبیب میری کہانی
سُننے جائے گا سُنے جائیگا
رؤف

سنے گا کون کہی جائے گی یہ کس سے صفیؔ
تمہاری رام کہانی یہ زندگی بھر کی
صفی لکھنوی

جن سے برہم جوانیاں ہوں گی
وہ ہماری کہانیاں ہوں گی
رئیس

ہے فقط روداد غم اتنی دلِ ناشاد کی
زندگی میری کہانی ہے تمہاری یاد کی

پروانۂ شب جو کہتا ہے — ق وہ اور ہیں ہوتے ہیں قصّے
جو شمعِ سحر کہہ جاتی ہے — وہ میری کہانی ہوتی ہے

عالم
سناؤں تو کہانی بے ثباتیِ گلستاں کی — کسی غنچے کی لیکن آنکھ بھر آئی تو کیا ہوگا

آزاد ایم اے
عجب دکھ بھری داستاں ہے ہماری — سنو گوشِ دل سے کہانی نہیں ہے
مرا ہر شعر ہے تیرا فسانہ — مرا ہر لفظ ہے تیری کہانی

لطفی
کیا سناؤں تجھے وہ غم کی کہانی اے دوست — ڈرتے ڈرتے جسے دل میں کبھی دہراتا ہوں
دوستوں نے سُنی ہے ہنس ہنس کر — کتنی دل کش مری کہانی ہے
بہت دکھ بھری عشق کی ہے کہانی — نہ میں کہہ سکوں گا نہ تم سن سکو گے

فضل
دورِ ساغر میں کہاں یہ گردشیں — میری قسمت کی کہانی اور ہے
سب سن چکے کہانی ہم کہہ چکے کہانی — کچھ لوگ ہنس کے اُٹھے کچھ لوگ رو کے اُٹھے

غالب
کب وہ سنتا ہے کہانی میری — اور پھر وہ بھی زبانی میری

وصف
فقط ایک ہچکی میں ہی مختصر ہے — ہماری کہانی بھی سُن جائیے گا

حشر
لکھی ہیں قصۂ مجنوں میں لیلیٰ کی وفائیں بھی — یہ ٹکڑا بھی پڑھو یہ بھی تو شامل ہے کہانی میں

رؤف
کس طرح قافلہ لٹا دل کا — ایک حسرت بھری کہانی ہے

بہار
شامِ غم تھی یہ کہانی کا عجب انداز تھا — ایک تھا بیمارِ غم اور ایک چارہ ساز تھا

وجاہت
بے طرح رسوا ہوا ہوں عشق میں — دور تک میری کہانی جائے گی

فنا بنارسی
اک معمۂ حیاتِ فانی ہے — یہ حقیقت ہے یا کہانی ہے

بلقیس مرہدی
یقیں ہے نہایت قلق تم کو ہوگا — جو دل سے سنو گے کہانی ہماری

فنا بنارسی
شامِ غم طول دے رہی ہے کیوں — مختصر سی مری کہانی ہے
الٰہی یہ کیا راز ہے زندگی کا — کبھی ہے حقیقت کبھی ہے کہانی
حقیقت تمہیں زندگی کی بتائیں — کہانی کہانی کہانی کہانی

کسی قصے کے ساتھ اے داستاں گو — سنادے ان کو میری بھی کہانی — حسن
کہانی ہے ہماری چاہ کی بھی ایک دنیا میں — اگر عالم میں شہرہ ہے تمہاری شکل وصورت کا — محبوب امروہوی
مخالف ہی رہی الفت میں ہر تدبیر رماں کی — یہ اک ادنی کہانی ہے مرے حال پریشاں کی — معجز
اب اگلی داستاں سن کر وہ خود حسرت سے کہتے ہیں — بھلا دو اس کہانی کو کہ دل ہوتا ہے رنجیدہ — "
بیان حور و شراب طہور کیا زاہد — سنا کیا ہوں میں ایسی کہانیاں برسوں — عشق
کہانی اپنی طولانی وہاں فرصت بہت تھوڑی — بیاں کس کس مصیبت کا کروں گا روز محشر میں — مجروح
سنتے سنتے مرا فسانۂ غم — ان کو چڑ ہو گئی کہانی سے
قصۂ فرہاد و مجنوں اور ہے — عشق کی میرے کہانی اور ہے — دارا

گلزار

کرتی ہے رخ پہ زلف کو کب جلوہ گر ہوا — بڑھ کر گھٹا نے باندھی ہے گلزار پر ہوا — طپش امروہوی
گیسوئے یار ہوا سے سوئے رخسار چلے — سانپ لہراتے ہوئے جانب گلزار چلے — "
خط گلزار سے جس طور سفیدی ہو عیاں — اس طرح سبزۂ خط میں ہے غبار عارض — "
رات دن رہتا ہوں کوئے یار میں — آشیاں بلبل کا ہے گلزار میں — "
کچھ سبزے کے آثار ہیں چہرہ پہ تمہارے — اب پھول سے رخسار کو گلزار کہوں گا
جب تک مرے رہنے کا گلزار میں ساماں تھا — جلتے ہوئے تنکے تھے بجلی تھی گلستاں تھا — ذاخر
سیر و گلزار مبارک ہو صبا کو ہم تو — ایک پرواز نہ کی تھی کہ گرفتار ہوئے — مہر
اس مرغ ناتواں کی صیاد کچھ خبر ہے — جو چھوٹ کر قفس سے گلزار تک نہ پہنچا
تقسیم گل پہ بحث عنادل میں چھڑ گئی — گلزار لٹ رہا ہے کچھ اس کی خبر نہیں — سہیل
ہے روشنی قفس میں مگر سوجھتا نہیں — ابر سیاہ جانب گلزار دیکھ کر — ثاقب لکھنوی
ہو سکے کس سے وہاں کے غنچہ و گل کی صفت — شاخ طوبےٰ ہے ہر اک تنکا ترے گلزار کا — میکش

قیس — تیغ ان کی اور گلا میرا سلامت چاہیئے / جس جگہ چاہیں وہ صحرا ہیں وہیں گلزار ہو

مجروح — قفس میں رہے یا پھنسے دام میں / ہمیں کام کیا سیر گلزار سے

دبیر — دفن کرنا مجھ کو کوئے یار میں / قبر بلبل کی بنے گلزار میں

گلستاں

طپش امروہوی — بلبلِ زار ترا رشکِ گلستاں میں ہوں / تو ہے بلقیس پری رو تو سلیماں میں ہوں

تیرے رخسار جو دیکھے تو نہ پھر یاد رہے / شمع پروانے کو بلبل کو گلستاں اپنا

گل کر مسی کو لب پہ وہ گل رو جو ہنس پڑا / سوسن کا غنچہ کھل کے گلستاں میں رہ گیا

پرتو افگن جو ترا چہرۂ تاباں ہوتا / شجرِ طور ہر اک نخلِ گلستاں ہوتا

غالب — اک نو بہارِ ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ / چہرہ فروغِ مے سے گلستاں کئے ہوئے

میکش — شگوفے ہیں سبزہ ہے اور چاندنی ہے / گلستاں میں بس اک تمہاری کمی ہے

ثاقب — پتی پتی سے نہ خوں ابلے تو مجرم جاننا / ذبح میں ہو لوں تو پھر رنگِ گلستاں دیکھنا

م اختر — میں ہوں وہ عندلیب کہ برسوں بہار میں / رویا کریں گے اہل گلستاں مرے لئے

کشور — کانٹوں کو روح لالہ و گل جس نے دی وہی / شائستۂ بہارِ گلستاں نہیں رہا

تمہیں دیکھ کر مسکراتی ہیں کلیاں / یقیناً بہارِ گلستاں تم ہی ہو

اپنے لہو سے سینچیں گے اک اک کلی کو ہم / ویراں نہ ہونے دیں گے گلستاں کسی طرح

بشر گلاوٹھی — اجڑ گیا جو نشیمن تو کوئی رنج نہ کر / تری تباہی سے تعمیرِ گلستاں تو ہوئی

ضمیر — عرصہ ہوا وہ عارضِ رنگیں نہیں دیکھے / مدت ہوئی نظروں سے گلستاں نہیں گزرے

نہ پوچھو مجھ سے رودادِ نشیمن / تہ و بالا نظامِ گلستاں ہے

اصغر — رودادِ چمن سنتا ہوں اس طرح قفس میں / جیسے کبھی آنکھوں سے گلستاں نہیں دیکھا

فہمی — گرفتار بلا ہو کر گلوں سے کہہ گئی بلبل / چلے ہم تو مبارک ہو تمہیں رہنا گلستاں میں

شاخ پہ بیٹھے جل اُٹھی جو پھول چُنا وہ سوکھ گیا — تقدیر میں تو وہ ویرانہ تھا ہم سیرِ گلستاں کیا کرتے

بہار تیرے لئے وقفِ آرزو ہو جائے — وہ پھول بن کہ گلستاں میں تو ہی تو ہو جائے — سیمابؔ

ہوا میں خونِ بلبل کی حرارت بڑھتی جاتی ہے — بس اے صیاد بس اب آگ برسے گی گلستاں پر — سراج لکھنویؔ

جُھکا لیتے ہیں سر ہر زخم خنداں دیکھ لیتے ہیں — بہار آئے نہ آئے ہم گلستاں دیکھ لیتے ہیں — فنا بنارسیؔ

ہمیں کو ہائے نکالا گلستاں سے — ہمیں کو تھی یہ تمنا بہار آجائے

ہائے پھر چھیڑ دیا ذکرِ گلستاں تو نے — خشک آنسو نہ ہوئے تھے مرے صیاد ابھی

جادو یہ ان کی چشمِ بہار آفریں کا تھا — جس سمت کی نگاہ گلستاں بنا دیا — جوہرؔ بہرائچی

کہاں میں اور کہاں کنجِ قفس اس کی خبر کیا تھی — گلستاں بھر کا مالک اس طرح بے دست و پا ہوگا — شفیقؔ

کیوں ہوئیں گل سے بلبلیں بیزار — کہیں آ نکلے وہ گلستاں میں — مجروحؔ

ہوا تک بھی نہیں آئی قفس میں — خبر ہم کس سے پوچھیں گلستاں کی

گلستاں میں جاکر ہر اک گل کو دیکھا — نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بو ہے — شفیقؔ

عارضِ نازک پہ ان کے رنگ سا کچھ آگیا — ان گلوں کو چھیڑ کے ہم نے گلستاں کر دیا

گلشن

نہ جانے نیک ہوں یا بد ہوں پر صحبت مخالف ہے — جو گل ہوں تو ہوں گلخن میں جو خس ہوں تو ہوں گلشن میں — آرزوؔ

اسیرِ رنگ و بو ہم کو بنا کر صحنِ گلشن میں — ہمارے بال و پر سے کھیلتا ہے باغباں اب تک — ذکیؔ

باغ میں ہے اک گل و بلبل کی کیا بگڑی ہوئی — آج کل ہے سارے گلشن کی ہوا بگڑی ہوئی — کیفیؔ

چمن کا لطف کھوتا ہے چمن کا اجنبی ہونا — خزاں بھی اپنے گلشن کی بھلی معلوم ہوتی ہے — شفیقؔ

اس طرف ماتمِ پامالیٔ صحنِ گلشن — اور ادھر جشنِ بہاراں ہے خدا خیر کرے — محسنؔ

گلشن پرست ہوں مجھے گل ہی نہیں عزیز — کانٹوں سے بھی نباہ کئے جا رہا ہوں میں — جگرؔ

زمانہ کہہ رہا ہے تم نے گلشن ہی لٹا ڈالا — مروت بر طرف لو آج ایسا ہم بھی کہتے ہیں

بازی لگا کے جان کی گلشن بچائیے
اب وقت یہ نہیں ہے نشیمن بچائیے

اثر: ہم سوچ رہے تھے کہ شعلے بھڑک اُٹھے
ق گلشن بچائیے کہ نشیمن بچائیے

کلیم: ہر ایک پھول ہے گلشن میں شعر کی صورت
چمن نے لوٹ لیں رنگینیاں خیالوں کی

گلہ

داغ: ادا سے دیکھ لو جاتا رہے گلہ دل کا
بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

فنا: یوں تو ہونے کو کیا نہیں ہوتا
مجھ سے اُن کا گلہ نہیں ہوتا

درد: ممنون کرم بھی یوں رہے ہیں
جیسے ہمیں اُن سے کچھ گلے ہیں

ہر کام اضطراب میں اُلٹا سا ہو گیا
سچا گلہ بھی شکوۂ بے جا سا ہو گیا

شاد: ہونے کو مئے افراط سے تھی تھا فیض بھی جامِ ساقی کا
خیر اس کا گلہ اب کس سے کریں محروم چلے بتخانے سے

مشتاق: دل سے اُٹھتا ہے دھواں اور جلد کچھ بھی نہیں
پھول ہنستے رہیں شبنم کو گلہ کچھ بھی نہیں

غالب: جب توقع ہی اُٹھ گئی غالب
کیا کسی کا گلہ کرے کوئی

مؤلف: رہوں خاموش تو بے درد خفا ہوتا ہے
اور کچھ بولوں اگر میں تو گلہ ہوتا ہے

میر: شکر اس کی جفا کا ہو نہ سکا
دل سے اپنے ہمیں گلہ یہ ہے

شاہین بیگم: حال یہ ہے کہ مجھے خود نہ رہی یاد اپنی
پھر گلہ کیا ہے اگر بھول گئے تم مجھ کو

آپ کی شان میں میں کچھ نہیں کہتی لیکن
بے وفاؤں کا زمانے میں گلہ ہوتا ہے

جوش ملسیانی: اے جوش گلہ اُن کی جفاؤں کا نہیں ہے
دشمن ہیں مری جان کی میری ہی وفائیں

آتش: دوستوں سے اس قدر صدمے اُٹھائے جان پر
دل سے دشمن کی عداوت کا گلہ جاتا رہا

یوسف: گئے وہ دن کہ شکوے تھے جہاں کے
اب اپنا ہی گلہ ہے اور میں ہوں

سہیل: باقی نہ رہا کوئی گلہ وقت واپسیں
کیا کہہ گئے وہ اک نگہ شرمسار میں

اقبال: مجھ کو پیدا کر کے اپنا نکتہ چیں پیدا کیا
نقش ہوں اپنے مصور سے گلہ رکھتا ہوں میں

لے کے بیٹھے شکایتیں میری ۔۔۔ فتنۂ محشر میں بھی گلہ نہ ہوا ۔۔۔ مسکین

دنیا سے رسم و راہِ وفا اُٹھ گئی ذکی ۔۔۔ نا فہم ہے جو کوئی کسی کا گلہ کرے ۔۔۔ ذکی

او وفا نا آشنا کب تک سنوں تیرا گلہ ۔۔۔ بے وفا کہتے ہیں تجھ کو اور شرماتا ہوں میں ۔۔۔ آغا حشر

گلی

یوں اُٹھے آہ اس گلی سے ہم ۔۔۔ جیسے کوئی جہاں سے اُٹھتا ہے ۔۔۔ میر

ق

جھڑکی تو مدتوں سے مساوات ہو گئی ۔۔۔ گالی کبھی نہ دی تھی سو اب بات ہو گئی

باقی ہے بار کھانی تو سن لو گے ایک دن ۔۔۔ اس کی گلی میں اپنی یہ اوقات ہو گئی

بے جرم و بے گناہ نہ عاشق کو قتل کر ۔۔۔ کعبہ تری گلی ہے کہیں کربلا نہ ہو

ظالم تری گلی بھی بلاؤں سے کم نہیں ۔۔۔ جس جا پہ جا کے دیکھو مزارِ شہید ہیں

ہاں وہ نہیں خدا پرست جاؤ وہ بے وفا سہی ۔۔۔ جس کو ہو دین و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں ۔۔۔ غالب

عاشق کو کیا کسی کے اچھے بُرے سے مطلب ۔۔۔ جینا تری گلی میں مرنا تری گلی میں

تم اپنے ہر در و دیوار کو غمناک پاؤ گے ۔۔۔ ہمارے بعد جب سنسان پاؤ گے گلی اپنی ۔۔۔ شفیق

کہیں ان کی گلی کے رہنے والے ہم کو مل جائے ۔۔۔ کچھ ان کی داستاں سنئے کچھ اپنا حال کہلائے ۔۔۔ "

جب نسیم سحری آتی ہے ۔۔۔ ہم کو یاد ایک گلی آتی ہے ۔۔۔ جون ایلیا

گناہ

سب پھول ترے باغ میں اک خار ہمیں تھے ۔۔۔ تقصیر کسی کی ہو گناہ گار ہمیں تھے

خود مرنے لگا تم پہ یہ جو چاہو سزا دو ۔۔۔ ہے دل کی خطا اس کو گناہ گار کہوں گا

تم جانو تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو ۔۔۔ ہم کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو ۔۔۔ غالب

توبہ کل جس گناہ سے کی تھی
آج پھر وہ گناہ کرتا ہوں — انق

نہ رہی جب گناہ کی طاقت
عہدِ ترکِ گناہ کرتا ہوں — "

خدا گواہ بتوں کا گناہ گار ہوں میں
خدا کا شکر خدا کا گنہ گار نہیں — باسط

وہ کرشمے شانِ رحمت کے دکھائے روزِ حشر
چیخ اٹھا ہر بیگناہ میں بھی گناہگاروں میں ہوں — امیر

ہزاروں ثوابوں سے بہتر ہے مائل
گنہ وہ گنہ جس کی تم نے سزا دی — مائل

چاہا تمہیں خطا ہوئی فرمائیے معاف
ہوتا ہے آدمی ہی سے آخر گناہ بھی — حیرت

جذبۂ عشق اک گناہ سہی
آپ کے حسن کی بدولت ہے — زیبا ردولوی

اس نے کیا سنگسار یہاں دل مچل گیا
میں توبہ کرکے اور گناہ گار ہو گیا — گنیشی لال آبدل

شمار ہی نہیں اپنے گناہِ بے حد کا
حساب لے گا قیامت میں کوئی کیا ہم سے — نساخ

محفل میں بیٹھنے کی اجازت نہیں مجھے
جھکے کھڑے ہوتے ہیں گناہ گار کی طرح — جاوید

نہ بند کفن وا کرو ہم نشینو
گناہ گار ہوں منہ چھپائے ہوئے ہوں — عشق

فرشتو ڈال دو فردِ عمل جہنم میں
مرے گناہ کا تم سے حساب کیا ہوگا — تحسین

گھٹا

دیں گے نہ اس کے کاکل مشکیں سے ہم مثال
آئی ہے جھوم جھوم کے کالی گھٹا عبث — طپش

ہوتی ہے بعد رنج کے راحت بھی خلق میں
تو ابر غم کو دیکھ کر اے دل گھٹا عبث

ان کو رخصت ہوئے زمانہ ہوا
اب گھٹا کس لئے برستی ہے

گھٹا اٹھی ہے کالی اور کالی ہوتی جاتی ہے
صراحی جو بھری جاتی ہے خالی ہوتی جاتی ہے

آئے مے خانے میں جب جامع سے ریاض
ساتھ ہی آپ کے قبلے سے گھٹا بھی آئی — ریاض

جب نشیمن جل چکا تب آئی گلشن میں گھٹا
پانی کے چھینٹے جگر پر پڑ رہے ہیں تیر سے — عصمت

میں روتا ہوں ذرا تو مسکرا دے
برستی ہے گھٹا بجلی گرا دے — مدعا

ضبطِ دل کا یہ تقاضا کہ نہ نکلے کوئی اشک
چشمِ تر کی یہ تمنا کہ گھٹا بن جاؤں — نوح ناروی

جاتے ہیں مے کدہ گھر سے تے کش
چرخ پر جب کہ گھٹا دیکھتے ہیں — میکش

گھر میں بیٹھا ہوا کیا کرتا ہے میخانہ چلے
کہہ دو مے کش سے کہ گھنگور گھٹا چھائی ہے — رر

مے کدے والوں سے پوچھے کوئی دل پر کیا بنی
جھوم کر خالی گھٹا آنے کو آئی بھرے بعد — شفیق جونپوری

نہیں اب قیدِ موسم کیا کہ جب چاہوں گھٹا آئے
اشاروں پر مرے چلنے لگا ابرِ بہار اب تو — رر

قفس میں دور گل سے باغ میں ساون کی دھوم
دیکھ کر کالی گھٹا زنداں میں بھر آتا ہے دل

افشاں ہے تری زلف پہ حیران ہوں میں لیکن
یہ پھول ہیں سنبل میں کہ تاروں میں گھٹا ہے — طپش امروہوی

آنکھوں کو جو ہے انس تری زلفِ دوتا سے
یہ دیدۂ تر رونے میں بڑھ کر ہیں گھٹا سے — رر

گھر

مری دیوانگی کے راز کیا سمجھے کوئی فہمی
کبھی گھر میں بیاباں ہے کبھی گھر ہے بیاباں میں — فہمی

رحمت حق برستی ہے مے کش
جب سے گھر میں شراب خانہ ہوا — میکش

سینکڑوں دل کے گھر بنے ہیں اپنے اک دل میں مگر
حیف کی جا ہے جو اک دل میں بھی اپنا گھر نہ ہو — مشتاق

وہاں کی صبح بھی روشن وہاں کی شام بھی روشن
شفیق اس گھر کا کیا کہنا جہاں وہ مہماں ہو گئے — شفیق جونپوری

دوزخ بھی یہی ہے ہمیں جنت بھی یہی ہے
جھگڑے سے جو ہو پاک تو کیا بات ہے گھر کی — حامد

رحمتِ دیر و کلیسا و حرم ختم ہوئی
ہر طرف راہ میں پہلے ترا گھر آتا ہے — عرش

ہم دیر و حرم بھی دیکھ چکے گلزار بھی دیکھا صحرا بھی
ہوتے ہو جہاں تم جلوہ فگن فردوس وہ گھر ہو جاتا ہے

نہ آواز دو میری عمر رواں کو
کوئی اور گھر ڈھونڈنے جا رہی ہے

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے
دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا — غالب

ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

ہے خبر گرم ان کے آنے کی
آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا — رر

″ وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

″ اُگ رہا ہے در و دیوار پہ سبزہ غالب
ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے

میر — عشق کا گھر ہے میر سے آباد
ایسے پھر خانماں خراب کہاں

مومن — مومن سوئے شرق اس بتِ کافر کا تو گھر ہے
ہم سجدہ کدھر کرتے ہیں اور کعبہ کدھر ہے

راز — وہیں گلوں کا رونا چھوڑ کر میں بیٹھ جاؤں گا
مرے رونے پہ ہنسنے کی صدا آئے گی جس گھر سے

صفدر — سب دفن کر کے گورِ غریباں سے پھر گئے
تاریک گھر تھا جس میں اکیلے ہمیں رہے

″ بے چین کر رہا ہے کیا کیا دل و جگر کو
ہر دم کسی کا کہنا جاتے ہیں ہم تو گھر کو

میر انیس — نہ غم دوست کا ہے نہ دشمن کا کھٹکا
نہیں کوئی گھر قبر کے گھر سے بہتر

آوارگانِ کوئے محبت کو گھر کہاں
شب ہو گئی جہاں وہیں بستر جما لیا

اقبال — بہلا نہ دل نہ تیرگیٔ شامِ غم گئی
یہ جانتا تو آگ لگاتا نہ گھر کو میں

قید میں آیا تو حاصل مجھ کو آزادی ہوئی
دل کے لٹ جانے سے میرے گھر کی آبادی ہوئی

عیاں — دل کا کیا ذکر اب الفت میں جگر جلتا ہے
جو نہ جلتا تھا کبھی آج وہ گھر جلتا ہے

″ خانہ بربادیاں میری نہیں محتاجِ بیاں
برق گرتی ہے کہیں اور مرا گھر جلتا ہے

نشتی — دل ہے مردہ خلد میں جانے سے کیا ہو جائیگا
ہم جہاں جائینگے وہ گھر ماتم سرا ہو جائیگا

آثم — قفس میں بند ہیں ہم۔ ہم پہ آب و دانہ بند
یہ گھر ترا ہے کہ صحرائے کربلا صیاد

بیخود — الفت اسے کہتے ہیں یہ جذبِ محبت ہے
بے آئے مرے گھر میں تو رہ نہ سکا دیکھا

مدعا — وہ نکلے ہیں عدو کی جستجو میں
کوئی کاش ان کو گھر میرا بتا دے

دلگیر — دل کو برباد کرو شوق سے میرے لیکن
سوچ لو پہلے کہ گھر ہوتا ہے ویراں کس کا

مائل — ساقی بھی ہے شراب بھی شیشے بھی جام بھی
گھر میں خدا کے وہ نہیں جو میرے گھر میں ہے

حفیظ — بے تکلف دشمنوں کے گھر وہ جاتے ہیں حفیظ
اک تکلف ہے تو ان کو میرے گھر آنے میں ہے

میر درد — بستے ہیں ترے سائے میں سب شیخ و برہمن
آباد ہے تجھ سے ہی تو گھر دیر و حرم کا

دوستو دیکھا تماشہ یاں کا بس — تم رہو اب ہم تو اپنے گھر چلے — درد

بے در و دیوار سا اک گھر بنانا چاہیئے — کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو — غالب

اس حور وش کا گھر مجھے جنت سے ہے سوا — لیکن رقیب ہو تو جہنم سے کم نہیں — ذوق

اور ہی کچھ گھر کا نقشہ ہو گیا — خود میں حیراں ہوں کہ یہ کیا ہو گیا — منتظر

گہر

خیالِ خام ہے اپنے سے منتفع ہونا — صدف کے کام کسی دن گہر نہیں آتا — تسلیم

بن جائیں جو میرے شبِ تاریک کے تارے — اے دیدۂ تر ایسے گہر ڈھونڈھ رہا ہوں — اقبال مظفرپوری

اپنے ہی غم ہیں جو برسے وہ ہے آنسو لیکن — غیر کے درد میں ٹپکے تو گہر ہوتا ہے

آبرو اہلِ قناعت کی نہ مٹتے دیکھی — کانِ ہمت میں یہ نایاب گہر رہتا ہے — عشق

ہوئے تو ہیں وہ مقابل ہیں اس کے دنداں کے — خدا رکھے دُر و گوہر کی آبرو باقی — مجروح

بنے جاتے ہیں گوہر مے کے قطرے گر کے ہاتھوں سے — تری چشمِ عنایت کا عجب انداز ہے ساقی — کلیم

دنداں کی ترے چاہ جو اے سیم بر نہ ہو — ہرگز صدف میں قطرۂ نیساں گہر نہ ہو — طپش امروہوی

کھاتے نہیں ہو پان مری جان وجہ کیا — مثلِ عقیق لال یہ سلکِ گہر نہ ہو — ،،

گھڑی

عاشق کی بھی کٹتی ہیں کیا خوب طرح راتیں — دو چار گھڑی رونا دو چار گھڑی باتیں — سودا

مرا دل جیب میں رکھ کر یہ بولے — نئے فیشن کی یہ جیبی گھڑی ہے

ذرا سی دیر بھی ہو جائے تو کیا ہو گا — گھڑی گھڑی نہ اٹھاؤ نظر گھڑی کی طرف — اکبر

ہوئے آپ رخصت مگر مجھ کو یاد — قیامت کی وہ اِک گھڑی رہ گئی — دلگیر

وہ اب آتے بھی تو کیا بے نظیر — گھڑی دو گھڑی کے ہیں مہماں ہم — بے نظیر

محمد حسین
ہر گھڑی منقلب زمانہ ہے
یہی دنیا کا کارخانہ ہے

نساخ
کیوں دیکھتے ہیں جانب پہلو وہ ہر گھڑی
نساخ دل مرا اگر اُن کے ہی پاس ہے

شفیق جونپوری
برسوں ہوئے رخصت کی گھڑی کو مگر اب تک
دن کا وہی عالم ہے وہی رات کا عالم

گیسو

فیض الحسن
پیچ کرتے نہ کبھی بال برابر گیسو
تم نے خود سر پہ چڑھا کر کیا ہمسر گیسو

״
کیا اندھیرا ہے کہ دیدار خدا کا ہے محال
کون کھولے ہوئے آیا سر محشر گیسو

بے سبب ہم سے پھرے ہیں تو بلا سے پھر جائیں
توبہ توبہ نہ خدا ہیں نہ پیمبر گیسو

آتش
گیسوئے پُرخم رُخِ دلدار پہ آنے لگے
چشمۂ خورشید پہ بھی سانپ لہرانے لگے

نساخ
رُخ پہ آکر ترے سیہ گیسو
منظرِ شامِ غم دکھاتے ہیں

شاید دلِ عشاق سے پھر پیچ کرینگے
گیسو ترے رخسار پہ بل کھائے ہوئے ہیں

״
ایک سے ایک مری جاں کو یہ سب آفت ہیں
خال سے خط ہے سوا خط سے ہیں بڑھ کر گیسو

״
پوچھو گیسو سے پریشانی مری
آئینہ میں دیکھو حیرانی مری

تپش امروہوی
پڑا جو سایۂ گیسو جھجک کے ساقی نے
زمیں پہ رکھ دیا ساغر کہ ہے شراب میں سانپ

جدید
غیر نے اس شوخ کے گیسو سنوارے رات کو
سانپ لوٹے تا سحر دل پر ہمارے رات کو

جاوید
چھینتے ہو اس سے اے جاوید لطفِ زندگی
جس کے شانے پر نہ بکھرے ہوں کبھی گیسوئے دوست

رئیس
کون لے سر پہ عذاب برہمیٔ کائنات
اب نہ چھیڑینگے تجھے اے گیسوئے جانانہ ہم

مجروح
مزاجِ گیسوئے پُرخم ہے برہم
جو آپ ہی آپ بل کھائے ہوئے ہیں

تپش امروہوی
گیسو ہیں آس پاس لبِ بے مثال کے
کالوں کا اژدہام ہے نزدیک لال کے

مؤلف
تاریکیٔ قسمت ہے تربت کا اندھیرا ہے
گیسو کا تصور ہے اور آپ کا دیوانہ

رعنا
گیسو بکھر بکھر کر آنکھوں پہ آرہے ہیں
ایک اور کفر پرور دنیا بنا رہے ہیں

چوری کہیں کھلے نہ نسیم بہار کی — خوشبو اُڑا کے لائی ہو گیسوئے یار کی — آغا حشر
گلشن سے کوئی یاد ہیں لے آئی کھینچ کر — باد صبا کو گیسوئے جاناں کی آرزو — کلیم اُترہوی
یاد گیسو میں سوئے کعبہ تو جاتا ہوں مگر — چاک کرنا نہ پڑے جامۂ احرام کہیں — طپش امروہوی

لاش

ہجوم عاشقاں ہوگا در جاناں پہ ماتم کا — ہماری لاش جس دم کوچۂ قاتل سے نکلیگی
وہ کھڑے کہتے ہیں میری لاش پر — ہم تو سنتے تھے کہ نیند آتی نہیں
وہ آئے ہیں پشیماں لاش پر اب — تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے — مومن
کیا داد مرگ ہے کہ کہیں غیر سے حضور — اِک لاش ہے پڑی پسِ دیوار دیکھنا — اثر عظیم آبادی
لاش پر عبرت یہ کہتی تھی امیر — آئے تھے دنیا میں اس دن کیلئے — امیر
برپا تھا دل کی لاش پہ اک محشر سکوت — تیرے شہیدِ ناز کا ماتم خموش تھا — فانی
خوشی نہ ہو مجھے کیوں کر قضا کے آنے کی — خبر ہے لاش پہ اس بے وفا کے آنے کی — مومن
وہ اُٹھا شورِ ماتم آخری دیدار میت ہے — اب اُٹھا چاہتی ہے لاشِ فانی دیکھتے جاؤ — فانی
اُٹھ رہی تھی لاش میری ہر طرف کہرام تھا — ایسے عالم میں بھی ہنس دینا تمہارا کام تھا — انشاط
یارب عیاں کی خیر دھڑکتا ہے دل مرا — اک لاش آج شہر میں تشہیر ہو گئی — اعیاں
خونِ ناحق کہیں چھپتا ہے چھپائے سے امیر — کیوں مری لاش پہ بیٹھے ہیں وہ دامن ڈالے — امیر مینائی
اجل سے خوش ہوں کسی طرح ہو وصال تو ہے — نہ آئے لاش پہ وہ پر یہ احتمال تو ہے — مومن
دیکھ لیجئے چل کے اپنے چاہنے والے کی لاش — آپ فرماتے تھے ایسے کو قضا آتی نہیں — قیصر دہلوی
یہ لاش بے کفن اسدِ خستہ جاں کی ہے — حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا — غالب
وہ رو کر کہہ رہے ہیں کس ادا سے لاشِ عاشق پر — مرے ناشاد دل میں لے چلا تو آرزو کیا کیا — امیکش
ذرا تم دیکھنا چلمن اُٹھا کر — یہ جاتی لاش ہے کس نوجواں کی — مجروح

(اکبر) مجھے کیا جو ابرِ رحمت سرِ کوہسار برسا — مری لاش بے کفن پر کوئی اشکبار ہوتا

(جگر) ماتم گسار کون ہے اب دل کی لاش پر — کہتے نہ تھے کہ خون تمنّا نہ کیجئے

(؎) بے پردہ جس کو صحن میں دیکھا نہ تھا کبھی — لاش اس کی جاتی ہے سرِ بازار ہائے ہائے

لب

(میر) نازکی اُس کے لب کی کیا کہیئے — پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

(سعیدی) شکوے ہیں اُن سے نہ اب گلے ہیں — برسوں سے ہمارے لب سلے ہیں

(درد) درد کا عالم دل سے پوچھو — لب بیچارے ہیں مجبور

(سردار جلیل) گئے تھے عرضِ تمنّا کا حوصلہ لے کر — جب ان کے سامنے پہنچے تو لب ہلا نہ سکے

(احسان امروہوی) یہ کیا کہ آپ نے لب ہی دیئے غریبوں کے — جو رُک سکے تو زباں روک دیئے زمانے کی

(ماہر القادری) اِن لبوں کی ہنسی کو کیا کہیئے — پھول کی پنکھڑی کو کیا کہیئے

(رؤف) پیچھے تو ہو رہی تھیں ہزاروں شکایتیں — وہ آگئے تو لب بھی ہلایا نہ جا سکا

(جرأت) دشنام کا پایا جو مزا اس کے لبوں سے — صلوات ہے صلوات ہے صلوات ہے واللہ

(سودا) زاہد اگر تو صلاحِ نیک ان دونوں میں کیا — جام کا بوسہ لیں یا چومیں لبِ جاناں نہ ہم

(امیر) رہے تصویرِ حیرانی ہم ان کے روبرو برسوں — لبِ خاموش سے کی دردِ دل کی گفتگو برسوں

(ذوق) کس مرض کی ہیں دوا یہ لبِ جاں بخش ترے — جاں بلب ہیں ترے آزارِ محبت والے

(مجروح) کام آئی شکر لبی اُن کی — جب مرا لب ملا جدا نہ ہوا

(؎) کیوں پاس مرے آکر یوں بیٹھے ہو منہ پھیرے — کیا لب ترے مصری ہیں ہیں جن کو چبا جاتا

(؎) جان لینے میں نہیں ہیں ملک الموت سے کم — ہاں وہی لب کہ جنھیں روح فزا کہتے ہیں

(غالب) لعل کو اس کے لب سے کیا نسبت — یہ بھی اک بات ہے سنا کیجئے

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب — گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا

رواں فزائے سحر حلالِ مومن سے	رہا نہ معجزہ باقی لبِ بتاں کے لئے	مومن
نہ معلوم کیا واقعہ پیش آئے	لحد پر نہ تکلیف فرمایئے گا	رؤف
تمہیں لحد میں اتارو تمہیں پڑھو تلقیں	کہیں تو صحبت راز و نیاز ہو جائے	اُنس
بہانے سے آئے تھے وہ فاتحہ کے	چراغ لحد گل کئے جا رہے ہیں	
لحد پہ آنے میں اب کونسا تکلف ہے	بشر کبھی تھا مگر اب تو راستہ ہوں میں	
ہنسی میں جو ٹھکرا دو خواہش کو میری	گلے سے لحد کو لگانا پڑیگا	گرامی
پاکر لحدِ ذاکر تم فاتحہ پڑھ دینے	زندہ تھا تو مومن تھا اور مردِ مسلماں تھا	ذاکر
سرِ گورِ غریباں پڑھ رہا ہے فاتحہ کوئی	لحد کے سونے والے آج پھر کروٹ بدلتے ہیں	مؤلف
چھیڑ دیکھو آن کر میری لحد پر یہ کہا	تم وفاداروں میں ہو یا میں وفاداروں میں ہوں	امیر
ہنس ہنس کے پھول توڑ رہے ہیں وہ باغ میں	میری لحد کے واسطے چادر بنائیں گے	تعشق
سلوک زیست میں یہ ہیں تو کہئے کس سے کہیں	کہ شمع لاکے لحد پر مری جلاد بنا	حامد
لے لے گئے سمجھ کے تبرک لحد کی خاک	اعمال نیک نے مری مٹی خراب کی	کامل لکھنوی
نشانِ لحد وہ مٹا کر چلے	لو آنے کا وعدہ وفا کر چلے	کمال امروہوی
لحد میں کیوں نہ جاؤں منہ چھپائے	بھری محفل سے اُٹھوایا گیا ہوں	شاد
بولے میری لحد کو ٹھکرا کر	نام بدنام کر گیا میرا	قابل
مزار پر بھی نہ آئے وہ فاتحہ پڑھنے	لحد میں ہم نے قیامت کا انتظار کیا	یکتا امروہوی
لحد کو چاہیئے یوں پیرِ پشتِ خم دیکھے	سرا کو جیسے تھکا اونٹ دم بدم دیکھے	ذوق
ایک دن عاشقِ مسکیں کی لحد پر آتے	ہائے اتنا بھی تو تم سے نہ ہوا میرے بعد	سیکش
لحد میں آنکھ کھولی ہے مگر پھر بند کرتا ہوں	یہاں بھی تیرگی شاید سمٹ آئی مرے گھر کی	جاوید
ملی نہ ایک لحد کی جگہ ہمیں پس مرگ	تمام عمر بسر کی حضور کے در پر	جدید
یہ لحد میں بوئے مے تھی کہ نہ آسکے فرشتے	میں عذاب میں پھنسا تھا جو نہ بادہ خوار ہوتا	ریاض

لڑکے

زینبؓ کے جو قتل گہہ میں آئے لڑکے | چھوٹے تھے بڑا کام کیا پر لڑکے
تھے بحرِ شجاعت کے شناور دونوں | گوہر تھے نبی کے موتیوں کے لڑکے

اکبر
ہم ایسی کل کتابیں قابلِ ضبطی سمجھتے ہیں | کہ جن کو پڑھ کے لڑکے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں
جوانی کی دعا لڑکوں کو ناحق لوگ دیتے ہیں | یہی لڑکے مٹاتے ہیں جوانی کو جواں ہو کر

لکھنؤ

بسمل
کیا تباہ تو دہلی نے بھی بہت بسمل | مگر خدا کی قسم لکھنؤ نے لوٹ لیا

اختر ایم اے
وہ اپنی آبادی میں عقدِ ثریا کا سماں | رشک کرتا ہے زمیں پر آسمانِ لکھنؤ

امیر
نہ ہوں گی اے امیر ایسی ادائیں حور و غلماں میں | رہے گا یاد جنت میں بھی ہم کو لکھنؤ برسوں

غالب
لکھنؤ آنے کا باعث نہیں کھلتا غالب | ہوسِ سیر و تماشہ سو وہ کم ہے ہم کو

تسلیم
میں ہوں اے تسلیم شاگردِ نسیم دہلوی | مجھ کو طرزِ شاعرانِ لکھنؤ سے کیا غرض

لہو

صفی
جن میں کبھی بندھے تھے سودائیانِ اُلفت | اب تک نشاں لہو کے اُس رسیاں میں ہیں
یہی زمیں پہ جو میرا لہو تو غم مت کر | اسی زمیں سے مہکتے گلاب پیدا کر

غالب
رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل | جب آنکھ سے ہی نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

اقبال
بھر آئے پھول کے آنسو پیامِ شبنم سے | کلی کا ننھا سا دل لہو ہوا غم سے

بینظیر
کئے خون اتنے کہ خنجر تو خنجر | لہو سے ہے رنگین دستہ کسی کا
چھپائے سے چھپے گا خونِ ناحق کس طرح قاتل | گواہی حشر میں دیگا لہو دستِ حنائی کا

قریب ہے یار روزِ محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستین کا

راہِ وفا میں گر گئی تھی جو لہو کی بوند
اک شمع ہر قدم پہ جلاتی چلی گئی

ہاں یہی بوند لہو کی جسے دل کہتے ہیں
ایک دن آنکھوں سے بہہ جائیگی دریا ہو کر

شفق بن کے گردوں پہ ہوتا ہے ظاہر
یہ کس کشتۂ بے گناہ کا لہو ہے

فلک کو رحم مری بے کسی پہ آ ہی گیا
شفق کو بھیج کے منگوا لیا لہو میرا

اتنا تو مے کدے میں برسا ہو گا پانی
جتنا لہو بہا ہے تفریقِ کفر و دیں سے

بڑھتا رہا بدن میں مرے دم بدم لہو
سلنے پہ تھا وہ دستِ حنائی تمام رات

سادگی میں جو مزا ہے نہیں رنگینی میں
دیکھ خود کام لہو سُرخ ہے اور شیر سفید

شفق بنتی ہے گردوں پر حنا بنتا ہے ہاتھوں میں
شہیدوں کا تمہارے رنگ لاتا ہے لہو کیا کیا

رگیں سب خون دیتی تھیں اگر اک فصد کھلتی تھی
لہو میں کس غضب کا جوش تھا عہدِ جوانی میں

کیا حالِ سوزِ عشق کہوں ہجرِ یار میں
اک آگ سی بھری ہے رگوں میں لہو نہیں

یہ ضبطِ غم تھا کہ آنسو کوئی نکل نہ سکا
لہو نے جوش تو مارا مگر ابل نہ سکا

ناسخ
یوسف
مرالید
ناصری
آصف الدولہ
محمد رضا لکھنوی
سلام سندیلوی
ناظم
ناسخ
میکش
جاوید
مشتاق
رفیق حسن

لیلےٰ

شمع محفل بن چراغِ رہگذر راصلا نہ بن
ایک مجنوں منتخب کر سب کی تو لیلیٰ نہ بن

تیز رَو ناقہ ہے مجنوں ناتواں مجبور ہے
اس پہ بی لیلیٰ کا یہ کہنا کہ دلّی دور ہے

ناقۂ لیلےٰ کی دُم کے ساتھ ہیں مجنوں میاں
دیکھتی جاتی ہیں بی لیلیٰ نگاہِ ناز سے

ایک دن دیکھی تھی اس نے وحشتِ مجنوں کی سیر
پھر تو لیلیٰ خود تماشا تھی تماشائی نہ تھی

میری بدنامی سے تم کو خوش نہ ہونا چاہیئے
قیس رسوا تھا تو کیا لیلیٰ کی رسوائی نہ تھی

وہ تم ہو جس کو سب سمجھے تھے لیلےٰ
وہ میں ہوں جس پہ مجنوں کا گماں تھا

ہزاروں منزلیں مجنوں نے طے کیں راہِ الفت کی
رہا اس پر بھی لاکھوں کوس وہ لیلیٰ کی محمل سے

ظریف
جلیل مانکپوری
ہاشم
راج ابرہوی

ثاقب لوہارو

ضرب المثل ہے لیلیٰ و مجنوں کا حسن و عشق
اس کا نہ کچھ پتہ ہے نہ اس کا نشاں ہے اب

میکش

کیا کرتے تھے ہم اس وقت دشتِ نجد کی سیر میں
نہ مجنوں تھا نہ لیلیٰ تھی نہ ناقہ تھا نہ محمل تھا

"

سوئے محمل تکتا ہے کیا قیس اپنے دل کو دیکھ
لیلےٰ کہتے ہیں جسے وہ تو اسی محمل میں ہے

ارے نادان سچا چاہنے والا نہیں ملتا
وہ لیلیٰ تھی کہ جس کو مل گیا مجنوں مقدر سے

ماہ

کرو ترکِ خلوت سرِ بام آؤ
کہ ہے منتظر ماہِ تاباں تمہارا

بام پر وہ ہیں چرخ پر مہِ عید
کس کو دیکھے کوئی بھلا کہیئے

ضیاء امروہوی

کجا نورِ احمد کجا ماہِ تاباں
یہ وہ نور ہے جس میں دھبہ نہیں ہے

لگایا جب سے دل میں نے کسی زہرہ شمائل سے
مری آنکھوں کو نفرت ہو گئی ہے ماہِ کامل سے

عطش ڈاکہ

بڑھاتا ہے فلک ادنیٰ کو اعلےٰ کو گھٹاتا ہے
ترقی ہے مہِ نو کو تنزل ماہِ کامل کو

مجبور

زہے قسمت اگر انساں یوں مجبور ہو جائے
کہ جو منظور ہو تجھ کو وہی منظور ہو جائے

فضل

تم تو ہو غم سے بہت دور تمہیں کیا معلوم
کس طرح جیتے ہیں مجبور تمہیں کیا معلوم

بزمی

عشق مجبور بنا دیتا ہے
حسن مغرور بنا دیتا ہے

گلشن

آدمی حالات سے مجبور ہے
ورنہ مرجانا کسے منظور ہے

میر

دیکے دل ہم جو ہو گئے مجبور
اس میں کیا اختیار ہے اپنا

حسرت موہانی

اس تغافل پہ بھی کرتے ہیں تجھ ہی کو یاد ہم
کتنے ہیں مجبور دیکھو او بانیٔ بیداد ہم

نہ کر مجبور تجدید وفا پر
ترے اگلے کرم ہیں یاد مجھ کو

رضا لکھنوی

اُف نہ آئے وہ مرے گھر تک کسی تدبیر سے
یہ مثل سچ ہے بشر مجبور ہے تقدیر سے

رئیس امروہوی

وہ شیوہ جبر کا بھی اختیار اب کرتے جاتے ہیں
رئیس اچھا نہیں ہے اس طرح مجبور ہو جانا

محبّت

سنتا نہیں جو تو تو کہوں کس سے مدعا
تیرے سوا کسی سے محبت نہیں مجھے
مضطر

یاد آ ہی جاتا ہے کبھی ناصح کا قول بھی
سب کیجئے جہاں میں محبت نہ کیجئے
عزیز لکھنوی

زندوں میں اب شمار نہیں حضرت عزیز
کہتے تھے آپ سے کہ محبت نہ کیجئے

ابھی کم سن ہو تم اچھے برے کی قدر کیا جانو
نکلتا ہے ہزاروں میں کوئی بندہ محبت کا
عیش لکھنوی

محبت وہی ہے محبت کہ جس میں
ہوس کا تخیّل بھی آنے نہ پائے
شاکر جبرولی

جو چیز کہ پتھر کو بھی پانی کر دے
وہ چیز محبت ہے محبت کی قسم
بیدی سحر

ہوا لازم پتنگے کا جلانا
کیا ہے اس نے اظہار محبت
مجروح

اگر پوچھے کوئی مجھ سے کہ کیوں دن رات نالاں ہے
تو میں کہہ دوں محبت سے محبت سے محبت سے
ذوق

معلوم جو ہوتا ہمیں انجام محبت
لیتے نہ کبھی بھول کے ہم نام محبت
ذوق

آزار محبت جس کو ہوا وہ بچ نہ سکا وہ جی نہ سکا
بے کار دوا بے کار دعا اللہ پر اس کو چھوڑ دیا

جہاں دیکھو محبت کی خدائی
جدھر دیکھو محبت حکمراں ہے
حافظ

سچ مچ اسی کا نام محبت نہ ہو لیکن
ملتا نہیں قرار دل و جاں ترے بغیر
ناز

محبت کی نہیں جاتی محبت ہو ہی جاتی ہے
یہ شعلہ خود بھڑکتا ہے بھڑکایا نہیں جاتا.
مخمور

محبت میں اگر مٹنے ہی سے معراج ملتی ہے
ہمیں خود کو محبت میں مٹا دینا بھی آتا ہے
عرش ملسیانی

اگرچہ محبت نے اب تک کسی کی نہ دنیا بنائی نہ دیں کو سنوارا
خدا کی قسم پھر بھی ترک محبت نہ ان کو گوارا نہ ہم کو گوارا
رئیس لکھنوی

ہم محبت سے عداوت کو مٹا ڈالیں گے
آنچ سچی ہے تو لوہے کو بھی گلنا ہوگا
شارب

کون سی اپنی محبت ہے انوکھی واقف
جس کو دیکھو وہی انگشت نما ہوتا ہے
واقف

بام پر آنے لگے وہ سامنا ہونے لگا
اب تو اظہار محبت برملا ہونے لگا
حسرت موہانی

..یوں تو سب کچھ جہاں میں فانی ہے
اک محبت کہ غیر فانی ہے
لطفی

قمر	ان کی مغموم نگاہوں سے یہ معلوم ہوا	کچھ سہی پھر بھی محبت میں اثر ہوتا ہے
	مسلسل ہم نے یہ عالم بھی دیکھا ہے محبت میں	خیالِ صبح آتا ہے نہ یادِ شام آتی ہے
	اسی کا نام ہو شاید محبت	خطا ان کی ہے ہم شرما رہے ہیں
مولف	ہے محبت کا رنگ کتنا عجیب	جیت کر کھیل ہم نے ہارا ہے
ذوق	کیا غرض لاکھ خدائی میں ہوں دولت والے	اُن کا بندہ ہوں جو بندے ہیں محبت والے
ولایت	کبھی نہ بھولے سے کی آرزو رہائی کی	اسیرِ دامِ محبت کو مرحبا کہیے
حفیظ	محبت کرو اور نبھاؤ تو جانیں	یہ دشواریاں ہیں کہ آسانیاں ہیں
جگر	محبت اثر کرتی ہے چپکے چپکے	محبت کی خاموش چنگاریاں ہیں
حیات	ترا شباب مکمل شباب ہے لیکن	مری حقیر محبت میں بھی کمی کیا ہے
جرأت	بس کہ گلچیں تھے سدا عشق کے ہم بستاں کے	ہوئے نوکر بھی تو نواب محبت خاں کے
حسن	قمارِ محبت میں بازی سدا	وہ جیتا کیا اور میں ہارا کیا
محشر امروہوی	زمانہ معترف ہے مرنے والے کی محبت کا	محبت بھی عجب شے ہے جو دفنائی نہیں جاتی
احمق	یوں جلد مجھ سے قطع محبت نہ کیجئے	دل کے معاملات میں عجلت نہ کیجئے
خادم	جو وہ لطف سے ہم کلامی کریں گے	محبت کے بندے غلامی کریں گے
	کیا آپ چاہتے ہیں مجھے تو خبر نہیں	کہتے ہیں لوگ مجھ کو محبت ہے آپ سے
خادم امروہوی	محبت کس کو کہتے ہیں رموزِ عاشقی کیا ہیں	یہ باتیں بس سمجھنے کی ہیں سمجھایا نہیں کرتے
رر	محبت میں زباں کا لفظ کچھ معنی نہیں رکھتا	یہ وہ سودا ہے جس کو کر کے پچھتایا نہیں کرتے
	تمہیں دل دے کے دشمن کر لیا سارے زمانے کو	محبت کی بنا میں ہوں عداوت کی بنا تم ہو
	مجھے ٹھکرا نہ پاؤ گے تمہیں اپنا بنا لوں گا	محبت کی شکستِ فاتحانہ لے کے آیا ہوں
	یہ تقاضائے محبت تو نہیں اے ہمنشیں	رابطِ الفت کیوں بڑھا کر مجھ سے شرماتے ہیں آپ
	یوں تو بدلے لاکھوں حسیں میری محبت کیلئے	پر تری پچھلی وفاؤں کا خیال آ جائے ہے

شایداسی کا نام محبت ہے شیفتہ
اک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی
شیفتہ

اللہ رے پابندیٔ احکام محبت
تکلیف کو سمجھا کئے آرام محبت
رر

پہلوئے یار میں بھی خوش نہیں ہونے دیگی
اتنی ظالم ہے محبت مجھے معلوم نہ تھا

صحرائے محبت میں تیغیں بھی اگر برسیں
تو پیچھے نہ قدم سرکیں اے ہمتِ مردانہ

محبت ہی اِک ایسی بازی ہے جس میں
کبھی ہم نہ جیتے کبھی تم نہ ہارے
فنا

اسے زیب دے گی محبت تمہاری
چلے سر پہ آرے مگر دَم نہ مارے
رر

مرے چشمۂ دل سے اب تو مسلسل
محبت کے دریا بہے جا رہے ہیں
صہبائی

محبت میں اے عرش رسوائی اپنی
نہیں چاہتے ہیں مگر ہو رہی ہے
عرش

سمجھ لو خود ہی مفہوم محبت
بس اب میں کیا کہوں اپنی زباں سے

لڑکھڑائے جو قدم حسن کہے بسم اللہ
پہلے پیدا تو محبت میں یہ ارکان کرو
اثر

دلوں پہ نقش محبت بٹھا تو ہے اک بات
لبوں پہ مُہر لگائی تو کیا۔ لگائے جا
صفی

انہیں جنت عطا کردو جنھیں ہے شوق جنت کا
مجھے قدموں میں رہنے دو میں بندہ ہوں محبت کا
محشر لکھنوی

اتنا ہے اب مجھے تری مرضی کا احترام
اب تو کہے تو تیری محبت بھی چھوڑ دوں
رر

محبت کو سمجھتا ہے تو ناصح خود محبت کر
کنارے سے کبھی اندازہ طوفاں نہیں ہوتا
خمار بارہ بنکوی

محبت معنی و الفاظ میں لائی نہیں جاتی
یہ وہ نازک حقیقت ہے جو سمجھائی نہیں جاتی

محبت کی نگاہوں سے کسی کو تم اگر دیکھو
تو عبرت کی نظر سے پہلے مجھ کو دیکھ کر دیکھو

محشر

محشر ابھی اس واسطے برپا نہیں ہوتا
تم نے جسے مارا ہے وہ زندہ نہیں ہوتا

محشر میں مجھے دیکھ کے اللہ کے آگے
وہ جوڑتے ہیں ہاتھ برابر سے نکل کے
ذاخر

اک عمر کا دکھ پائے سوتے ہیں فراغت سے
اے غلغلۂ محشر ہم کو نہ جگا جانا
مجروح

شفیق — پہنچے مر مر کر لحد تک پہلی منزل طے ہوئی / عرصۂ محشر کی اب باقی مسافت رہ گئی

ریاض — میں کہوں حشر ہے یہ حشر وفا ہوں ملے / وہ کہیں ہائے یہ کیسی میری رسوائی ہو

اقبال — یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے / پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

رئیس امروہوی — مجھ کو ناحق ڈرا نہ محشر سے / میں نے فرقت کی رات کاٹی ہے

مجروح — بپا محشر میں ہے اک تازہ محشر / رُخ جاناں سے پردہ اُٹھ گیا کیا

ریاض — یاں وہ لے دے ہوئی آکر کہ الٰہی توبہ / ہم تو سمجھے تھے کہ محشر میں تماشا ہوگا

محفل

حامد — کھڑا چپ دیکھتا ہوں ہر طرف اغیار بیٹھے ہیں / تری محفل میں کیا بیٹھوں کہ دل آزار بیٹھے ہیں

سحر بیدی — یہ بھی دیکھا ہے کسی نے کہ سرِ محفل شوق / شمع سے نور برستا ہے کہ پروانے سے

ذاتی علیگ — جانتا ہوں میں کہ اب تیرے مشاغل اور ہیں / رنگِ محفل اور ہے اب اہل محفل اور ہیں

عرش — اس کے آتے ہی بدل جاتی ہے محفل ایسے / جیسے محفل میں کوئی شعبدہ گر آتا ہے

اعجاز — بحال زار بیٹھے ہیں ذلیل و خوار بیٹھے ہیں / نکل کر اس کی محفل سے پسِ دیوار بیٹھے ہیں

ذاخر — اب انتہائے سوز جگر کو نہ پوچھئے / سب اُٹھ گئے ہیں آپ کی محفل میں رہ گیا

چھوڑ کر دنیا و مافیہا کو آئے ہیں یہاں / اب کہاں جائینگے اُٹھ کر آپ کی محفل سے ہم

مؤلف — محفل میں تری جب تک ہیں شمع و پروانہ / ہر روز کا قصہ ہے ہر روز کا افسانہ

آتش — آئے بھی لوگ بیٹھے بھی اُٹھ بھی کھڑے ہوئے / میں جا ہی ڈھونڈتا تری محفل میں رہ گیا

حشر — یہ دل آخر، ہجومِ آرزو ہے تم بھی آجاؤ / ہم اس کو زندگی کی آخری محفل سمجھتے ہیں

شاد — کفن میں منہ چھپائے اس لئے ہوں / بھری محفل سے اُٹھوایا گیا ہوں

اسیر — خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہِ ناز ہے کس کی / ہزاروں اُٹھ گئے لیکن وہی رونق ہے محفل کی

وفا — کس کی نگہِ ناز اُٹھی ہے سرِ محفل / ہر طالب دیدار نے دل تھام لیا ہے

مجھ ہی کو گھور کر محفل میں دیکھا — بجز میرے وہاں کوئی نہ تھا کیا
نسیم

درد مندوں سے نہ پوچھو کہ کدھر بیٹھے ہیں — تیری محفل میں غنیمت ہے جدھر بیٹھے ہیں
حامد

قدسیوں کی بزم میں چرچا شبِ معراج تھا — ہو رہی ہے عاشق و معشوق کی محفل کہاں
اقبال

تو جو محفل ہے تو ہنگامۂ محفل ہوں میں — حُسن کی برق ہے تو عشق کا حاصل ہوں میں
شبیر امروہوی

جو بے بُلوائے آتے ہیں وہ سب اُٹھوائے جاتے ہیں — جو پوچھا کس کی محفل سے تو بولے میری محفل سے
میکش

سانس تک لینے نہیں دیتا کسی کو رعبِ حُسن — بُت بنا بیٹھا ہوا ہے جو تری محفل میں ہے
جدید

غیظ بے کار ہے محفل سے چلے جائیں گے — حالِ دل آپ سے کہنے کو یہاں بیٹھ گئے

میری تنہائیوں کی محفل میں — رقص ماضی و حال ہوتا ہے

مذاق

بنے ہوئے کو مٹانا تو سہل ہے لیکن — مٹے ہوئے کو بنانا کوئی مذاق نہیں
یکتا

جہاں بھی جاؤ گے چھیڑیگی تم کو میری یاد — نگاہ پھیر کے جانا کوئی مذاق نہیں
نظیر لکھنوی

میں تم کو بھول نہیں سکتا یہ مگر سُن لو — مجھے بھی دل سے بھُلانا کوئی مذاق نہیں
〃

خودی کو دل سے مٹانا کوئی مذاق نہیں — کسی کو اپنا بنانا کوئی مذاق نہیں

یہ کیا مذاق فرشتوں کو آج سوجھا ہے — ہجوم حشر میں لے آئے ہیں بلا کے مجھے
ریاض

اک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر — ہم غریبوں کی محبت کا اڑایا ہے مذاق

مزار

اُبھرتے آئینگے اتنے ہی میرے نقشِ مزار — مٹانے والے جہاں تک مٹائے جائیں گے

اب میرے دل کے ذرّوں کی شاید تلاش ہے — مٹھی میں لے چلے ہیں وہ مٹی مزار کی

جو پڑھنے فاتحہ آؤ تو یہ پتہ لکھ لو — مٹا مٹا سا نشانِ مزار باقی ہے

عشرت
ان کی آنکھوں میں اشک بھر آئے
بیکسیٔ مزار کیا کہنا

الگزنڈر آزاد
بھولے نہیں ہیں تنگیٔ کاشانہ یاد ہے
کرتے ہیں شکر یٹ کے کنج مزار میں

غالب
ہوئے مرکے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا
نہ کہیں جنازہ اُٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

نذیر احمد
آرزوؤں کے خون ہونے سے
دل بنا ہے مزار کی صورت

مولف
یقیں ہے وہ بھی کبھی آتے فاتحہ پڑھنے
مرے مزار کا باقی اگر نشاں ہوتا

دانش
نہ زندگی کا کوئی اعتبار کرنا تھا
مکاں بنا کے خیالِ مزار کرنا تھا

داغ
ہوگا نشانِ مہر و محبت یہیں کہیں
ڈھونڈو چراغ لے کے ہمارے مزار کا

سالک
یقین نہ ہو جسے وہ آکے دیکھ لے سالک
یہ ایک نقشِ وفا ہے مرا مزار نہیں

ذاخر
میرے کریم ڈھانک لے ٹوٹی ہوئی لحد
دنیا پہ کُھل چکی ہے حقیقت مزار کی

یاس عظیم آبادی
باقی نہیں چراغ تک سبزہ و گل کا ذکر کیا
روتی ہے بے کسی مری میرا مزار دیکھ کر

بیخود
ابھی نہ آنکھ لگی تھی کہ شورِ حشر اُٹھا
یہ کون چین سے سویا ہوا مزار میں ہے

فایق دہلوی
آئے ہیں سوئے گورِ غریباں جو آج وہ
روشن شعاعِ حسن سے اک اک مزار ہے

"
مستِ خرامِ ناز اُدھر بھی ہو اک نظر
محروم فاتحہ سے ہمارا مزار ہے

دلشاد
ڈالی محبتوں نے اپنی عمارت کی کل بنا
تعمیر ان کے ہوتے ہیں دیکھو مزار آج

میکش
محبت دل میں کچھ ہوتی تو وہ سو بار آجاتے
مزارِ عاشقِ ناشاد کیا دو چار منزل تھا

"
یارب تو بھیج دے اُسے اک دن مزار پر
رٹ ہے یہ ہمکو قبر کے اندر لگی ہوئی

جاوید
ہے یہ مزار کشتۂ دیدار یار کا
بیٹھیں اُدھر جدھر ہو سرہانا مزار کا

راہی امروہوی
وہ جس کو کہتے ہیں پھولوں کا ڈھیر اے راہی
ہم اس کو اپنی زباں میں مزار کہتے ہیں

شبیر خاں
مرنے کا لطف جب ہے کہ زندہ نہوں کبھی
منکر نکیر بھی نہ اٹھائیں مزار میں

شاہ ظفر
پئے فاتحہ کوئی آئے کیوں کوئی پھول لاکے چڑھائے کیوں
کوئی شمع لاکے جلائے کیوں میں وہ بیکسی کا مزار ہوں

آتے ہیں فاتحہ کو لئے پھول ہاتھ میں
تصویر کھینچ دے کوئی میرے مزار کی

اس نے پائے ناز سے ٹھکرا دیا میرا مزار
درحقیقت اب مری مٹی سوارت ہو گئی
جعفر لکھنوی

صدمے اٹھائے شام غریبی کے اس قدر
منھ زرد ہو گیا ہے چراغِ مزار کا
محشر امروہوی

کاندھا بدل بدل کے گئے سب مزار تک
کتنا ہیں دوستوں کے لئے بارِ دوش تھا
منتظر امروہوی

مُسکرانا

پلٹ کے ایک نظر دیکھ لے خدا کے لئے
یہ میری آخری کوشش ہے مسکرانے کی

ممکن نہیں کہ مل کر رسماً ہی مسکرا دو
تم کو تو جیسے ہم سے نفرت سی ہو گئی ہے

فقط راحت ہی میں رکھتے نہیں ہم چہرۂ خنداں
ہجومِ رنج و غم میں مسکرا دینا بھی آتا ہے
عرش ملسیانی

آپ کچھ سوچ کر ہنسے ہوں گے
ہم تو بے وجہ مسکرائے ہیں

یہ نعمت بھی میرے لئے کم نہیں ہے
میں آنسو بہاؤں تو وہ مسکرائیں
اسد

کریگا عرض مطلب جو وہ معنی خود ہی سمجھیگا
فقط تم دانت میں انگلی دبا کر مسکرا دینا
شاعر

کوئی جس وقت مسکراتا ہے
دل مرا کانپ کانپ جاتا ہے
بشیر

غمِ فراق کا افسانہ کہہ رہا ہوں میں
نظر جھکائے ہوئے مسکرا رہا ہوں میں

تباہی کے فسانے میں ذرا ہی جان پڑ جاتی
مری بربادیوں پر مسکرا دیتے تو اچھا تھا

تم نہیں مسکرائے ہو گویا
زندگی میری مسکراتی ہے

چاند انگڑائی لے کے ڈوب گیا
جب کبھی آپ مسکراتے ہیں
رضوی

سناتے ہو کسے روداد ماہر
وہاں تو مسکرایا جا رہا ہے
ماہر

ہم جان و دل کو نذرِ تغافل بھی کر چکے
وہ مسکرا کے دیکھتے اتنا نہ ہو سکا
اثر

محبت میں ایسے بھی کچھ وقت آئے
کہ رونا تھا ہم کو مگر مسکرائے

لگی ہے سینے میں آگ ایسی جگر بھی جلتا ہے اور دل بھی
مگر مری تابِ ضبط دیکھو میں اس پہ بھی مسکرا رہا ہوں

غنچۂ دل فسردہ ہے لیکن
یہ کلی اب بھی مسکراتی ہے

شاعر		
ساجد	بُرا ہوں بھلا ہوں میں کچھ بھی ہوں لیکن	ادھر تم ذرا مسکرا کر تو دیکھو
مجروح	دل چرایا نہیں تو کیوں ہر دم	چپکے چپکے وہ مسکراتے ہیں
"	خفا ہو کے جب بے بُلائے گیا	مجھے دیکھ کر مسکرانے لگے

مسلمان

شاعر		
	رقص و سرود ریس و سینما سے پوچھئے	مسجد سے کتنی دور مسلماں ہے آج کل
	ہم مسلماں بھی بنا لیتے ہیں صدہا اسکیم	مگر اس شان سے جیسے کوئی کھاتا ہے افیم
وفا	ہو گیا دل بتِ بے پیر کا خواہاں کیسا	پھنس گیا دام میں کافر کے مسلماں کیسا
جوش	یا خدا ہم کو نزاعِ کفر و ایماں سے بچا	اپنے ہندو سے بچا اپنے مسلماں سے بچا
اقبال	زاہدِ تنگ نظر نے مجھے کافر جانا	اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلماں ہوں میں
آغا	گلے میں ہار آنکھوں میں نشہ چلنے میں بدمستی	مسلماں رہ چکے ہم جب یہ اس کافر کا عالم ہو
مومن	عمر ساری تو کٹی عشقِ بتاں میں مومن	آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے
واقف	اس لئے میں نے بھی زنّار گلے میں ڈالا	میرے کردار سے بدنام مسلمان نہ ہوں
اکبر	قابلیت تو بہت بڑھ گئی ماشاء اللہ	مگر افسوس یہی ہے کہ مسلمان نہیں
محزوں	محزوں کچھ رنگ زمانے نے ہے ایسا بدلا	کفر کافر میں تو اسلام مسلماں میں نہیں
سودا	کس کی ملت میں گنوں آپ کو بتلا اے شیخ	تو کہے گبر مجھے گبر مسلماں مجھ کو
صابر	کیا کیا نہ دشمن ایماں تیرے لئے	کافر ہوا ہے مجھ سا مسلماں ترے لئے
اکبر الٰہ آبادی	کہتے ہیں مسلمان ہیں اللہ کے طالب	دس پانچ نہیں مجھ کو دکھا دو بھلا ایک
بیخود	میں مسلمان ہوں اس کا بھی ذرا دھیان رہے	میری گردن پہ چھری پھیرئے تکبیر کے ساتھ
طپش	رُخ پہ آئیں گی تری زلفِ پریشاں کب تک	متفق ہوں گے یہ ہندو و مسلماں کب تک
امروہوی	عارض و زلف کے پھندے میں پھنسے کیا جب سے	دشمن جاں ہوا ہر گبر و مسلماں اپنا

مشکل

ملاتے ہو اسی کو خاک میں جو دل سے ملتا ہے
مری جاں چاہنے والا بڑی مشکل سے ملتا ہے — داغ

زندگی میں مشکلوں کا جھیلنا دشوار ہے
تنگ آکر جان دے دینا کوئی مشکل نہیں — صفی

گلوں کے بھیس میں کانٹے ہیں میں اے دل سمجھتا ہوں
مگر دامن بچا لینا بڑی مشکل سمجھتا ہوں

کبھی محروم ہم بھی زندگی پر جان دیتے تھے
مگر اب موت سے اس کو سوا مشکل سمجھتے ہیں — محروم

کشتیٔ دل نذر طوفاں ہو گئی
ایک مشکل اور آساں ہو گئی — محزوں امروہوی

وہ سر بالیں تھے وقتِ نزع دل تھا شاد کام
یہ بھی مشکل ہو گئی آسان ہنستے بولتے

بیت گئی جب اتنی مدت
اور سہی کچھ دن مشکل کے — جرأت

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں — غالب

دل آنا سہل تھا آیا نکلنا دم مصیبت ہے
وہ آسانی تو دیکھی اب یہ مشکل دیکھتے جاؤ — عباس

کرتا بیمار محبت کا مسیحا جو علاج
اتنا دق ہوتا کہ جینا اسے مشکل ہوتا — ذوق

کیا بری ساعت پھنسے تھے دام الفت میں سلیم
زندگی تو زندگی مرنا بھی مشکل ہو گیا — سلیم

الٰہی مشکلیں آسان کر اس ذات کا صدقہ
زباں پر میری جس کا نام آ جاتا ہے مشکل میں — مانی

فانی ہے حسن بت یہ میں کیا جانتا نہیں
مشکل یہ آ پڑی ہے کہ دل مانتا نہیں — اکبر

برائی نہ چاہے بروں سے بنا ہے
اگر ہے تو دنیا میں مشکل یہی ہے — داغ

تری فرقت میں ہے شام و سحر مجھ کو عجب مشکل
جو شب کاٹی تو دن مشکل جو دن کاٹا تو شب مشکل — حسرت

ہے بھروسہ جذب دل پر اور نظر پر اعتبار
آپ کو اپنا بنا لینا کوئی مشکل نہیں

بڑی مشکل سے اتنا قرب تجھ سے آج حاصل ہے
ہمارے ذبح کرنے میں کہیں جلدی نہ کر جانا — جگر

بچا کر لائے دامن غیر سے جو تم تو کیا آئے
بہت مشکل ہے بچنا عاشق کامل کے ہاتھوں سے — بانی

برا ہو ناتوانی کا بھلا اس میں اثر کیا ہو
نکلتی ہے جو کچھ کچھ آہ تو رک رک کے مشکل سے — حاذق

حامد	دنیا سے چل کے قبر کی منزل میں رہ گیا	مشکل سے چھٹ کے دوسری مشکل میں رہ گیا
مجروح	نہیں ممکن کہ وصل جاناں ہو	یہ وہ مشکل نہیں جو آساں ہو

مقصد

	تیری عنایتوں کا مجھے اعتراف ہے	مجھ کو مری حیات کا مقصد بتا دیا
شفیق جونپوری	زندگی کا کوئی مقصد تو ہوا کرتا ہے	دل اگر کچھ نہ کرے سیکھ لے حیراں ہونا

مکرر

	ہر بار نئے شوق سے ہے عرض تمنا	سو بار بھی ہم کہہ کے مکرر نہیں کہتے
غالب	یارب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لئے	لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں
الگزنڈر آزاد	دہرانا تری مدحتِ شیریں کا زباں پر	دیتا ہے مزا قندِ مکرر سے زیادہ
جاوید لکھنوی	افسانۂ ماتم کی گراں قدر ہیں لفظیں	اکبار یہ سن لو کہ مکرر نہ کہوں گا
مومن	کام جز لغت نہیں اے کاتبِ اعمال یہاں	فائدہ حرفِ مکرر کی بھلا تحریر سے
غالب	سر اڑانے کے جو وعدے کو مکرر چاہا	ہنس کے فرمایا ترے سر کی قسم ہے ہمکو
"	بہرا ہوں میں تو چاہیئے دونا ہو التفات	سنتا نہیں ہوں بات مکرر کہے بغیر
"	ہیں سادہ دل آزردگی یار سے خوش ہیں	یعنی سبقِ شوق مکرر نہ ہوا تھا

ملاقات

	صورتِ ترکِ ملاقات کی تمہید نہ ہو	اب تو تجدیدِ ملاقات سے ڈر لگتا ہے
ہوش	دل کو تنہائیوں کے نرغے میں	اک ملاقات یاد آتی ہے
محزوں امروہوی	گر راہ و رسم عشق یہی ہے تو ایک دن	سن لیجو کہ ترکِ ملاقات ہو گئی
داغ	راہ میں ان کو لگا لئے تو ہیں باتوں میں	اور کھل جائیں گے دو چار ملاقاتوں میں

پھر بھری اُن سے ملاقات ہے گاہے گاہے
صحبتِ غیر میں گاہے سرِ راہے گاہے
جرأت

غنیمت ہے خط بھی جو آتا رہا
یہ آدھی ملاقات ہوتی رہی
تپش

سیکھے ہیں مہ رخوں کے لئے ہم مصوری
تقریب کچھ تو بہرِ ملاقات چاہیئے
غالب

مجھ سے جدا ہیں آپ تو دیکھیں نہ آئینہ
آئینے سے بھی تو ترکِ ملاقات کیجئے
جاوید لکھنوی

دل لینے آئے تھوڑی سی جب رات رہ گئی
اندھیر ہے غرض کی ملاقات رہ گئی
عشق

جب ملیں پیچ و تاب کھاتے ہو
اِس ملاقات میں مزا کیا ہے
مجروح

صبح کی شام ہوئی شام کی پھر رات ہوئی
یہی وعدے ہیں تو کب ان سے ملاقات ہوئی
مصحفی

منزل

خیر مقدم کو آئے گی منزل
دیکھنا زورِ جذبِ کامل کا

خدا جانے کہاں ہے منزلِ آخر محبت کی
کہ ہر انجام میں کیفیتِ آغاز ہوتی ہے

مرا ساتھ ہمت نے چھوڑا ہے جب بھی
تو منزل نے خود بڑھ کے آواز دی ہے
میکش

نہ جانے کدھر کارواں یہ چلا ہے
نہ منزل ہے کوئی نہ رہبر کوئی ہے

غم سے ہیں ماورا تو مسرت سے بے نیاز
اے دل بتا یہ کون سی منزل میں آگئے
بیدار سحر

راہِ طلب میں ایسا خود رفتہ کون ہوگا
منزل پہ ہم پہنچ کر منزل کو ڈھونڈتے ہیں
جلیل

اے قافلہ والو تمہیں منزل ہو مبارک
ہیں پھر سفر اور سفر میرے لئے ہے
بیدار سحر

نہ منزل ہے نہ رہبر کا نشاں ہے
کہاں کو ہم خدا جانے چلے ہیں
انور دہلوی / جالب

فریب کھاتا ہے ہر ہر قدم پہ منزل کا
وہ کیا کرے کہ نہ دیکھا ہو جس نے منزل کو
وحشت

بادشاہوں کی بھی کشتِ عمر کا حاصل ہے گور
جادۂ عظمت کی گویا آخری منزل ہے گور
اقبال

خدا جانے کہ کتنی راہ اب تک ہم نے طے کی ہے
خدا جانے کہ کتنا فاصلہ ہے ہم کو منزل سے
رؤف

منزلِ عشقِ حقیقی پر پہنچنا ہے مجھے
منزلِ عشقِ مجازی تو مری منزل نہیں
حافظ تنہا رہنوی

کلیم — کمال عشق کی شاید یہی ہے آخری منزل — وہی تھی آرزو اس کی جو میرے دل کا ارماں تھا

شاد — سفر ضرور ہے اور عذر کی مجال نہیں — مزا تو یہ ہے نہ منزل نہ راستہ معلوم

ترے عشق کی انتہا اللہ اللہ — چلے عمر بھر اور منزل نہ آئی

حسرت پہ اس مسافرِ بےکس کی روئیے — جو تھک گیا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے

سفر ہے دور کا اور ناتوانی مجھ سے کہتی ہے — جہاں تو تھک کے بیٹھا ہے وہیں منزل نہ بن جائے

شارب — دو دن کی زندگی کا سہارا لئے ہوئے — بیٹھا ہوں میں وہاں مری منزل جہاں نہیں

عرش — آ رہی ہے جس قدر منزل قریب — اور بڑھتے جا رہے ہیں فاصلے

تیرا ہر نقشِ قدم دیتا رہا مجھ کو فریب — میں سرِ منزل پہنچ کر بھی سرِ منزل نہ تھا

جنازہ مرا جب سجا کر چلے وہ — قضا نے کہا پہلی منزل یہی ہے

ثاقب — نہ سمجھا معنیٔ گور و کفن سمجھا تو یہ سمجھا — تھکا تھا میں لپٹ کر سو رہا دامانِ منزل سے

" — مرے چھوڑے ہوئے صحرا کی گرد اب تک نہیں بیٹھی — ندا دیتا ہے ہر ذرہ کہ میں گزرا ہوں منزل سے

جوش — ہزاروں قافلے آئے اور آ کر دور جا پہنچے — مگر پہلی ہی منزل میں ہے اپنا کارواں اب تک

درد سعیدی — ترک کر دوں گا راہِ دیر و حرم — اپنی منزل تجھے بنا لوں گا

تری سحر میں مری شام کی سیاہی ہے — نہ بھول خود کو تو منزل نہیں ہے راہی ہے

جگر — ہم وہ ہیں رہروانِ مقاماتِ حسن و عشق — جس جا ٹھہر گئے اُسے منزل بنا دیا

موت

ہندو کشمیری — عجب موت تھی تیری اے مرنے والے — کہ دنیا ابھی تک تجھے رو رہی ہے

زندگی کے اُداس لمحوں میں — موت بھی چارہ گر نہیں ہوتی

موت کا انتظار کرنے سے — زندگی مختصر نہیں ہوتی

مُزمل امروہوی — کون آتا ہے کام غربت میں — موت کو بھی بُلا کے دیکھ لیا

ہم ایسے درد کے ماروں کو زندگی ملتی
کہ ہم نے موت جو مانگی تو موت بھی نہ ملی
اختر زیدی

آتی رہے گی خیر اب اِس زندگی کو موت
یہ تو ہوا کہ موت مری زندگی ہوئی
فانی

تری بے رُخی اور تری مہربانی
یہی موت ہے اور یہی زندگانی
بیدی سحر

تری چشمِ ملتفت کا کہیں پا جو لوں اشارہ
غمِ زندگی تو کیا ہے مجھے موت بھی گوارا

موت کیا ہے موت کی دہشت سے ڈر جانے کا نام
اور حیاتِ جاوداں بے موت مر جانے کا نام
رئیس امروہوی

موت بھی ہائے تیرہ بختی ہیں
مجھ سے بے زار ہوئی جاتی ہے

ہم وہ ہیں گوہر کہ جن کی موت پر
موت بھی خود ہاتھ مَل کر رہ گئی
گوہر

چمن میں اعلان عام کر دو کوئی گلی اب نہ مسکرائے
جو مسکرائے گی اِس فضا میں وہ موت سے ہمکنار ہوگی
بسمل

زندگی کیا ایک جنبش ہے لبِ اعجاز کی
موت کیا ہے ایک شوخی ہے نگاہِ ناز کی
مؤلف

نیند کیا ہے موت کی ایک لہر وہ بھی بے ثبات
موت کیا ہے ایک گہری نیند جو مشہور ہے
ناصری

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے ان ہی اجزا کا پریشاں ہونا
چکبست

آتی ہے کس طرح سے مری قبضِ روح کو
دیکھوں تو موت ڈھونڈ رہی ہے بہانہ کیا
آتش

جاؤ بالیں سے اُٹھو تو موت کو آنے تو دو
چین سے جینے نہیں دیتے ہو مر جانے تو دو
مانی

لے کر ٹلے گی جان یہ خالی نہ جائے گی
جب سر پہ موت آگئی ٹالی نہ جائے گی
قیصر دہلوی

موت ایک ماندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر
میر

ساری دنیا کو موت نے مارا
اور مجھے زندگی نے مارا ہے
فنا بنارسی

موت ہی سے کچھ علاج دردِ فرقت ہو تو ہو
غسلِ میت ہی ہمارا غسلِ صحت ہو تو ہو
ذوق

موت ہر شاہ و گدا کے خواب کی تعبیر ہے
اُس ستم گر کا ستم انصاف کی تصویر ہے

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے
میر عشق

پیامِ موت ہے موذی سے دوستی رکھنا
اجل ہے سانپ سے اس کی جو کوئی پالے سانپ
برق

مارا ہم کو ترے تغافل نے
مفت میں موت کا بہانہ ہوا

مصحفی
کہتے ہو ایک آدھ کی ہے میرے ہاتھ موت
ہم بھی سمجھتے ہیں یہ سناتے ہو ہم کو کیا

حیرت الہ آبادی
آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
ساماں سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں

موج

انیس
مثال ماہیٔ بے آب موج تڑپا کی
حباب پھوٹ کے روئے جو تم نہا کے چلے

سہما ہے کہاں یارب ترے کشتی شکستوں کا
نکل آتی ہے موج آخر جسے ساحل سمجھتے ہیں

شبنم رومانی
نگاہِ کرم ہے کہ اِک مَوج ہے
نہ جانے یہ موج اب کدھر جائیگی

رند
میں مسافر ہوں اُتر جاؤں گا پار اک دم میں
تجھ کو اے موج مبارک رہے دریا تیرا

ادیب
آج موجوں سے نہ ٹکرائیں سفینے والے
آج ہر موج میں طوفان ہے جاؤ کہہ دو

دلی
صنم کے لعل پر وقتِ تبسم
رگِ یاقوت ہے موجِ تبسم

بس جنونِ عشق سے برباد ہو سکتا نہیں
سیلِ دریا موج سے آزاد ہو سکتا نہیں

نساخ
ہے وہ ناداں جانتا ہے جو کہ دشمن کو حقیر
توڑ دیتی ہے جہازوں کو یہ ہے تاثیر موج

ذوق
ہے موج بحر عشق وہ طوفاں کہ الحفیظ
بیچارہ مشتِ خاک تھا انسان بہہ گیا

مومن
ہم نکالیں گے سُن اے موجِ ہوا بَل تیرا
اُن کی زلفوں کے اگر بال پریشاں ہوں گے

مہندی

قیصر
چُرا کے مٹھی میں دل کو چھپائے بیٹھے ہیں
بہانہ یہ ہے کہ مہندی لگائے بیٹھے ہیں

مہندی لگی ہوئی ہے ابھی میرے خوں کی
کیا ہاتھ اٹھائیں فاتحہ خوانی کے واسطے

وہ کہہ رہے ہیں کہ باہر ہم آ نہیں سکتے
لگی ہے پاؤں میں مہندی چھڑا نہیں سکتے

قاصد کو اس طرف کو بہ منت کیا رواں
سامانِ جملہ عیش مہیا کئے یہاں

آہٹ پہ کان در پہ نظر تھی کہ ناگہاں
یہ سُن لیا کہ پاؤں میں مہندی لگی ہے واں

بس خوں ٹپک پڑا نگہِ انتظار سے

مہندی کو اپنی دیکھ کے کہنے لگا وہ شوخ ‏ ‏ ہے ہے کسی کا خون ہوا میرے ہاتھ سے ‏ ‏ مصحفی

خونِ عاشق میں ڈبو لو انگلیاں کیسی حنا ‏ ‏ رنگ لائیگی یہ مہندی بھی لگا کر دیکھ لو ‏ ‏ اثر

یہ کس کی جاگی ہے قسمت یہ کون یاد آیا ‏ ‏ یہ کیوں لگائی ہے مہندی یہ کیوں سنگھار کیا ‏ ‏ شکیب امروہوی

یاں کے آنے میں گھسی جاتی ہو مہندی اور تم ‏ ‏ خانۂ اغیار میں جاتے ہو چھپ کر رات کو ‏ ‏ نساخ

مہندی اور دیکھئے پاؤں میں لگی ہے کس کے ‏ ‏ اس نے تو خوب ہی رنگ اپنا جمایا ہیں گے ‏ ‏ رر

پوری مہندی بھی لگانی نہیں آتی اب تک ‏ ‏ کیوں کر آیا تمہیں غیروں سے لگانا دل کا

یاد آیا یاں کے آنے کا وعدہ بھی خوب انہیں ‏ ‏ جب رات کو وہ پاؤں میں مہندی لگا چکے ‏ ‏ ذوق

پکارا در پہ جو اُن کے تو یہ صدا آئی ‏ ‏ ہم اپنے پاؤں میں مہندی لگائے بیٹھے ہیں ‏ ‏ آتش

میّت

یارب پڑی رہے مری میت اسی طرح ‏ ‏ بیٹھے رہیں وہ بال پریشاں کیے ہوئے ‏ ‏ صفی

کچھ نہ تھا ہمراہِ میّت وہ فقط ہمراہ تھے ‏ ‏ رو دیے دشمن جنازے پر یہ ساماں دیکھ کر ‏ ‏ حامد

رسمِ وفا پہ شمع نے اتنے بہائے اشک ‏ ‏ سامانِ غسلِ میتِ پروانہ ہو گیا ‏ ‏ احسن

اگر وہ کاندھا دیے جاتے تو ان کا کیا بگڑ جاتا ‏ ‏ فقط اتنا سمجھ لیتے کہ میت ہے مسلماں کی ‏ ‏ اخگر امروہوی

پڑا ہے بسترِ بیمار خالی اُٹھ گئی میت ‏ ‏ حسینِ غم گیں بیٹھے ہیں کفِ افسوس ملتے ہیں ‏ ‏ مؤلف

سو حیاتِ ابدی موت پر اس کی قرباں ‏ ‏ جس کی میت پہ کرے زلفِ پریشاں کوئی ‏ ‏ تاباں بدایونی

ایسے وقتوں میں کلیجہ غم سے ہو جاتا ہے شق ‏ ‏ صبر اپنے دل کی میت پر ہمارا کام تھا ‏ ‏ منتظر

بگولے اُٹھ کے یہ کہتے ہیں خاک بیکس کی ‏ ‏ کسی غریب کی میت پڑی نہیں رہتی ‏ ‏ ساجد

اے بیکسیٔ عشق مدد کر مری مدد ‏ ‏ میت دلِ غریب کی دفنا رہا ہوں میں ‏ ‏ مائل

ہے روزِ حشر ہر اک کو جزائے صبر ملتی ہے ‏ ‏ کھڑے ہیں ہم بھی پھیکے ہاتھ پر میت لیے دل کی ‏ ‏ طباطبائی

عزیز	جب لاؤں گا ہاتھوں پہ دلِ کشتہ کی میت	کیا شور ہمہ عرصۂ محشر نہ اُٹھے گا
میکش	میری میت پہ حسینوں نے گریباں پھاڑے	دیر تک ہوتا رہا شور و بکا میرے بعد
ذوق	میت کو غسل دیجیو نہ اس خاکسار کی	ہے تن کو خاک کوچۂ دلبر لگی ہوئی

میخانہ

نی	آسودہ کوئی ہے تو کوئی تشنہ کام ہے	کیا جانے کیا ہے تیرے مے خانے کا نظام
عزیز وارثی	قیامت تک رہے ساقی سلامت تیرا میخانہ	پلائی ہے کچھ ایسی کیف جس کا کم نہیں ہوتا
	آزماتا ہے ہمارا ظرف کیا اک جام سے	لے اُڑیں گے ساقیا میخانے کا میخانہ ہم
ناصری	ساقیا دیکھ کے شیشے میں ٹھہرتی نہیں مے	کوئی تو آیا ہے مے خانے میں پیاسا ہو کر
مؤلف	فصلِ گل ہے ابر ہے ساقی ہوائے سرد ہے	آج لطفِ مے کشی رندوں کو میخانے میں ہے
داغ	اندیشۂ فردا نہ رہے حضرتِ واعظ	مے خانے میں پی لیجئے تھوڑی سی اگر آج
مونس	بہار آئی ہے بھر دے بادۂ گلگوں سے پیمانہ	رہے لاکھوں برس آباد ساقی تیرا میخانہ
شیروانی	نہ شیشہ ہے نہ ساغر ہے نہ ساقی ہے نہ پیمانہ	جگر ٹکڑے کئے دیتی ہے مے خانے کی ویرانی
اقبال	گذر گیا اب وہ دور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے	جہان بھر میکدہ بنے گا ہر کوئی بادہ خوار ہوگا
فانی	مے خانے پر محیط جو ابرِ بہار ہے	یہ مے کشوں پہ رحمتِ پروردگار ہے
	کچھ نہ کعبے میں نہ مسجد میں نہ بت خانے میں ہے	زندگی کا لطف زاہد ہے تو مے خانے میں ہے
فگار	کعبہ و دیر و کلیسا میں سب ہی کچھ ہے مگر	بات ہی کچھ اور ساقی تیرے میخانے میں ہے
اسد	خم سے مے شیشے میں تھی شیشے سے پیمانے میں ہے	انقلابِ دہر کی تصویر میخانے میں ہے
شفیق جونپوری	گھٹائیں جھومتیں بادل برستے خود بہار آتی	وہ آجاتے تو مے خانے کو مے خانہ بنا دیتے
رؤف	جمع ہو جاتے ہیں جس روز پرانے مے خوار	رونق آجاتی ہے ساقی ترے مے خانے میں
داغ	جب داغ کو ڈھونڈا کسی مے خانے میں پایا	گھر میں کبھی اس مردِ خدا کو نہیں دیکھا

میکدہ

پہنچی یہاں بھی شیخ و برہمن کی کشمکش
اب مے کدہ بھی سیر کے قابل نہیں رہا
سہیل

مے کدے میں ہیں سنبھالے ہوئے مے خوار مجھے
ہوش آتا نہیں سب کہتے ہیں ہشیار مجھے
شاد امرتسری

مے کدے والوں کے سوا ہم نے
سب کو دنیا میں بے خبر دیکھا
نفیس بالپوری

گدائے میکدہ ہوں بوئے مے بس ہے تسلی کو
غرض ہے مجھ کو شیشے سے نہ مطلب ہم کو ساغر سے

جب مے کدہ چھٹا تو اب کیا جگہ کی قید
مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو
غالب

اجل کو روکنا آواز دینا
ذرا ہم مے کدے تک جا رہے ہیں

ہمیں بیٹھے ہیں تشنہ لب میکدہ میں
گو ساقی ہمارا ہے ساغر بھی ہمارا ہے

گردشِ دوراں سے جب گھبرا گئے
مے کدہ میں آ گئے ہم دن ڈھلے
عرش

کوئی سرشار ہے مے کش تو ہے پیاسا کوئی
مے کدے میں ابھی انصاف کا دستور نہیں
شباب بریلوی

کمر سیدھی کرنے ذرا مے کدے میں
عصا ٹیکتے کیا ریاض آ رہے ہیں
ریاض

اب تو جاتے ہیں مے کدے سے میر
پھر ملیں گے اگر خدا لایا
امیر

صد سالہ دورِ چرخ تھا ساغر کا ایک دور
نکلے جو مے کدے سے تو دنیا بدل گئی
ریاض

مے کدے مسجدوں سے ویراں ہیں
کیا کرے اب کوئی کہاں جائے

مے کدے کیسے جاؤ گے کاظم
شیخ صاحب نے راہ گھیری ہے
کاظم

ناخدا

اندھیری رات طوفانی ہوا ٹوٹی ہوئی کشتی
یہی اسباب کیا کم تھے کہ اس پر ناخدا تم ہو
سرشار

دل کی کشتی کو مت ڈبو ظالم
اِس سفینے کا ناخدا تو ہے
ہارامرتسری

سفینہ جب کہ کنارے پہ آلگا غالب
خدا سے کیا ستم جورِ ناخدا کہئے
غالب

ہادی — ڈبو رہا ہوں تو ہادی کسی سے کیا سروکار
خود اپنی کشتیٔ ہمت کا ناخدا ہوں میں

فضا الٰہ آبادی — میں جانتا ہوں سفینہ ہے میرا طوفاں میں
مجھے فریب نہ دے ناخدا خدا کے لئے

عزیز — دل نہیں جب تو کیا جیوں میں خاک
مری کشتی کا ناخدا ہی نہیں

محزوں امروہوی — کیوں نہ ایسے بےکسوں کا غرق ہو جائے جہاز
ناخدا جس کا نہیں اور بادباں چکر میں ہو

میکش — مرا ناخدا اب چھڑاتا ہے دامن
کنارے پر کشتی مری ڈوبتی ہے

ناز

اثر — ہے اسی درجے پہ تیرا ناز بھی
جتنی عالی جس کی فطرت ہو گئی

اکبر — میری یہ بےچینیاں اور ان کا کہنا ناز سے
ہنس کے تم سے بولتے ہیں اور اب ہم کیا کریں

حسرت — نگاہِ ناز جسے آشنائے راز کرے
وہ اپنی خوبیٔ قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے

نیساں — کیا مزے کا وقت تھا جب عشق کا آغاز تھا
مجھ کو جذبِ دل پہ ان کو دلبری پر ناز تھا

بغیر طلب پرسشِ غم کو آنا
مبارک ہو ناز محبت اٹھانا

حیات — وہ سمجھتے ہیں مجھے اپنا حیات
مجھ کو اپنی زندگی پر ناز ہے

جعفر — کامیابی کا معرف اک زمانہ ہے تو کیا
وہ مری ناکامیاں ہیں جن پہ مجھ کو ناز تھا

رؤف — میدانِ حشر میں کہیں شرمندگی نہ ہو
مجھ کو تمہاری شان کریمی پہ ناز ہے

جور — تم سنوارو اپنے گیسو میں دکھاؤں آئینہ
غیر کو حیرت ہو مجھ کو ناز ہو تقدیر پر

سالک — ہو رہی تھی اس طرح تکمیل حسن و عشق کی
کوئی محوِ حسن تھا اور کوئی محوِ ناز تھا

جلیل مانکپوری — مار ڈالا مسکرا کر ناز سے
ہاں مری جاں پھر اسی انداز سے

محسن — خوش ہیں موجیں کہ شکستہ ہوئی کشتی محسن
ہم کو یہ ناز کہ طوفان سے ہارے تو نہیں

مجروح — وہ یہاں آتے ہیں کس انداز سے
اک قدم اٹھتا ہے سو سو ناز سے

رر — فرشِ گل پر جو خواب ناز میں ہو
مری بےچینیاں وہ کیا جانے

ناصح

مجھ کو بہکا رہے ہوائے ناصح
رند تو پارسا نہیں ہوتا
فنا بنارسی

جاؤ ہوتا ہے اور بھی خفقاں
سُن کے ناصح جناب کی باتیں
ذوق

آپ ہی حضرت ناصح کوئی تدبیر کریں
آپ سا کوئی مرا مشفق و محسن ہی نہیں
داغ

ناصح میں بیچ دوں گا اسے کوڑیوں کے مول
کوئی ملے جو دل کا خریدار دیکھنا
اثر عظیم آبادی

میں کروں ترک عشق اے ناصح
ایسے بگڑے بناتے جاتے ہیں
طاہر لکھنوی

نہ سمجھاؤ ہمیں ناصح کہ ہم خود علم رکھتے ہیں
جھکا کر سر یہی باتیں کیا کرتے ہیں ہم دل سے
انوار مرہوی

دوست بنتے تھے ناصح مشفق
دشمنی کا بھی حق ادا نہ ہوا
میکش

ہم سے دیوانے کو کرتا ہے نصیحت ناصح
تجھ سے بڑھ کے کوئی دنیا میں بھی ناداں ہوگا
نساخ

مرنے دے یاس سے للہ مجھے اٹھ ناصح
وقت ہے اب یہ سمجھنے کا نہ سمجھانے کا
رضا

دیوانے کے سمجھانے کو روز آتا ہے ناصح
اس عقل کا ہم نے کوئی انساں نہیں دیکھا
"

تیری باتیں ہیں کہ مجذوب کی بڑ اے ناصح
آج تک کوئی نہ سمجھا ترے سمجھانے سے
"

نالہ

سُنا ہے میری زبانی جو ذکر نالوں کا
دھڑک رہا ہے کلیجہ ستانے والوں کا
محزوں امروہوی

نالوں سے مرے ہوتے ہو ناراض کس لئے
کیا چاہتے ہو کعبہ دل میں اذاں نہو
شاہین

بتاؤ مرے دل پہ تم ہاتھ رکھ کر
یہ نالہ رکا ہے کہ سینے میں دم ہے

جو کر بیٹھا ہے مجنوں دشت میں نالہ کوئی دل سے
تو اکثر وجد میں لیلیٰ نکل آئی ہے محمل سے
ثاقب

اثر میرے اشعار ہیں دل کے نالے
غزل خوانیاں مرثیہ خوانیاں ہیں
اثر

آہ ہوتی مرے لب پر نہ یہ نالہ ہوتا
ایک بھی تو نے جو ارمان نکالا ہوتا
رسا

حضور
نالہ شب فراق میں کب رائیگاں گیا
کیوں آپ آے اب وہ تنفر کہاں گیا

شفیق
دل کھنچے آتے تھے نالے میں عجب اعجاز تھا
سننے والے محو تھے اس سوز میں یہ ساز تھا

داغ
کلیجہ پکڑ کر وہیں بیٹھ جاتے
سنا ہی نہیں تم نے نالہ کسی کا

بیدار دہلوی
تم نے جو مدتوں میں ادھر کو گذر کیا
نالے نے آج کچھ تو ہمارے اثر کیا

نالہ کیا تو گنبدِ گردوں ہلا دیا
رونے کی لہر آئی تو دریا بہادیا

رؤف
کس دن وہ آئیں دیکھنے حالِ مریضِ غم
کب دیکھئے رؤف کے نالے اثر کریں

"
اگر کوئی نالہ رسا ہو گیا
تو ہم سے نہ کہنا یہ کیا ہو گیا

کوکب
کون ہے جو مرے نالوں سے پریشاں نہ ہوا
ایک ان پر ہی اثر اے دلِ سوزاں نہ ہوا

اقبال
نالہ ہے بلبل شوریدہ ترا خام ابھی
اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی

بیکش
تھامے کلیجہ گھر سے دشمن کے آئیں گے وہ
نالے سنیں گے جس دم بیمار ناتواں کے

نساخ
کیوں آپ میرے نالوں کو سنتے نہیں بھلا
باتیں یہ کچھ عدو کی نہیں جو اثر کریں

"
کرتے ہیں اپنے نالے وہاں کام جس جگہ
انسان کیا فرشتے کا ہرگز گزر نہ ہو

"
صوفیوں کو حال آیا رند ہیں اک وجد میں
نالہ میرا کیا ہوا گویا غزل خوانی ہوئی

شہید
لگا دی آگ نالوں نے فلک پر
فرشتوں کی زباں پر الاماں ہے

عارف
بلبلوں سے کہہ دو میرے نالہ تو دل کش نہیں
مرثیہ خوانی ہے خالی زمزمہ خوانی نہیں

نام

میر
ہمارے آگے ترا جب کسی نے نام لیا
دلِ ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

ہزار کوشش اخفائے راز کی لیکن
دلِ حزیں ہی نہ سنبھلا کسی کے نام کے بعد

کوئی رابطہ تو ضرور ہے ترے حسن کو مرے عشق سے
کہ جہاں بھی ذکر چھڑا مرا وہیں آ گیا ترا نام بھی

آپ کا نام لے ہی لیتے ہیں
آپ کے نام سے محبت ہے

ثابت یہ ہچکیوں سے ہوا ہے مجھے ضرور	تم نے بھی میرا نام لیا ہے کبھی کبھی	
دل سے زباں کا کام لیا ہے کبھی کبھی	یوں بھی کسی کا نام لیا ہے کبھی کبھی	
پاس ادب سے چھپ نہ سکا راز حسن و عشق	جس جا تمہارا نام سُنا سر جھکا دیا	جگر
سلیقہ شرط ہے رسم محبت کے برتنے کا	اسی سے نام ہوتا ہے یہی بدنام کرتی ہے	حفیظ
سب خط تمام کر چکے پڑھ پڑھ کے شوق سے	واں تھم گئے جہاں پہ مرا نام آگیا	جاوید
یاد کرتے کرتے تجھ کو تیری فطرت بن گیا	میں سمجھتا ہوں کہ تیرا نام میرا نام ہے	راز
سُن کے تیرا نام آنکھیں کھول دیتا تھا کوئی	آج تیرا نام لے کر کوئی غافل ہو گیا	فانی
کیا پوچھتے ہو شوق نے کس طرح جان دی	لب پر دم اخیر بھی نام حضور تھا	شوق
خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو	ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے	غالب
اپنوں کی نظر نیچی اور موت بھی شرمندہ	ہونٹوں پہ مرا دم ہے اور نام تمہارا ہے	حسرت
نہ مانوں گا نصیحت پر نہ سنتا میں تو کیا کرتا	کہ ہر ہر بات پر ناصح تمہارا نام لیتا تھا	مومن
اللہ رے میری مایوسی جب موت کی ہچکی آنے لگی	اس وقت تمہاری یاد آئی اس وقت تمہارا نام لیا	محزوں امروہوی
اہل محشر دیکھ لوں قاتل کو تو پہچان لوں	بھولی بھالی شکل تھی اور کچھ بھلا سا نام تھا	منظر
دل کی بربادیاں بتاتی ہیں	ان کے بندوں میں میرا نام نہیں	
توقف کیجیے ہیں غور کر کے	بتاتا ہوں کہ میرا نام کیا ہے	رفعت سلطان
تمہارا نام ہے سرخی مرے دل کے فسانے کی	نظر ڈس لے کہیں ہم کو نہ اب ظالم زمانہ کی	الطاف شہیدی
اکثر آتی ہے شب کو اک آواز	اور مرا نام پوچھ جاتی ہے	جوش
الٰہی کون سی منزل ہے یہ دردِ محبت کی	وہ میرا نام سنتے ہی برہنہ سر نکلتے ہیں	رئیس امروہوی
اجازت ہے تمہارا نام لکھ دوں	مرے دل کا ورق سادہ ہے اب تک	,,
شہروں شہروں ملکوں ملکوں آوارہ ہم پھرتے ہیں	راہِ وفا کا ذرہ ذرہ نام ہمارا جانے ہے	میر
نام ہمارا جب آتا ہے تم چپ رہ کر خوش ہوتے ہو	کہنے کو تو یہ راز ہے لیکن عالم سارا جانے ہے	,,

ہم نہیں جانتے آئیں وفا کے معنے — نام لے کر ترا قربان ہوئے جاتے ہیں

رعنا: کہاں سے لائیں گے ایسے محبت کرنے والے کو — حجاب آیا انہیں محفل میں جب رعنا کا نام آیا

نافع: اک ایسا وقت بھی آیا ہے نافع جب نہ جانے کیوں — کسی کا نام سن کر دفعتاً آنکھیں جھپک اٹھیں

طاہر: نہ کوئی آرزو باقی نہ کوئی واسطہ تم سے — زباں پر پھر تمہارا نام کیوں ہے ہم نہیں سمجھے

اس قدر دوری پہ بھی یہ انتہائے قرب ہے — تیرا نام آیا جہاں پر میرا افسانہ چلا

کچھ توجہ خاص ہوتی ہے عیاں — نام لے کر نہ کوسا کیجئے

شبنم: جوانی کی جھجک طعنوں کا ڈر ماحول کی تلخی — بڑی مشکل سے ان شیریں لبوں پر میرا نام آیا

ذاخر: اے اہل حشر سمجھ لو معاملہ دل کا — ابھی پکار کے لینا نہ نام قاتل کا

رفعت سلطان: جانے کیوں ان کے نام پر رفعت — دل میں ہوک سی اٹھا کی ہے

داغ: جب وہ سنتے ہیں بنا لیتے ہیں منھ — مل گیا کیا زہر میرے نام میں

تمہارے نام سے سب لوگ مجھ کو جان جاتے ہیں — میں وہ کھوئی ہوئی اک چیز ہوں جس کا پتہ تم ہو

شاکر: مرا نام لکھ کر مٹانے سے حاصل — کہیں نام یوں بھی مٹا ہے کسی کا

نساخ: اتنی رسوائیوں پہ اے نساخ — نہیں معلوم ان کو نام مرا

مجروح: نہیں لیتا ہوں فرطِ رشک سے نام — ہر اک سے پوچھتا ہوں وہ کہاں ہے

انیس: لکھ کر زمیں پہ نام ہمارا مٹا دیا — ان کا تو کھیل خاک میں ہم کو ملا دیا

غالب: زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا — کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کیلئے

ہلالی: کوئی مجنوں ہو گیا مشہور کوئی کوہ کن — منزلِ الفت میں ہر اک کا جدا اک نام تھا

نزع میں بیمارِ فرقت نے پکارا بار بار — مرتے مرتے بھی زباں پر آپ ہی کا نام تھا

وصی: دید کی قابل مریضِ ہجر کا انجام تھا — نزع کا عالم تھا اور لب پر تمہارا نام تھا

عزیز: اور کس کو منتخب کرتی نگاہِ انتخاب — یا ہمارا نام تھا وہ یا تمہارا نام تھا

جگر بسوانی: یاد ہی ہم کو نہ تھا دنیا میں کوئی اور نام — کوئی خط لکھا لفافہ پر انہی کا نام تھا

ابھی پہنچ کے یہ کہنا صبا سلام کے بعد — تمہارے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد — آسی

ہمارے آگے ترا جب کسی نے نام لیا — دلِ ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا — میر

بر ہم کبھی قاصد سے وہ محبوب نہ ہوتا — گر نام ہمارا سرِ مکتوب نہ ہوتا — جرأت

زمیں پر بیٹھ جاتا ہوں جگر کو تھام کر اس دم — کسی کے لب پہ جب اُس بے وفا کا نام آتا ہے — ظفر شیدا

ہمارا ذکر بھی وہ ذکرِ غم ہے دنیا میں — ہر اک رو دیا اپنا جہاں پہ نام آیا — بلیغ

ایسے مے خوار ہیں دن رات پیا کرتے ہیں — ہم تو سوتے ہیں ترا نام لیا کرتے ہیں — رشید

نشانہ

تمہیں پھر سے ناوک لگانا پڑے گا — اگر دل پہ اوچھا نشانہ پڑے گا — گرامی

کماں کو نہ دیکھو رہیں دل پہ نظریں — جو چوکے تو ہٹ کر نشانہ پڑے گا — رر

نشانے کو کبھی تیرے خطا کرتے نہیں دیکھا — جسے تاکا ہے تو نے ناوک افگن مار ڈالا ہے — رؤف

بہتر نشانہ باز وہی ہے جو سوچ کر — ایسی درست بات کہے دل میں بیٹھ جائے

دیکھا بھی تو نہیں کوئی دلِ زخمی میرا — سب یہی کہتے ہیں کیا اچھا نشانہ باز تھا

تمہارے تیر نے ایسا دل و جگر چھیدا — کہ داد دیتا ہے ہر زخم اس نشانے کی — شبیب

جھکی جھکی یہ نگاہیں شکار کر لیں گی — نظر ملاؤ یہ کیا مشق ہے نشانے کی — واقف

انساں ہی سے ہوتی ہے دنیا میں بھول چوک — شرما رہے ہو کیوں جو نشانہ خطا ہوا — رضا

مرغِ دل نے نگہِ یار سے پوچھا اُڑ کر — پھر بھی کہنا کہ لگاتے ہیں نشانہ اچھا — ذوق

نشہ

نشۂ مے کے سوا کتنے نشے اور بھی ہیں — کچھ بہانے مرے جینے کے لئے اور بھی ہیں — اعظمی

نشۂ جوشِ جوانی کو خدا ہی سمجھے — آدمی راہ بھی چلتا ہے تو اندھا ہو کر

جام پر جام دے مجھ کو زہے شانِ کرم
نشۂ بادۂ غم تم نے اترنے نہ دیا

اعجاز
چڑھا تھا کس بلا کا نشہ صدیوں میں نہیں اترا
وہی مخمور بیٹھے ہیں وہی سرشار بیٹھے ہیں

مجروح
اعدا کا گھر سمجھ کے مرے گھر وہ آ گئے
جاگے نصیب یوں کہ نشے میں وہ چور تھا

ذوق
مری آنکھوں کو ملو تم سے کے تلوؤں کے تلے
کیوں نشے میں توڑتے ہو رکھ کے ساغر زیر پا

نشیمن

بیخود موہانی
نشیمن پھونکنے والے ہماری زندگی یہ ہے
کبھی روئے کبھی سجدے کئے خاکِ نشیمن پر

بیدی سحر
خزاں قریب سہی منتظر سہی صیاد
ہیں شاخِ گل پہ نشیمن بنا کے دیکھ تو یوں

تھا ادھورا ہی نشیمن کہ گرفتار ہوئے
یادِ گلشن ہی نہیں حسرتِ تعمیر بھی ہے

اطہر
کوئی کہہ دے یہ جا کر بجلیوں سے
کہ تعمیر نشیمن کر رہا ہوں

صدیق
بہرصورت نشیمن ہر جگہ برباد ہوتا ہے
جہاں دو چار تنکے ہوں وہیں صیاد ہوتا ہے

مسلم
آپ چمن کا نام بدل دیں
آج نشیمن کر دوں خالی

اسی پر حسنِ قسمت سے گری بجلی مری قسمت
نشیمن کے لئے جو شاخ بھی تجویز کی ہم نے

مؤلف
یعنی میں کہیں اور رہوں دل اور کہیں ہے
جس جا مرا گلشن میں نشیمن تھا وہیں ہے

حاذق
قفس میں کچھ دھواں سا آ رہا ہے
نشیمن اپنا گلشن میں جلا کیا

اقبال
نہ پوچھو مجھ سے لذت خانماں برباد رہنے کی
نشیمن سیکڑوں میں نے بنا کر پھونک ڈالے ہیں

آرزو
اے آرزو اس باغ میں پھولوں کے قفس سے
بہتر ہمیں اپنا وہ نشیمن کہ ہے خس کا

شفیق
اگر نرم و نازک ہیں پھولوں کی شاخیں
تو بجلی کی زد پر نشیمن بنا لے

جلی جو شاخِ چمن ساتھ باغباں بھی جلا
جلا کے میرے نشیمن کو آسماں بھی جلا

سوز
قفس میں ہوں دھواں اٹھ رہا ہے گلشن میں
الٰہی آگ لگی کیا مرے نشیمن میں

〃
لٹا ہوں برق کے ہاتھوں سے باغباں ایسا
نہیں ہے ایک بھی تنکا مرے نشیمن میں

جس جگہ شام ہوئی اپنا بسیرا ہے وہیں — ہم سے آواروں کا صیاد نشیمن کیسا — حسرت

ہر چیز گلستاں میں جہاں تھی وہ وہیں ہے — کم بخت نہیں ہے تو نشیمن ہی نہیں ہے — امین

باغباں کام ہمیں کیا ہے وہ اجڑے کہ رہے — جب ہمیں باغ سے نکلے تو نشیمن کیسا — ریاض

اجاڑ ڈالا نشیمن بُرا کیا صیاد — یہی تو ایک مری عمر بھر کا حاصل تھا — خاطر

گریگی جو بجلی تو کیا حال ہوگا — نشیمن دھواں دے رہا ہے ابھی سے

نظر

کیا بات تھی معلوم نہیں ان کی نظر میں — اک پھانس سی چبھتی ہے اسی دن سے جگر میں — ماجد الہ آبادی

فلک نے پیس کر سرمہ بنایا — نظر میں اس کی میں تو بھی نہ آیا — میر

تیور بھی بدل جاتے ہیں فوراً ہی نظر بھی — بھولے سے کبھی دیکھ جو لیتے ہیں ادھر بھی — حامد

محفل میں اسے دیکھ بھی سکتے نہیں ڈر سے — ظالم کو عداوت ہے محبت کی نظر سے

شہرت ہے زمانے میں جو اس رشک قمر کی — تعریف سمجھتا ہوں یہ اپنی ہی نظر کی — حامد

جہاں دل میں یہ آئی کچھ کہوں وہ چل دیا اُٹھ کر — غضب ہے فتنہ ہے ظالم نظر پہچان جاتا ہے

معافی کی نظر سے جو تری صورت کو دیکھے گا — نہ وہ دوزخ کو دیکھے گا نہ وہ جنت کو دیکھے گا — اکبر

پسِ پردہ کیا ہے بتا دیجئے گا — جو ہم پر کرم کی نظر ہو رہی ہے — عرش

کبھی تو سیکڑوں سجدے ہیں مہ جبینوں کو — کبھی اٹھا کے نظر ان کو دیکھتا بھی نہیں

دیکھا تھا کس نظر سے تم نے ہنسی ہنسی میں — اک درد مستقل ہے اب میری زندگی میں — عارف

جب پھونک چکے برقِ نظر سے مرے دل کو — اس وقت یہ پوچھا کوئی حسرت تو نہیں ہے — فہمی امروہوی

جو نظر با اثر نہ ہو مہتاب — کچھ سہی وہ نظر نہیں ہوتی — مہتاب

یہ مانا کہ جنت تو جنت ہے لیکن — نظر میں تمہارے نظارے رہیں گے — ضیا اسعدی

وہ چپ کبھی ملے بھی تو منہ پھیر کر ملے — دل سے ملائیں دل تو نظر سے نظر ملے — بیدی سحر

رئیس امروہوی — اور اس سے بڑھ کے کیا ہوگا جہاں میں انقلاب / جھک گئی ان کی نظر میری نظر کے سامنے

ماجد — میرے دل و دماغ پہ یوں چھا رہے ہو تم / جس سمت دیکھتا ہوں نظر آ رہے ہو تم

نفیس ہاوڑی — میری اس دن سے آنکھ ہی نہ لگی / آپ کو جب سے اک نظر دیکھا

راجندر ناتھ رہبر — ظالم مریضِ عشق کے حق میں تری نظر / وہ کام کر گئی کہ مسیحا نہ کر سکے

شکیل — میری بربادی کو چشمِ معتبر سے دیکھئے / میر کا دیوان غالب کی نظر سے دیکھئے

گوہر — یہ جہاں ویران ہے میرے لئے / وہ نظر جب سے بدل کر رہ گئی

مجھے ہر چیز پہ اس کا یقیں ہے / نظر کا عکس بھی کتنا حسیں ہے

نگاہ بھولے سے پڑتی نہیں خدا کی قسم / دل و جگر بھی لئے تو نظر چرا کے لئے

دل مرا دیکھا کئے تم یا جگر دیکھا کئے / سچ بتاؤ ترچھی نظروں سے کدھر دیکھا کئے

یوں نظر کرتے رہے وہ اہلِ محفل کی طرف / یہ کسی نے بھی نہ سمجھا کہ کدھر دیکھا کئے

غالب — ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی / اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی

عبدالحی — محسوس یہ ہوا کہ کھنچا جا رہا ہوں میں / جس وقت میرے دل پہ تمہاری نظر گئی

بیخود — یوں گراتے کہ جیسے چشم سے اشک / گر نظر سے مجھے گرانا تھا

جگر — دھڑکنے لگا دل نظر جھک گئی / کبھی ان سے جب سامنا ہو گیا

حشر — اے حشر دیں گی دھوکہ ظالم کی مست آنکھیں / ہو آشنا وفا سے یہ وہ نظر نہیں ہے

اصغر گونڈوی — پہلی نظر بھی آپکی اُف کس بلا کی تھی / ہم آج تک ہیں چوٹ وہ دل پر لئے ہوئے

جوہر — ناز کرتا ہوں میں اپنی خوبیٔ تقدیر پر / جب نظر اُٹھتی ہے پڑتی ہے تری تصویر پر

فریدی — اب ایک ایسی نظر مجھ پہ ڈال دے جس سے / خرد کو ہوش تمنا کو نیند آ جائے

شاید ابھی وہ دیکھ کے آتے ہیں آئینہ / کہتے ہیں مانتا ہوں تمہاری نظر کو میں

جاوید — ذبح کرتے ہیں نظر کا مجھے خوف آتا ہے / دیکھتے جاتے ہیں پھر پھر کے وہ بازو اپنا

عالم — دیکھنا نیچی نظر سے بھی مجھے / مجھ پہ اک الزام ہو کر رہ گیا

آئینہ ہاتھ سے لے لو اُن کے
ان کو لگ جائے نہ ان کی ہی نظر
سیفی امروہوی

جاتے جاتے بس ایک نظر دیکھ لیا
نزع میں اور مجھے آپ سے کہنا کیا ہے
بائل

پہلی نظر میں وہ مجھے عاشق سمجھ گئے
پہچان لے نگاہ کو اتنی نظر تو ہے
بیخود

اجل خفا ہے فلک مدعی زمیں دشمن
مرا جہان میں کوئی نظر نہیں آتا
تسلیم

ادائیں چھوڑ دو یہ بجلیاں گرانے کی
نظر لگے نہ نظر کو کہیں زمانے کی
واقف

نگاہ

میرے تو اضطراب کا درماں نہ ہو سکا
مانا کہ تھی نگاہ تری دل نواز بھی
اختر علی

اب میری مے کشی کی مذمت حرام ہے
تیری نگہ سے مل گیا حکم جواز بھی
//

نہ بتکدے میں نہ مسجد نہ خانقاہ میں ہے
ترا جمال حقیقت مری نگاہ میں ہے
رئیس امروہوی

دستِ ساقی سے چھٹا جام صراحی اُبلی
تو نے ترسی ہوئی محروم نگاہیں دیکھیں

ہم تو نالے بھی کیا کرتے ہیں آہوں کے سوا
آپ کیا تیر لگاتے ہیں نگاہوں کے سوا

اُلجھ کے رہ گئی آخر کو زلفِ برہم سے
وہ اک نگاہ جو بہکتی رہی دو عالم سے

ضد کی تو اور بات ہے ورنہ ستم کے بعد
تیری نگاہ آپ جھکی ہے کبھی کبھی
نواب

ہے دوستی تو جانبِ دشمن نہ دیکھنا
جادو بھرا ہوا ہے تمہاری نگاہ میں
مومن

رسوائیاں غضب کی ہوئیں تیری راہ میں
حد ہے کہ خود ذلیل ہوں اپنی نگاہ میں

اُف وہ آغازِ محبت کی نگاہِ مدہوش
ہمہ آفت ہمہ غارت ہمہ طوفاں ہمہ جوش

چلے گا کام تمہارا نہ کچھ گواہوں سے
ٹپکی پڑتی ہے شرمندگی نگاہوں سے

ملا کے آنکھ سمجھ لو نہ مدعا پوچھو
وہی ہے دل میں جو حسرت بھری نگاہ میں ہے
آرزو

اِک نگہ کرکے اس نے مول لیا
بک گئے ہم بھی کیا سستے
میر

حاضر ہے تیرے سامنے سودا کو قتل کر
مجرم یہ سب طرح سے ہے پر یک نگاہ کا
سودا

مومن
ڈرتا ہوں آسمان سے بجلی نہ گر پڑے
صیاد کی نگاہ سوئے آشیاں نہیں

شاہین بیگم
تم نے اپنی نگاہ کیا بدلی
ہم سے بدلی ہوئی خدائی ہے

بیخود
ابھی ابھی دلِ مضطر کو ہوش باقی تھا
ضرور ہے کوئی جادو نگاہ یار میں ہے

تو چھپا لاکھ بتاتا ہے مکرنے والے
یہ نگاہوں کا چرانا یہ پشیماں ہونا

میکش
مجھے تمام کیا جس نے اک نگہ تھی وہ
نہ تیر تھا کوئی برچھی تھی اور نہ خنجر تھا

نماز

آرزو
زیر خنجر بندھتی ہے نیت ادائے فرض کی
یہ نماز عاشقی ہے جو قضا ہوتی نہیں

جھکا ہوا سر شبیر بھی ہے سجدہ میں
قسم خدا کی اسی کو نماز کہتے ہیں

نامی
مجھے کام کیا تھا رکوع سے مجھے کام کیا تھا سجود سے
کسی نقش پا کی تلاش تھی جو جھکا رہا میں نماز میں

اکبر
تیار تھے نماز پہ ہم سن کے ذکرِ حور
جلوہ بتوں کا دیکھ کے نیت بدل گئی

رؤف
کیسا رکوع کیسا سجود کیسا قیام کیا قعود
محو جمالِ یار ہوں بس ہے یہی نماز عشق

الگزنڈر آزاد امروہوی
نماز کا ہے وہاں کیف جس جگہ واعظ
شراب پانی کے بدلے ملے وضو کے لئے

محزون
نماز عشق کی مقبولیت اگر چاہو
تو اشک غم کو فراہم کرو وضو کے لئے

مومن
وہ بت ادا سے سامنے آکر جو بیٹھ جائے
کعبے میں بھی نماز کو اپنی قضا کروں

مومن ٹونکی
مومن اگرچہ زہد میں عمر گذاری آپ نے
یہ تو بتائیے کبھی جی بھی لگا نماز میں

اقبال
جو بے نماز کبھی پڑھتے ہیں نماز اقبال
بلا کے دیر سے مجھ کو امام کرتے ہیں

میکش
یہ بھی کوئی نماز تھی اپنی
سجدۂ سہو تک ادا نہ ہوا

"
آنکھوں میں جلوہ گر ہے خیالِ جمال دوست
یہ وہ نماز ہے نہیں ہوتی قضا کبھی

ذوق
اس سنگِ آستاں پہ جبین نیاز ہے
وہ اپنی جا نماز ہے اور یہ نماز ہے

تابش
پائے ساقی پہ سر جھکا تابش
مے کدے میں نماز ہو جائے

کب کسی در پہ جبہ سائی کی شیخ صاحب نماز کیا جانیں داغ

حق عبودیت ادا بندہ نواز کردیا سجدۂ آخری میں سر وقفِ نماز کردیا محمد علی جوہر

نہیں

ایک ہی معنی نہیں رکھتی تمہاری ہر نہیں ایک گھبرا کر نہیں ہے ایک شرما کر نہیں

دن نہیں رات نہیں صبح نہیں شام نہیں رہ گئی ایک نہیں ہاں کا کہیں نام نہیں امیر مینائی

آپ کرتے ہیں بار بار نہیں ہم کو ہاں کا بھی اعتبار نہیں روشن

اس نہیں کا کوئی علاج نہیں روز کہتے ہیں آپ آج نہیں داغ

دل مجھ سے کہہ رہا ہے بگڑی ہوئی ضدوں پر قربان سو ادائیں ظالم کی اک نہیں پر سالک

ہوئے ہوں گے کسی سے وصل کے اقرار بھی شاید رہی ہم سے تو اس بے رحم کی نہیں برسوں نواب

اس کی زلفیں بنا رہے ہیں غیر دل کو بے وجہ پیچ و تاب نہیں مجروح

سُن کے بولے سوال بوسہ پر ایسی باتوں کا یاں جواب نہیں "

جھڑکی سہی ادا سہی چینِ جبیں سہی یہ سب سہی پر ایک نہیں کی نہیں سہی انشا

نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں شبِ فراق سے روزِ جزا زیاد نہیں غالب

نیند

کوئی آنے والا ابھی تک نہ آیا ستاروں کو بھی نیند آنے لگی نافع

کب کے خاموش ہو چکے ہیں چراغ نیند اب دیکھئے کب آتی ہے جوش

کون سنتا ہے داستانِ الم آپ کو نیند آ رہی ہو گی

موت کا ایک دن معین ہے نیند کیوں رات بھر نہیں آتی غالب

تھی وصل میں بھی فکرِ جدائی تمام شب وہ آئے بھی تو نیند نہ آئی تمام شب مومن

شاعر — میرا اصرار کہ اک شخص تمنائی ہے / ان کا اِٹھلا کے یہ کہنا ہمیں نیند آئی ہے

یہ کس کے دل کی کہانی سنائی جاتی ہے / وہ کہہ رہے ہیں مجھے نیند آئی جاتی ہے

جہیش چندر — ترے عنبریں گیسوؤں کے وہ سائے / غم زندگی کو جہاں نیند آئے

غالب — تا پھر نہ انتظار میں نیند آئے عمر بھر / آنے کا وعدہ کر گئے آئے جو خواب میں

شبِ فراق میں میں نے کہی یہ نیند سے بات / کہ تو بھی اب نہیں آتی ہے مجھ غریب کے پاس

تو سُن کے کہنے لگی سن تو مجھ سے او کم بخت / میں تیرے پاس رہوں یا ترے نصیب کے پاس

نہ موسیٰ کو بے ہوش سمجھے زمانہ / محبت کے سائے میں نیند آ گئی ہے

مومن — مو سفیدی کے قریب اور ہے غفلت مومن / نیند آتی ہے بآرام مگر آخر شب

جاوید — اُسی اثر سے ابھی تک نہیں ہیں ہوش بجا / ہمیں بھی نیند کبھی آئی تھی جوانی میں

شمیم صہبوری — کوئی راحت کی نیند سوتا ہے / کوئی تو پچھلے پہر سے روتا ہے

جس نے ہماری نیند اڑائی ہے اس طرح / یارب اُسے بھی نیند نہ آئے تمام رات

صفی لکھنوی — نیند آتی ہو گی سن کر داستانِ دردِ دل / ورنہ ظالم تجھ کو مطلب میرے افسانے سے کیا

واعظ

منبر پہ کچھ زبان پہ کچھ اور دل میں کچھ / واعظ نہ جانے کونسا انساں ہے آج کل

اکبر — جنابِ حضرتِ واعظ کا واہ کیا کہنا / جو ایک بات نہ ہوتی تو اولیا ہوتے

ریاض — دمِ وعظ کیسے مزے میں ہیں واعظ / بھرے جام کو ترکے چھلکا رہے ہیں

صفی لکھنوی — حضرتِ واعظ جو کل دکھلا رہے تھے سبز باغ / کشتِ جنت کا قبالہ کیا ان ہی کے نام تھا

سمجھ کر وعظ کہیئے گا ذرا اے حضرتِ واعظ / یہاں صحبت میں کچھ رندانِ بادہ خوار بیٹھے ہیں

مومن — ہاں تو کیونکر نہ کرے ترکِ بتاں اے واعظ / ایسی حوریں تری قسمت میں کہاں اے واعظ

〃 — توبہ گنہ عشق سے فرمائے ہے واعظ / یہ بھی کہیں دل دے کے گنہ گار ہوا ہے

دل نہ مانا حضرتِ واعظ کو آتا دیکھ کر — کچھ یوں ہی تھوڑی سی پی لی دل لگی کے واسطے — ریاض خیرآبادی

مبارک رہے تجھ کو واعظ بہشت — میاں ہم تو طالب ہیں دیدار کے

واعظ ذرا سنبھل کے زبان کھولنا یہاں — مجلس میں رند بھی ہیں سب ہی پارسا نہیں

بُرا نہ جان حسینوں کو مان لے واعظ — خدا گواہ یہ بندے خدا کے پیارے ہیں — داغ

تجھ کو جنت کی طلب ہے مجھ کو اس در کی تلاش — بخشے جاتے ہیں گنہ گار جہاں لے واعظ — ر

حور کے ذکر پہ آنسو نکل آتے ہیں ترے — تجھ میں پاتا ہوں محبت کے نشاں لے واعظ — ر

آنکھوں کی سے مری مجھ کو سمجھتا ہے شرابی — واعظ کو ابھی رند کی پہچان نہیں ہے — شباز

واعظ کو بڑا شکوہ ہے بے بال و پری کا — اڑتا نہیں ہے مرغ مسلم کئی دن سے — شوق بہرائچی

غالب بُرا نہ مان جو واعظ بُرا کہے — ایسا بھی ہے کوئی جو سب اچھا کہیں جسے — غالب

عجب واعظ کی دینداری ہے یا رب — عداوت ہے اسے سارے جہاں سے — اقبال

بڑی باریک ہیں واعظ کی چالیں — لرز جاتا ہے آوازِ اذاں سے — ر

مجلسِ وعظ سے حاصل یہ ہوا لے واعظ — تیری باتوں نے کیا اور گناہ گار مجھے — وفا

ڈرو ہوں میں نہ کریں رند تیری داڑھی کا — تبرکات میں داخل ہر ایک مو واعظ — سودا

آہی کو وا تھا دبر میں واعظ — ہم نے ٹالا خدا خدا کر کے — مجروح

لامکاں تک کی خبر حضرتِ واعظ نے کہی — یہ تو فرمائیں کہ اللہ کہاں رہتا ہے — داغ

تجھ کو کیا قدر ہو اے واعظ ناداں اُس کی — تو نے چکھے ہی نہیں ان کی محبت کے مزے — احسن بدایونی

وصل

وصل کہہ کر جسے دل شاد کیا کرتے ہیں — اصل میں وہ بھی ہے فرقت مجھے معلوم نہ تھا

ہنس بول کر یوں خالی دن گزرے تو کیا گزرے — کچھ وصل کا ساماں ہوں چاہت کا جو حاصل ہی — بسمل

وصل میں ہجر کے شکوے نہ فراموش ہوئے — بھول جانے کو جو قصے تھے وہی یاد رہے

داغ
جو یوں ہو وصل تو مٹ جائے سب رنج و محن اپنا
زباں اپنی دہن ان کا زباں انکی دہن اپنا

مومن
اس طرف کو دیکھنا بھی ہے تو شرمایا ہوا
وصل کی شب کا سماں آنکھوں میں ہے چھایا ہوا

داغ
کیوں وصل کی شب ہاتھ لگانے نہیں دیتے
معشوق ہو یا کوئی امانت ہو کسی کی

ملا ہوگا کسی کو باوفا کوئی مقدر سے
ہوا ہوگا کسی کو وصل ہم تو عمر بھر ترسے

الگزنڈر آزاد
وہ رشک کا عالم ہے کہ غیروں کا تو کیا ذکر
ہم وصل کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے

وضو

حامد
قبول ہوتی عجب کیا ہے زاہدوں کی نماز
اگر نچوڑ کے دامن مرا وضو کرتے

تیار ہوں نمازِ شہادت کے واسطے
کرنا ہے آج خونِ جگر سے وضو مجھے

پڑھی نماز جنازے کی میرے غیروں نے
مرے تھے جن کے لئے وہ رہے وضو کرتے

سیماب
عبادت اس کی نماز اس کی ہے نیاز اس کا
جو اپنے خون سے آمادۂ وضو ہو جائے

روشن
نمازِ محبت کے ارکان توبہ
یہاں شرط خونِ جگر سے وضو ہے

درد
تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

دنیا سے ہاتھ دھو کے چلیں کوئے یار میں
جائز نہیں طوافِ حرم بے وضو کئے

عباس
پینا نہیں شراب کبھی بے وضو کئے
قالب میں میرے روح کسی پارسا کی ہے

بیکس
مرا گناہ کا جب تھا کہ باوضو کرتے
بتوں کو سجدہ بھی کرتے تو قبلہ رُو کرتے

ذوق
عجب نہ تھا کہ زمانے کے انقلاب سے ہم
تیمم آب سے اور خاک سے وضو کرتے

وطن

ہیبر
کنعاں سے جا کے مصر میں یوسف ہوئے عزیز
عزت کسی کی ہوتی نہیں ہے وطن کے بیچ

علی حیدر زیدی
مردہ دل کیا کوئی زندہ ہے جہاں میں ایسا
جس کو احساس نہیں حبِ وطن کا اصلا

خود فراموشِ قفس ہم ہیں چمن یاد نہیں
غیر کے ہو گئے ایسے کہ وطن یاد نہیں — ثاقبِ لکھنوی

غربت میں ہوں اگر ہم رہتا ہے دل وطن میں
سمجھو وہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا — اقبال

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بَیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا — "

پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
خاکِ وطن کا ہم کو ہر ذرّہ دیوتا ہے — "

بلبل قفس میں کہتی ہے رَہ کر چمن سے دور
اللہ یوں کرے نہ کسی کو وطن سے دور — وفا

یارب ہمارا حشر ہوا اُن بے کسوں کے ساتھ
بے گور دبے کفن جو رہے تھے وطن سے دور — وفا

فراقِ خلد سے گندم ہے سینہ چاک اب تک
الٰہی ہو نہ وطن سے کوئی غریب جدا — ذوق

آبرو گر تجھے منظور ہے کر ترکِ وطن
قدر ہوتی ہے صدف سے جو ہو گوہر باہر — رند

ہو وطن میں خاک میرے گوہرِ مضموں کی قدر
لعل قیمت کو پہنچتا ہے بدخشاں چھوڑ کر — ناسخ

آبرو پاتا ہے جو ترکِ وطن کرتا ہے
کان سے لعل و گہر نکلے تو سر تک پہنچے — حشم

نہ رہے یار و آشنا باقی
ہم کو غربت ہوئی وطن میں ہے — مجروح

ہنسنے والا نہیں ہے رونے پر
ہم کو غربت وطن سے بہتر ہے — آتش

نہ تو نامہ ہے نہ پیغام زبانی آیا
آہ محزوں مجھے یارانِ وطن بھول گئے — محزون امروہوی

وعدہ

جو تمہاری طرح تم سے کوئی جھوٹے وعدے کرتا
تمہیں منصفی سے کہہ دو تمہیں اعتبار ہوتا — داغ

کہا کہ کل ہی تو وعدہ کیا تھا ملنے کا
کہا وہ جان چھڑانے کا اک بہانہ تھا

فائدہ ایسا وعدہ کرنے سے
بھولے سے جو کبھی وفا نہ ہوا

ضد کی ہے اور بات مگر خو بُری نہیں
بھولے سے اس نے سینکڑوں وعدے وفا کیے — غالب

وعدہ آسان ہے مشکل ہے تو آنا ان کا
شاد وعدے پہ تو اتنا دلِ ناشاد نہو — محزون امروہوی

آتے عشاق گئے وعدۂ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رُخِ زیبا لیکر — اقبال

ساحر ہوشیارپوری — جس کو کہتے ہیں وعدۂ فردا — زندگی بھر وفا نہیں ہوتا

وہ ہر وعدہ کر کے مکرتے رہے — قیامت یہ ہر رات ہوتی رہی

وعدۂ حسن پر یقیں کر کے — عمر بھر انتظار کون کرے

شام وعدہ کا ڈھل گیا سایہ — آنے والا ابھی نہیں آیا

دلِ ناداں کو سمجھاتے کہاں تک — ترے وعدوں پہ بہلاتے کہاں تک

تم نے وعدہ کر لیا دل کو تسلی ہو گئی — ہاتھ کیوں ملتے ہو اب کچھ تم نے ایفا کر دیا

تھا جس کا انتظار قیامت بھی آ گئی — کیا جانے اُن کے وعدہ و پیماں کو کیا ہوا

وفا نہ حشر میں وعدہ ہوا تو کیا ہو گا — خدا نخواستہ ایسا ہوا تو کیا ہو گا

زکی صدلکھنوی — آ کے بولے وہ پسِ مرگ مری بالیں پر — اب نہ کہنا کبھی تم وعدہ فراموش مجھے

کوکب — اس سے کیا وعدہ خلافی کی شکایت کیجئے — جو کبھی اپنی جفاؤں پہ پشیماں نہ ہوا

اسلم جیراجپوری — کیا وعدہ مگر آنکھوں سے ان کی — نمایاں شرم منظوری نہیں ہے

جلال — ان کا رہ رہ کے تسلی مجھے دینا یہ جلال — وعدہ ہم لوگ وفا کرتے ہیں تاخیر کے ساتھ

ثاقب — جیتے جی آئے قیامت تو مزا ہے ثاقب — دیکھ لیں وعدۂ فردا کا وفا ہو جانا

آرزو — کیا پھر تم نے روتا دیکھ کر دیدار کا وعدہ — پھر اک بہتے ہوئے پانی میں بنیادِ جہاں رکھ دی

باسط — ہزار بار کہوں گا میں لاکھ بار نہیں — نہیں ہے آپ کے وعدہ کا اعتبار نہیں

جگر — تسکین مضطرب کا مداوا نہ کیجئے — وعدہ تو کیجئے مگر ایفا نہ کیجئے

واصف — مزے سے اپنے گھر بیٹھے ہوئے باتیں بناتے ہیں — قیامت ان کے وعدے ہیں نہ آتے ہیں نہ جاتے ہیں

بسمل — ابھی آئے ہو ابھی مجھ سے ہے رخصت کا سوال — ہاں یہ کہیے کہ کسی اور سے وعدہ ہو گا

حالی — وہ امید کیا جس کی ہو انتہا — وہ وعدہ نہیں جو وفا ہو گیا

حاذق امروہوی — بگڑ بگڑ کے کہا اُس نے بھیجے لاشے سے — ہمارے وعدے کا تو نے نہ انتظار کیا

جمیل امروہوی — کیا نہ پورا کبھی یہ مرا مقدر تھا — مگر حضور نے وعدہ تو لاکھ بار کیا

کیا خاک کسی عاشقِ مضطر کو یقیں ہو | ظالم ترا وعدہ کبھی پورا نہیں ہوتا | میکش
وفائے وعدہ کو پوچھا تو بولے | کہ وعدہ چیز کیا ہے اور وفا کیا | نساخ
واہ رے وعدہ ترا قربان وعدے کے ترے | ایک دن کے ہو گئے لے بے وفا دو چار دن | امانت
یاد رکھیں گے ہم قیامت تک | وعدہ پورا کوئی ترا نہ ہوا | دانش
وعدے پہ مرے ان کے قیامت کی ہے تکرار | اور بات ہے آنے کی کہ ادھر کل ہے ادھر آج | داغ

وفا

یوں وفا اُٹھ گئی زمانے سے | کبھی گویا جہاں میں تھی ہی نہیں
ناز ہے اپنی جفاؤں پہ ستم گاروں کو | ہم کبھی اپنی وفاؤں پہ بھی نازاں نہ ہوئے
وفا کہہ رہی ہے کہ آنسو نہ ٹپکیں | کھٹکا جا رہا ہوں میں دل کی لگی سے
جاں نثاروں نے ترے کر دئے جنگل آباد | خاک اُڑتی تھی شہیدانِ وفا سے پہلے
آئے ہیں کون سے عاشق سے گلے مل کے حضور | آپ سے آج مجھے بوئے وفا آتی ہے
تجھے ناز تھا جن کے عہدِ وفا پر | وہی آج برہم ہوئے جا رہے ہیں
تری جفائے مسلسل میں فرق کیوں آیا | مری وفاؤں میں اے دوست کچھ کمی تو نہیں | نظیر بدایونی
ظالم ہماری لاش کو تشہیر ہے ضرور | آئندہ تا کوئی نہ کسی سے وفا کرے
وفا کے عہد کو لے دوست کیا سمجھا ہے | وفا کا عہد نبھانا کوئی مذاق نہیں | یکتا
سوچتا ہوں کہ اس زمانے میں | آپ نے ہم سے کیوں وفا کی ہے | رفعت سلطان
یہ امید وفا غلط ہے اسیر | حُسن والے وفا نہیں کرتے | اسیر
ان کو دیکھو وہ جفا پر بھی پشیماں نہیں | ہم وفا کر کے پشیمان ہوئے جاتے ہیں | فریدہ
ق
خام ہے اُس کا ادّعائے وفا | جو ترا بندۂ جمال نہیں
حسنِ خوباں کا پاس ہے مجھ کو | ورنہ ترکِ وفا محال نہیں

صبر کب تک کیا کرے کوئی ‎ دل نہ مانے تو کیا کرے کوئی
تم کسی سے وفا نہیں کرتے ‎ تم سے کیوں کر وفا کرے کوئی
کروں ضبط غم بھی تو آخر کہاں تک ‎ عجب چیز ہے ہائے فرض وفا بھی
اے سحر ان کا کیا گلہ کیجئے ‎ اس جہاں میں وفا کہاں ہے آج — سحر
تم جفا کرکے بھی مشہور جفا کار نہیں ‎ ہم کئے جاؤں وفا پھر بھی وفادار نہیں — صدیقی زاہد آبادی
دل دیدیا بے عذر مگر عرض ہے اتنی ‎ فرصت ہو تو انداز وفا دیکھتے رہنا — محشر
عدو ہے تم بھی ہو اور آسماں جفا کے لئے ‎ بتاؤ کون ہے میرے سوا وفا کے لئے — وفا
جفا تو خیر جفا ہے جفا کا ذکر ہی کیا ‎ تری وفا بھی مجھے ناگوار گذری ہے — شملوی
ہے جفا پر دری تو خوان کی ‎ ہم سے ممکن نہیں وفا نہ کریں — حیرت
کعبے میں کلیسا میں ہم نے تو جہاں دیکھا ‎ اے قصر وفا تیری تعمیر نظر آئی — فانی
ادھر رہ گئی یا ادھر رہ گئی ‎ وفا کی شکایت مگر رہ گئی — بینظیر
اللہ اللہ تیری صورت کس قدر معصوم ہے ‎ اور احساس وفا سے تیرا دل محروم ہے
جان دینا فقط جنوں ہی نہیں ‎ بلکہ یہ شیوۂ وفا بھی ہے
ہم کو ان سے وفا کی ہے امید ‎ جو نہیں جانتے وفا کیا ہے — غالب
کر رہے ہیں وہ دل زار کے زخموں کا شمار ‎ آج اندازۂ ارباب وفا ہو جائے — صادق
کٹی عمر اس کا کہا کرتے کرتے ‎ جفا سہتے سہتے وفا کرتے کرتے — امروہوی
ہے جفاؤں پہ بھی گمان وفا ‎ کیسے نادیدۂ وفا ہیں ہم — مخدوں
مزا تو دیکھو کہ خود بے وفا ہے ‎ مگر ہم سے دنیا وفا چاہتی ہے — مومن
شہید وفا تیرا اجر جاری رہے گا ‎ تو ہی ہے جو مر کر بھی زندہ رہے گا — منظر لکھنوی
گرا تھا خون ناحق جس جگہ تیرے شہید دل کا ‎ جہاں میں آج تک بوئے وفا آتی ہے اس گل سے — فانی لکھنوی
سید ہو یا چمار ہو اس جا وفا ہے شرط ‎ کیا عاشقی میں پوچھتے ہو ذات کے تئیں — میر

جفا تجھ سے اے بے وفا چاہتا ہوں
مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں — حسرت

معشوقوں سے امیدِ وفا رکھتے ہیں ناسخ
ناداں کوئی دنیا میں نہیں تم سے زیادہ — ناسخ

بُرا نہ مانو تو اِک بات پوچھ لیں تم سے
جفائیں ہم سے جو ہوتیں تو تم وفا کرتے — بیدی سحر

لاشہ اُٹھایا دفن کیا فاتحہ پڑھا
جب جان لے چکے تو بڑے باوفا ہوئے — جاوید

سُن کے میری وفا کو اہلِ وفا
کہتے ہیں بار بار کیا کہنا — جدید

وفا کا قحط ہے ایسا کہ ہم تو
ملے تو مول لے آئیں کہیں سے — مجروح

دُکانِ حُسن میں رکھتے نہیں متاعِ وفا
وگرنہ لیتے ہم ایک اپنے مہرباں کے لئے — ذوق

سجدوں کا بھی موقع نہ دیا اہلِ وفا کو
بھر بھر کے مٹاتے ہیں وہ نقشِ کفِ پا کو — رسا رامپوری

وقت

پینے کا وقت ہے نہ پلانے کا وقت ہے
یہ مے کدے کی آگ بجھانے کا وقت ہے

جب خوشی بھی گراں گزرتی ہے
ایک ایسا بھی وقت آتا ہے — اطہر

شوق ہو اسلم تو بس اس کے سوا کچھ بھی نہ ہو
ہو اگر ممکن. انہیں ہر وقت دیکھا کیجئے — اسلم

ہنس بول لو یہ وقت غنیمت ہے بلبلو
پھر گل کہاں بہار کہاں آشیاں کہاں — نسیم

آنے جانے سے کسی کے ہوگئی دونوں کی قدر
رات کیا پہلے نہ تھی وقتِ سحر پہلے نہ تھا — حامد

احباب کا وہ ساتھ نہ دے وقت پر غلط
اظہر بُرا سہی مگر اتنا برا نہیں — اظہر قادری

دمِ آخر ہی کیا نہ آنا تھا
اور بھی وقت تھے بہانے کے — میر

تیری نظریں لڑی تھیں جب مجھ سے
ہائے وہ وقت بھولتا ہی نہیں

رفیق حال بُرے وقت میں نہیں کوئی
شریکِ جنگ میں شمشیر کا نیام نہیں — آتش

ہائے وہ وقت کہ جب دل کو تسلی دوگے
میرے اشعار سے بادیدۂ تر میرے بعد — شفیق

ایک ہی طرح وقت کٹتا ہے
فرق شام و سحر نہیں معلوم — صادق

ہار

دوستی اب گلے کا ہار نہیں
تار ٹوٹا بکھر گئے دانے

الجھ پڑوں کسی دامن سے میں وہ خار نہیں
وہ پھول ہوں جو کسی کے گلے کا ہار نہیں — ریاضؔ

بہار نام کی ہے کام کی بہار نہیں
کہ وسعت شوق کسی کے گلے کا ہار نہیں — خوشترؔ

خوشتر یہ اپنا جوشِ عقیدت تو دیکھئے
پہنا رہے ہیں ہار خدائے بہار کو — جوہرؔ

ماتھے پہ رنگا صندل وہ ہار پہن نکلے
ہم کھینچ وہیں قشقہ زنار پہن نکلے — جلیلؔ

پھر بندھا سلسلہ اشکوں کا خدا خیر کرے
پھر گلے کا یہ مرے ہار ہوئے جاتے ہیں

یک جا کھلے جو پھول تو گلزار ہو گیا
ہم رشتہ چند گل جو ہوئے ہار ہو گیا

اس کے ہر ہر پھول میں جاوید ہے بوئے وفا
پاس اپنے آن کا باسی ہار رہنے دیجئے — جاویدؔ

ہجر

شبِ معراج ہیں محبوب کو بلوا ہی لیا
ہجر وہ شے ہے خدا سے بھی اٹھایا نہ گیا

ہوتے ہیں کتنے مختصر ایام لطفِ دوست
ہم بدنصیب ہجر کے ماروں سے پوچھئے

آغازِ عشق ہجر تھا۔ انجامِ عشق ہجر
یعنی ابھی وہیں ہیں چلے تھے جہاں سے ہم

کب نکلے اور ڈوبے تارے
کیا جانیں ہم ہجر کے مارے

مجھ سے تم بن جیا نہیں جاتا
ہجر کا غم سہا نہیں جاتا

ہجر کی رات بدستور کٹی جاتی ہے
جاگتے جاگتے پھر صبح ہوئی جاتی ہے

یہاں تک ستایا شبِ ہجر نے
کہ اب آرزوئے سحر ہی گئی

ہجر کے لمحات کا کیا چھیڑتے ہو تذکرہ
جانے کتنی بار مر مر کر جیا کرتا ہوں میں

آنکھ میں آنسو لبوں پر آہ دل کھویا ہوا
ہجر کی راتیں بسر ایسے کیا کرتا ہوں میں

کھل گیا میری زندگی کا راز
اے شب ہجر تیری عمر دراز

ہائے کیا کریں گے اب سے دعا ہجر یار کی
آخر تو دشمنی ہے دعا کو اثر کے ساتھ
مومن

سر کو پٹکا ہے کبھی سینہ کبھو پیٹا ہے
ہم نے شب ہجر کی دولت سے مزا لوٹا ہے
قائم

یہ کہنا ان سے کہ جینا حرام ہے اس کا
کہ ہائے ہجر میں رونا ہی کام ہے اس کا
کوکب

شکوۂ ہجر ہے توہین محبت شاہین
دل بے تاب کو آرام ملے یا نہ ملے
شاہین

وصل کی شب بھی نہ گذری چین سے
میں خیال ہجر سے تڑپا کیا

وصل میں ہجر کا غم۔ ہجر میں ملنے کی اُمید
کون کہتا ہے جدائی سے وصال اچھا ہو
تمیز

کس کو بھلا خیال ہے ایام ہجر میں
دن ہے خزاں کا یا کہ ہو موسم بہار کا
نساخ

ہجر جاناں میں ہر اک سے پوچھتے پھرتے ہیں ہم
دل کو دیکھا ہے کبھی تم نے سنبھل جاتے ہوئے
جدید

مزے وصل کے ہجر میں لے رہے ہیں
وہ آنکھوں میں ایسے سماتے ہوئے ہیں
مجروح

تیرا تصور ہے دم ساز
خوب کٹے گی ہجر کی رات

ہچکی

موت کی ہچکی میں پنہاں زندگی کا راز تھا
جس کو سب انجام سمجھے تھے وہی آغاز تھا
حسب محسن ضا

ہے وقت نزع میرا آرہی ہے آخری ہچکی
ذرا تو اے قضا تھم جا وہ مجھ کو یاد کرتے ہیں

تم نہ کرنا یاد مجھ کو بھول کر بھی ہجر میں
ایک دو ہچکی میں میرا خاتمہ ہو جائیگا
شاکر دہلوی

نزع میں ہچکیوں کا آنا تھا
مرنے والے کو اک بہانہ تھا
بیخود

اہل قفس کو ہچکیاں آتی ہیں بار بار
شاید چمن میں یاد کیا ہے بہار نے
واقف

یہ کہہ کے بیمار نے ہچکیاں لیں
بڑی دیر کی تو نے اے آنے والے
شفیق

بقدر ضبط جس میں داستان درد پنہاں تھی
وہ ہچکی بھی بالآخر آگئی کیا تم نہ آؤ گے
ی بید سحر

لے آئی انہیں ساتھ مری نزع کی ہچکی
ڈوبی ہوئی آواز میں اتنا تو اثر ہے
سبط حسن لکھنوی

قویؔ
مرے یاد کرنے سے یہ مدعا تھا — نکل جائے دم ہچکیاں آتے آتے
ہچکیاں آنے لگیں جو پے بہ پے مجھ کو قویؔ — یاد کرتے ہیں کسی محفل میں شاید بادہ خوار

ہستی

شادؔ
ان پہ ہستی نثار کرتے ہیں — اور دیوانہ وار کرتے ہیں
سنی حکایتِ ہستی تو درمیاں سے سنی — نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم
اپنی ہستی پہ ناز ہے مجھ کو — ان کی ہستی کا رازدار ہوں میں

محشرؔ لکھنوی
مرگیا بیمارِ غم کروٹ جو بدلی ضعف سے — عالمِ ہستی میں آخر انقلاب آ ہی گیا

حیاتؔ امروہوی
سازِ ہستی کس بلا کا ساز ہے — بج رہا ہے اور بے آواز ہے

اصغرؔ گونڈوی
عاشق کی بھی ہستی ہے دنیا میں عجب ہستی — زندہ ہے تو رسوا ہے مرجائے تو افسانہ
جو نقش ہے ہستی کا دھوکہ نظر آتا ہے — پردے پہ مصور بھی تنہا نظر آتا ہے

احسن اللہ خاں ثاقبؔ
مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے — کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے
خاک ایسی زندگی پر کہ اک دل ہے وہ حزیں — ہستی کا نقش لوحِ جہاں سے مٹائیے

فانیؔ
ہوں مگر کیا یہ کچھ نہیں معلوم — میری ہستی ہے غیب کی آواز

ارشدؔ
ہے ابتدائے ہستی اک محشرِ تمنا — محرومی ابد ہے انجامِ کارِ ہستی

عزیزؔ
اپنی ہستی کے سوا غیر کو سجدہ ہے منع — مذہبِ پیرِ مغاں مشربِ رنداں ہی یہی

اقبالؔ
بزمِ ہستی اپنی آرائش پہ تو نازاں نہ ہو — تو تو اک تصویر ہے محفل کی اور محفل ہوں میں

ناسخؔ
معلوم کیا کہ چشمِ زدن میں کہاں ہے تو — ہستی کو کر خیال کہ عالم ہے خواب کا

غالبؔ
ہستی کے مت فریب میں آ جائیو اسدؔ — عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

؍؍
ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے — یاں تک مٹے کہ آپ ہی اپنی قسم ہوئے

؍؍
ہاں کھائیو مت فریبِ ہستی — ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

ہنسی

طور پہ ہو گیا اور آگیا موسیٰ کو غش — ہنسنے والے یہ ہنسی کا کون سا انداز تھا — حبیب لکھنوی

آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی — اب کسی بات پر نہیں آتی — غالب

چمن میں گریۂ شبنم غلط سہی لیکن — سوال یہ ہے کہ پھولوں کو کیوں ہنسی آئی

یادِ غم دل سے کبھی جاتی نہیں — اَب تو بھولے سے ہنسی آتی نہیں

اِدھر ہم نے اِک آہ سرد کھینچی — ہنسی پھر آگئی اپنے کئے پر

جانتا گر اس ہنسی کے دردناک انجام کو — میں ہوا کے گدگدانے سے نہ ہنستا نام کو

کہاں تک اے وقارِ غم کہاں تک — ہنسی کی بھیک ہم مانگیں کہاں تک

مرگِ عاشق پر فرشتہ موت کا بدنام تھا — وہ ہنسی روکے ہوتے بیٹھا تھا جس کا کام تھا — منتظر اثر دہلوی

دے کر مجھے تسلی بے چین کر رہے ہو — ہنستے ہو وعدہ کر کے قربان اس ہنسی کے — رسا

دل جلوں سے دل لگی اچھی نہیں — رونے والوں سے ہنسی اچھی نہیں — ریاض خیرآبادی

کہو گے جو کچھ تو سنو گے بھی رند — ہنسی میں تو شاہ و گدا ایک ہے — رند

کیا ہنسی آتی ہے مجھ کو حضرت انسان پر — فعلِ بد تو خود کریں لعنت کریں شیطاں پر — انشا

جو کچھ سوجھتی ہے نئی سوجھتی ہے — میں روتا ہوں ان کو ہنسی سوجھتی ہے — امیر

اظہارِ محبت پہ ہنسی آتی ہے ہنس لو — تم نے ابھی تاثیرِ محبت نہیں دیکھی — اختر

تڑپنے پر کسی بسمل کے ہنس لو خوب سا لیکن — ہنسی میں ہی چھلک جائے نہ ان آنکھوں کا پیمانہ — واقف

شفیق اب آتے جاتے ہیں وہ نزدیک — ملے تھے آج تو منھ پر ہنسی تھی — شفیق

ہم کو تو یاد آئیں ادائیں حضور کی — یہ آپ کی ہنسی ہے کہ تجلی ہے طور کی — جاوید

کبھی رو دیا ہوں میں جوشِ جنوں میں — کبھی روتے روتے ہنسی آگئی ہے — میکش

ہوس

ذوق — سب کو دنیا کی ہوس خوار لئے پھرتی ہے — کون پھرتا ہے یہ مردار لئے پھرتی ہے
کچھ عجب چیز ہے آدابِ محبت کا لحاظ — ان سے مل کر بھی ہوس دل کی نکالی نہ گئی
قید نے کھوئے ولولے دل کے — پہلے ہم کو بھی تھی چمن کی ہوس

ہوش

صفی — جانا جانا جلدی کیا ہے ان باتوں کو جانے دو — ٹھہرو ٹھہرو دل تو ٹھہرے مجھ کو ہوش تو آنے دو
آرزو — ہم کو اتنا بھی رہائی کی خوشی میں نہیں ہوش — ٹوٹی زنجیر کہ خود پاؤں ہمارا ٹوٹا

آنکھوں سے سدھاری بینائی۔ سننے سے معطل گوش ہوئے
جب ہوش تھے تب مدہوش رہے جب ہوش نہیں تب ہوش ہوئے

مجھ کو تو ہوش نہیں تم کو خبر ہو شاید — لوگ کہتے ہیں کہ تم نے مجھے برباد کیا
حیدر — یاد چشم مست ساقی میں جسے غش آ گیا — حشر تک دیکھا نہ اس کو ہوش میں آتے ہوئے
مائل دیر و حرم تو نے یہ سوچا بھی کبھی — زندگی خود ہی عبادت ہے اگر ہوش رہے

یاد

شاکر — کوئی بھول جانے پہ بھی یاد رکھے — کوئی یاد رکھنے پہ بھی بھول جائے
امر دہوی محزوں — جب تک کہ تجھے یاد مرا نام نہ آیا — او بھولنے والے مجھے آرام نہ آیا

خزاں ہی ہم نے دیکھی باغباں جب سے کھلیں آنکھیں
کریں گے یاد کیا ہم بھی کبھی آئے تھے گلشن میں

ذوق — اور کچھ ہو نہیں سکتا ہم سے — آپ کو یاد کئے جاتے ہیں

آتے ہی یادِ آپ کی آنسو نکل پڑے
آنکھوں سے رازِ عشق چھپایا نہ جاسکا — روشن

تم ہمیں یاد کرو یا نہ کرو
ہم تمہیں یاد کئے جاتے ہیں — "

جب یاد کیا ہے تو تجھے یاد کیا ہے
جب نام لیا ہے تو ترا نام لیا ہے — وفا

برسات کی اس رات میں اے دوست تری یاد
اک تیز چھری ہے جو اترتی چلی جائے — شمیم جےپوری

اول تو یہ کہ نیند نہ آئے تمام رات
پھر اس پہ ان کی یاد ستائے تمام رات

وہ اشکوں کی روانی کے زمانے یاد آتے ہیں
وہ باہیں یاد آتی ہیں وہ شانے یاد آتے ہیں

ملاقاتوں کے وہ منظر سہانے یاد آتے ہیں
غم واندوہ میں ڈوبے فسانے یاد آتے ہیں

اگر گذرے ہوئے رنگیں زمانے یاد آتے ہیں
تری مجبوریاں تیرے بہانے یاد آتے ہیں — ہوی

آپ کی جب بھی یاد آئی ہے
زندگی رو کے مسکرائی ہے — جالبؔ برو

خوگر ہوں میں تو ہجر کے صدمے اٹھاؤں گا
تم کیا کرو گے جب میں تمہیں یاد آؤں گا — رؤف

جس روز کسی اور پہ بیداد کرو گے
یہ یاد رہے ہم کو بہت یاد کرو گے — سودا

آکے تربت پہ مری رو کے کیا یاد مجھے
خاک اڑانے لگے جب کر چکے برباد مجھے — "

شب کو سو مرتبہ گھٹ کر دلِ ناشاد آیا
رات اس طرح سے کاٹی کہ خدا یاد آیا

ہزاروں طرح سے صاحب تمہیں ہم یاد کرتے ہیں
کبھی چپ ہیں کبھی روتے ہیں کہ فریاد کرتے ہیں — حامد

اپنی ہی وفا یاد نہ ان کی ہی جفا یاد
اب مجھ کو نہیں کچھ بھی محبت کے سوا یاد

آج کیوں ہچکیاں آئیں دل ناشاد مجھے
شاید اس شوخ نے بھولے سے کیا یاد مجھے

اپنی اُلفت کا مآل اچھا نظر آتا نہیں
ان کی عادت بھولنے کی ہم کو عادت یاد کی

رات دن صبح و شام آتی ہے
یاد ان کی مدام آتی ہے — امیر وہوی متین

سچ تو یہ ہے متین ہر غم میں
یادِ آقا ہی کام آتی ہے — "

اس دل سے تری یاد بھلائی نہیں جاتی
یہ پیار کی دنیا ہے لٹائی نہیں جاتی

سعیدی

درد

ہم ان سے کہیں ملے ہیں لیکن
کچھ یاد نہیں کہاں ملے ہیں

اے دوست یاد ان کی اب تک رلا رہی ہے
دو دن جو مل گئے تھے ہنسنے کو زندگی میں

ضیا

چارہ گر اور بھی کہنے کو ہیں لیکن اے دوست
تم ہی یاد آتے ہو جب درد سوا ہوتا ہے

رفعت سلطانی

تمہاری یاد کا ہے فیض ورنہ
ہماری صبح کیا ہے شام کیا ہے

رونق

دل سے بھلائیے ہمیں لیکن یہ سوچ کر
رہ رہ کے آپ کو نہ کہیں یاد آئیں ہم

دل کی چوٹوں نے کبھی چین سے رہنے نہ دیا
جب چلی سرد ہوا میں نے تجھے یاد کیا

میری ہر سانس ہے اس بات کی شاہد اے موت
میں نے ہر لطف کے موقعہ پہ تجھے یاد کیا

وہ اگر یاد کریں ہم کو تو بھولیں کس کو
ہم اگر ان کو بھلا دیں تو کسے یاد کریں

راہی بلند شہری

گذر گئی ہیں جو گھڑیاں وہ دل دکھاتی ہیں
جو راتیں بیت گئیں ہیں وہ یاد آتی ہیں

بیدی سحر

بھلاتا ہوں کسی کی یاد کو لیکن مرے دل میں
کچھ ایسے نقش بھی ہیں جو مٹانے سے ابھرتے ہیں

رئیس

یہ ناممکن کہ مجھ کو یاد فرمایا نہیں جاتا
مگر مجھ سے کبھی ارشاد فرمایا نہیں جاتا

عارف

ڈوبنے والے کو تنکے کا سہارا چاہیئے
بیکسی میں یاد بھی تیری کرم سے کم نہیں

گذرے نہ اک نفس بھی تری یاد کے بغیر
میں چاہتا ہوں عمر مری رائیگاں نہ ہو

صادق

ہم نے جب بھولنے کی کوشش کی
اور شدت سے آپ یاد آئے

طبیعت لاکھ مانوس قفس ہے ایک مدت سے
مگر پھر بھی چمن کی یاد اکثر آ ہی جاتی ہے

تغافل میں بھی شاید کوئی پہلو ہے توجہ کا
کہ تم جتنا بھلاتے ہو میں دونا یاد کرتا ہوں

ناصر

زندگی جس کے دم سے ہے ناصر
یاد اس کی عذاب جان بھی ہے

بہت حسین ہیں مجبوریاں محبت کی
بھلا رہا ہوں مگر یاد آ رہا ہے کوئی

دن کو بھی تری یاد ہے شب کو بھی تری یاد
دم بھر کو ہوا دل نہ تری فکر سے آزاد

جگر

آئی جو ان کی یاد تو آتی چلی گئی
ہر نقش ماسوا کو مٹاتی چلی گئی

صفدر

دکھلائے نیا رنگ وفا اے دل غم گیں
وہ بھولتے جائیں تجھے تو یاد کئے جا

تول مرداں جان دارد یہ مثل مشہور رہے　　یاد تیری چھوٹ جائے یہ تو دل سے دور رہے　　— بہزاد
دل کو یوں شاد کیا کرتا ہوں　　میں تمہیں یاد کیا کرتا ہوں　　— رئیس
پھر شبِ ہجراں ہے ان کی یاد ہے　　عالم ناشاد میں دل شاد ہے
تم مرے پہلو سے اٹھو تو ہزاروں پہلو　　میں تمہیں بھول کے بیٹھوں تو کسے یاد کروں
تصدق اس کرم کے میں کبھی تنہا نہیں رہتا　　اگر تم خود نہیں آتے تمہاری یاد آتی ہے
یہ نہیں مجھ کو خبر کیا ہے حقیقت کیا مجاز　　دیکھ کر ان کو خدا کی یاد کر لیتا ہوں میں　　— عدم
دل میں اک درد اٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے　　بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانئے کیا یاد آیا　　— صبا لکھنوی
مجھے یاد کرنے سے یہ مدعا تھا　　نکل جائے دم ہچکیاں آتے آتے　　— داغ
ہے کس کا جگر جس پہ یہ بیداد کروگے　　لو دل تمہیں ہم دیتے ہیں کیا یاد کروگے　　— جرأت دہلوی
سنا ہے آپ ذکرِ عاشقِ ناشاد کرتے ہیں　　جزاک اللہ مجھ بھولے ہوئے کو یاد کرتے ہیں　　— فیض الحسن

وہ نئے گلے وہ شکایتیں وہ مزے مزے کی حکایتیں
وہ ہر اک بات پہ روٹھنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو　　— مومن

کل کی باتیں بھی یاد ہیں کہ نہیں　　ہم سے صاحب کو ننگ و عار ہے آج　　— الگزنڈر آزاد
نہیں آتی تو یاد ان کی مہینوں تک نہیں آتی　　مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں　　— حسرت
ہم سے کچھ وعدہ ہوا تھا ہم سے کچھ قول و قرار　　وہ زمانہ وہ گھڑی وہ دن تمہیں ہے یاد بھی　　— بیخود
اس طرح جی کہ بعد مرنے کے　　یاد تو کوئی گاہ گاہ کرے　　— سرور
تم ستم گار نہیں بانیٔ بیداد نہیں　　کہہ دیا ہوگا کسی وقت مجھے یاد نہیں　　— رضا
تم جسے یاد کرو پھر اسے کیا یاد رہے　　نہ خدائی کی ہو پروا نہ خدا یاد رہے
آپ کے آنے سے پہلے یاد تھا سب کچھ نہیں　　یاد اب آئے گا سب کچھ آپ کے جانے کے بعد　　— نخشب

یادگار

وہ حسن و عشق کا بس ایک لمحہ رنگیں　　تمام عمر کی اک یادگار ہوتا ہے　　— وزیر

اک یادگار چھوڑ گئے بعد مرگ ہم
تھوڑا سا درد بازوئے قاتل میں رہ گیا

مؤلف — زمینِ گورِ غریباں سے آرہی ہے صدا
میں یادگار ہوں گزرے ہوئے زمانے کی

اقبال — نہ پائمال کریں مجھ کو زائرانِ چمن
انہیں کی شاخِ نشیمن کی یادگار ہوں میں

اجاڑ ہو گئے عہدِ کہن کے میخانے
گذشتہ بادہ پرستوں کی یادگار ہوں میں

امروہوی فصاحت — خوشی سے جان دی قاتل پہ دل نثار کیا
شہیدِ ناز نے ہر کام یادگار کیا

حامد — کیسے کیسے غم رہے ماتم رہے
مر کے بھی ہم یادگارِ غم رہے

مشتاق — پیری نے الفتوں کے نشاں سب مٹا دئے
اب ایک داغِ دل ہے فقط یادگارِ عشق

یار

میر — یہ کہتے وہ کہتے تھا دل میں جو یار آتا
سب کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا

سودا — خواہ کعبے میں تجھے خواہ میں بت خانے میں
اتنا سمجھوں ہوں مرے یار کہیں دیکھا ہے

کشاں کشاں مرا لاشہ تو لے گئے احباب
نکل کے رہ گئی قالب سے کوئے یار میں روح

گذرا جہاں سے میں تو کہا ہنس کے یار نے
قصہ گیا۔ فساد گیا۔ دردِ سر گیا

آدم سے باغِ خلد چھٹا ہم سے کوئے یار
وہ ابتدائے رنج ہے یہ انتہائے رنج

اللہ رے ذوقِ الفت اللہ ری طبیعت
یاروں کے یار سب ہیں ہیں بندہ عدو ہوں

رشکی دہلوی — غصہ آتا ہے۔ پیار آتا ہے
غیر کے گھر سے یار آتا ہے

سوز — یار گر صاحب وفا ہوتا
کیوں میاں جان کیا مزا ہوتا

مومن — بنے کیوں کر کہ ہے سب کار الٹا
ہم الٹے بات الٹی یار الٹا

قادری — نہ ہوسکا جو کبھی غم گسار اپنوں کا
بھلا وہ قادری غیروں کا یار کیا ہوگا

روشن — تجربہ شاہد ہے روشن معتبر ہوتا نہیں
عیش کا ساتھی سفر کا دوست یارِ میکدہ

برق — کیا کیا اڑی ہیں جیب و گریباں کی دھجیاں
ہاتھوں سے جب کہ یار کا دامن نکل گیا

یار جانی کہیں نہیں ملتا | یوں تو ہوتے ہیں یار ہونے کو | اقبال
مرتے ہی جتنے یار تھے اغیار ہو گئے | سب خاک میں ملانے کو تیار ہو گئے | منتظر
اہلِ دنیا کے لئے تنگ سہی | رونقِ انجمنِ یار ہوں میں
آنکھوں میں روئے یار تھا آنکھیں تھیں روئے یار پر | ذرّہ تھا آفتاب میں ذرّہ میں آفتاب تھا | جوش
پھوٹ نکلا رنگ جسم یار سے | پھول بوٹے بن گئے پوشاک پر | صبا
بے ہوش اک جھلک میں ہوئے حضرت کلیم | جھپکی یہاں نہ آنکھ رُخِ یار دیکھ کر | طرفی جونپوری
سمجھ کے صنعت صانع حسین کو پیار کیا | خدا کے دوست بنے اور بتوں کو یار کیا | حاذق
ہو لئے جس کے ہو لئے بیخود | یار اپنا تو یہ حساب رہا | بیخود
رہیں گے دیر و حرم جس سے منزلوں پیچھے | تلاشِ یار میں وہ بھی مقام آئے گا | بیدی سحر
الم و درد و رنج و بے تابی | یار اپنے یہی پرانے ہیں | مجروح
شہر ویرانہ تھا کیوں نہ نظر آئے ہمیں | صحبتیں وہ نہ رہیں اور نہ وہ یار رہے | ''

یاس

مزاجوں میں یاس آ گئی ہے ہمارے | نہ مرنے کا غم ہے نہ جینے کی شادی | میر
یاس کے عالم میں میں دل کی کہانی کیا کہوں | مختصر یہ ہے کہ محروم تمنا ہو گیا
محال میری رسائی تھی ان کے قدموں تک | ہزار یاس سے بوسے اس آستاں کے لئے | اسعد
نہ بیداری میں راحت ہے نہ نیند آتی ہے بستر پر | سیہ خانہ ہے میرا اور ہجوم یاس حرماں ہے
گھرے ہوئے ہیں چاروں طرف سے ہجوم یاس | یہ میری جان پر ہے الٰہی وبال کیا | میکش

یقین

مرے باغباں کو شاید یہ ابھی یقیں نہیں ہے | کہ چمن کی زینتیں ہیں خس و خار آشیانہ

محمور

ہیں اس کے وعدے کا اب بھی یقین کرتا ہوں
کوئی سمجھ نہ سکا مجھ پہ کیا گزرتی ہے

حسرت شادانی

کس کو حسرت یقین آئے گا
مجھ کو مارا مرے مسیحا نے

تو اک سراب مگر میں نشانِ منزل ہوں
تو اک فریب ہے اور میں یقین کامل ہوں

بتوں کو بزم دل کہا اور بارہا کہا
مگر یقین نہ کیجئے خلافِ ماجرا کہا

یقین اپنی وفا کا دلاؤں میں کیوں کر
یقیں دلا دو گے تم تو مری قسم کھا کر

پھیر لو اپنی نگاہِ شرم گیں
آگیا بس آگیا مجھ کو یقیں

داغ

دل کیا ملاؤ گے کہ ہمیں ہو گیا یقین
تم سے تو خاک میں بھی ملایا نہ جائے گا

ریاض

بے درد تجھ کو بات کا جب بھی یقیں نہ ہو
ہم رکھ دیں سامنے جو کلیجہ نکال کے

نسیم

مقرر ظالموں کو بھی پسند آتا ہے جھک جانا
خمِ شمشیر قاتل دیکھ کر ہم کو یقیں آیا

ذوق

ہم ہیں غلام ان کے جو ہیں وفا کے بندے
اس کو یقین جانو گر ہو خدا کے بندے

میکش

کیوں کر یقیں کروں کہ دل خوں شدہ نہیں
دکھلاؤ تو یہ ہاتھ میں ہے لال لال کیا

جا کے بیٹھیں بھی اگر بزم میں ہم یار کے پاس
ہے یقیں اُٹھ کے وہ جا بیٹھیں گے اغیار کے پاس

شوخ

آپ کی قسموں کا اور مجھ کو یقیں
ایک بھی وعدہ کبھی پورا کیا

مجروح

چیر کر سینہ داغ دکھلائے
تم کو اب بھی یقین کیا نہ ہوا

گر نہیں میرا یقیں خود دیکھ لے
آئینہ میں تیرا ثانی اور ہے

ذوق

صنم میرے دل کو خدائی کا تیری
یقیں ہے یقیں بلکہ عین الیقیں ہے